

2142

act

UNIVERSITY OF KASHMIR

Acc. No. 35373

Author مقتوف (غلام سجاد)

مذکرہ

UNIVERSITY OF KASHMIR
LIBRARY



DATE LABEL

[illegible]

Call No.....

Date

Account No.....35373

J. & K. UNIVERSITY LIBRARY

This book should be returned on or before the last stamped above. An overdue charges of 6 nP. will be levied for each day. The book is kept beyond that day.

Duplicate

عنون

U1092

~~346~~

973 ✓

سیات مطبوعات انجمن ترقی اردو نمبر ۵۴

تذکرہ ہندی

تالیف

غلام سہدائی مصحفی

مرتبہ

مولوی عبدالحق صاحب بی اے (علیگ) معتمد اغزاری
انجمن ترقی اردو - اورنگ آباد (دکن)

جانتی برقی پریس ہلی

۱۹۳۳ء

طبع اول

قواعد و ضوابط انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

- ۱۔ سرپرست وہ ہوں گے جو پانچ سو روپے یکمشت یا پانچ سو روپے سالانہ انجمن کو عطا فرمائیں۔ (ان کو تمام مطبوعات انجمن بلا قیمت اعلیٰ قسم کی جلد کے ساتھ پیش کی جائیں گی)۔
- ۲۔ معاون وہ ہوں گے جو ایک سو روپے یکمشت یا سالانہ سو روپے عطا فرمائیں گے۔ (انجمن کی تمام مطبوعات ان کو بلا قیمت دی جائیں گی)۔
- ۳۔ رکن مدامی وہ ہوں گے جو اڑھائی سو روپے یکمشت عطا فرمائیں گے (ان کو تمام مطبوعات انجمن مجلد نصف قیمت پر دی جائیں گی)۔
- ۴۔ رکن معمولی انجمن کی مطبوعات کے مستقل خریدار ہوں گے جو اس بات کی اجازت دیں گے کہ انجمن کی مطبوعات طبع ہوتے ہی بغیر دریافت کئے بذریعہ قیمت طلب پارسل ان کی خدمت میں بھیج دی جائیں (ان صاحبوں کو تمام مطبوعات پچیس فی صدی قیمت کم کر کے دی جائیں گی) مطبوعات میں انجمن کے رسالے بھی شامل ہیں۔
- ۵۔ انجمن کی شاخیں (کتب خانے) وہ ہیں جو انجمن کو یکمشت سو سو روپے یا بارہ سو روپے سالانہ دیں۔ (انجمن ان کو اپنی مطبوعات نصف قیمت پر دے گی)۔

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد (دکن)

35373
13-3-6

اپنے اُن مہربان معاونین کی ایک فہرست مرتب کر رہی ہے جو اس بات کی عام اجازت دیں کہ آئندہ جو کتاب انجمن سے شائع ہو وہ بغیر ان سے دریافت کئے تیار ہوتے ہی ان کی خدمت میں بذریعہ وی۔ پی روانہ کر دیا جائے۔ یہ اصحاب انجمن کے رکن ہوں گے ان کے اسمائے گرامی فہرست میں درج کئے جائیں گے اور انجمن سے جو نئی کتاب شائع ہوگی فوراً بغیر دریافت کئے روانہ کر دیا جائے گی۔

ہمیں امید ہے کہ ہمارے وہ معاونین جو اردو کی ترقی کے دل سے بھی خواہ ہیں اس اعانت کے دینے سے دریغ نہ فرمائیں گے۔ ان معاونین کی خدمت میں کل کتابیں جو آئندہ شائع ہوں گی وقتاً فوقتاً چوتھائی قیمت کم کر کے روانہ ہوں گی۔

المشتر۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن

فہرست

صفحہ الف تا ن

نوشته مولوی عبدالحق صاحب

مقدمہ

دیباچہ مؤلف

حرف (الف)

آشفۃ (بھوئے خاں)

۳

افسر

اوباش

الہام

حرف (ب) و (پ)

بیدار

بیان

بتیاب

بتیاب (شاگرد قائم)

بے جان

بے باک

بقا

برق

پروانہ (پروانہ علی شاہ)

پروانہ (جنوت سنگھ)

بشیر

حرف (ت)

تباں

آفتاب

آصف

آبرو

اثر

الم

امیر

امجد

اسد

احسن

آشفۃ (مرزا ضیاء قلی)

امین

افسوس

اقتدر

اکبر

انشاء

اختر



ALLAMA IQBAL LIBRARY



35373

۷۹	حزین	۵۰	تجلی
۷۹	حیرت	۵۱	تنها
۸۰	حاتم	۵۲	تصویر
۸۲	حشمت	۵۵	تسکین
۸۲	حیف	۵۵	تسلی
۸۳	حضور		حرف (ث)
۸۴	حکیم	۵۹	ثنا
۸۶	حقیقت	۵۹	ثاقب
	حرف (خ)		حرف (ج)
۸۸	خاکسار	۶۰	جوشش
۸۹	خلق	۶۰	جوش
۹۰	خلیق	۶۱	جهاندار
	حرف (د)	۶۲	جرات
۹۲	درد	۶۵	جولان
۹۸	داغ	۶۶	جوان
	حرف (ذ)		حرف (ح)
۹۸	ذوقی	۶۸	حسن (میر حسن)
	حرف (ر)	۷۱	حیران
۹۹	رضا (میرزا محمد رضا)	۷۲	حسن (خواجہ حسن)
۱۰۰	رقت	۷۴	حسرت
۱۰۱	رنگین	۷۷	حجام

۱۳۶	شر	۱۰۴	رفاقت
۱۳۶	شکوه	۱۰۵	رضا (میر رضا علی)
۱۳۷	شائق	۱۰۶	رند
۱۳۸	شهید	۱۰۷	رسوا
۱۳۸	شهرت	حرف (ز)	
۱۳۹	شوق	۱۰۸	زار (میر جیون)
حرف (ص)		۱۰۹	زار (میر مظفر علی)
۱۳۹	صفدری	۱۱۰	زمان
۱۴۰	صفا	حرف (س)	
۱۴۰	صادق	۱۱۰	سائل
۱۴۱	صبا	۱۱۱	سوز
حرف (ض)		۱۱۶	سعادت
۱۴۲	ضیا	۱۱۶	سکندر
حرف (ط)		۱۱۷	سوزاں
۱۴۵	طیش	۱۱۸	سرسبز
۱۴۸	طالب	۱۲۰	سلیمان
حرف (ع)		۱۲۵	سودا
۱۴۸	عارف	۱۳۲	سبقت
۱۴۹	عظیم (مرزا عظیم بیگ)	حرف (ش)	
۱۵۱	عاقل	۱۳۴	شیدا
۱۵۱	عیش	۱۳۵	شگفته

عشقی	۱۵۲	قائم	حرف (ک)
عظیم	۱۵۲	قسمت	
عشق	۱۵۲	قبول	
			حرف (غ)
غضنفر	۱۵۴	کمال	
غیرت	۱۵۴	کبیر	
غلامی	۱۵۶	کلیم	
			حرف (ف)
فراق	۱۵۶	گوهری	
فیض	۱۵۸	گرم	
فغان	۱۵۹		حرف (د)
فدوی (محمد حسن)	۱۶۵	لطیف	
فدوی غظیم آبادی	۱۶۶	لطف	
فدوی لاهوری	۱۶۶		حرف (م)
فدوی (مرزا غظیم بیگ)	۱۶۸	مجنوب	
فدا	۱۶۹	منظہ	
			حرف (ق)
قدرت	۱۶۵	میر	
قدرت (مؤلف تذکرہ)	۱۶۵	محبت	
قیس	۱۶۶	محنت	
قدرت (شاه قدرت اللہ)	۱۶۶	مائل (مرزا محمد یار بیگ)	
		مشتاق (عنایت اللہ)	

۲۴۲	مضمون	۲۱۸	مجنوں
۲۴۳	مزل	۲۱۹	مشاق (عبد اللہ خاں)
۲۴۳	معین	۲۲۱	منشی
۲۴۴	محشر (مرزا علی نقی)	۲۲۲	مقتول
۲۴۵	معروف	۲۲۳	مضطر
۲۴۵	مروت	۲۲۴	مضطرب
۲۴۶	مصطفیٰ	۲۲۵	مرہون
	حرف (ن)	۲۲۶	ماہر
۲۵۴	نثار (میر عبدالرسول)	۲۲۷	موزوں
۲۵۵	نثار (محمد امان)	۲۲۸	محزون
۲۵۸	ناجی	۲۲۸	محشر (بدایونی)
۲۵۸	نظام	۲۲۸	مست
۲۵۹	نعیم	۲۲۹	مقصود
۲۶۰	نذیم	۲۲۹	مائل (میاں محمدی)
۲۶۰	نالال	۲۲۹	مہلت
۲۶۱	نصیر	۲۳۰	منت
۲۶۲	نخف	۲۳۱	محب
۲۶۲	نوا	۲۳۲	منتظر
۲۶۳	نادر	۲۳۸	ممنون
	حرف (و)	۲۴۲	محترم
۲۶۴	واقف	۲۴۲	مصدر

۲۶۸	یکزنگ	۲۶۵	وخت
۲۶۸	یکرو	۲۶۶	ولا
	تذکره شاعرات	۲۶۷	وهم
۲۶۹	دولهن بگیم		حرف (ه)
۲۶۹	جینا بگیم	۲۶۷	بادی
۲۶۹	گنا بگیم	۲۶۸	نامی
۲۷۰	زیت	۲۶۹	هاتف
۲۷۱	موتی	۲۷۰	هدایت
۲۷۲	خاتمہ	۲۷۱	هوش
۲۷۲	قطعات تاریخ		حرف (ی)
۲۷۳	ترقیمہ	۲۷۲	یقین

مقدمہ

اُردو شاعری کا ستارہ اُس وقت چمکا جب کہ سلطنت مغلیہ کا آفتاب اقبال گہنارا تھا۔
رفتہ رفتہ شاعری ایک پیشہ ہو گئی اور اُس عہد کے بالکمال سخنور اپنے متاعِ ہنر کو در بدر لئے پھرتے
تھے کہ شاید کوئی قدردان مل جائے۔ مصحفی ان سب میں زیادہ بد نصیب تھا۔

نام غلام سہدانی ولد ولی محمد ابن درویش محمد مصحفی تخلص، وطن امر وہہ اور مولد اکبر پور^(۱)۔
مولانا حسرت موہانی نے اپنے تذکرے میں سنہ پیدائش ۱۱۶۴ھ لکھا ہے لیکن صحیح
نہیں معلوم ہوتا۔ مصحفی اپنے تذکرہ ریاض الفصحی میں اپنے حالات کے آخر میں لکھتے ہیں کہ اس
وقت میری عمر ۸۰ برس کی ہے۔ یہ تذکرہ ۱۲۲۱ھ میں شروع ہوا اور ۱۲۳۶ھ میں اختتام کو پہنچا۔
اس حساب سے اُن کی پیدائش ۱۱۴۱ھ اور ۱۱۵۶ھ کے درمیان واقع ہوتی ہے۔

ابتدائی تعلیم مکتب میں امر وہہ ہی میں ہوئی اس کا اشارہ انھوں نے سید محمد زمان زمان
تخلص ساکن امر وہہ کے حال میں کیا ہے۔ اسی ضمن میں اپنے استاد کا بھی ذکر کر گئے ہیں لیکن نام
نہیں لکھا۔ اصل تعلیم دلی میں ہوئی چنانچہ ریاض الفصحی میں لکھتے ہیں کہ فارسی اور اُس کی نظم و نثر
کی تکمیل تیس سال کی عمر میں شاہجہاں آباد میں ہوئی۔ جن دنوں میں جلاوطن ہو کر اس دیار میں
تازہ تازہ پہنچا تو علم عربی یعنی طبیعیات، الہیات اور ریاضی مولوی مستقیم ساکن گوپا متوشاگرد مولوی
حسن خواجہ تاش مولوی مبین عالم العلماء سے حاصل کی اور مینڈی اور صدر اُڑھا۔ قانوجہ کا درس
مولوی مظہر علی سے لیا جو صرف و نحو میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے۔ آخر عمر میں عربی ادب اور تفاسیر

(۱) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۲۴۰۔

(۲) تذکرہ میر حسن صفحہ ۱۹۰۔

(۳) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۱۱۰۔ نیز دیکھو صفحہ ۲۲۰ حال محذوز و صفحہ ۱۳۸۔ حال شہید۔ (تذکرہ ہندی گویان)

قرآن مجید کا مطالعہ کیا۔ لکھتے ہیں کہ عربی سے نا بلد ہونے کا جو نقص تھا وہ میں نے اس شہر میں پہنچ کر رفع کر دیا۔ دوسرا نقص علم عروض و قافیہ کی ناواقفیت تھی۔ اس کی تلافی بھی میں نے چند روز میں اساتذہ کی تصانیف کا مطالعہ کر کے کر لی اور خود اس فن میں ایک رسالہ لکھا جس کا نام ”خلاصۃ العروض“ تھا۔

مصحفی نے اپنے استاد کا کہیں نام نہیں بتایا اور نہ کہیں اس کا ذکر کیا ہے۔ کسی اور تذکرے میں بھی اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ البتہ صاحب ”سراپا سنن“ نے اُن کے استاد کا نام اتانی لکھا ہے۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ یہ کون تھے، کہاں کے رہنے والے تھے اور کس قماش کے شخص تھے۔ اس سب تذکرہ نویسوں کا اتفاق ہے کہ ابتدائے شباب ہی میں وہ دلی چلے آئے تھے اور وہیں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی اور وہیں اُن کی شعر و شاعری چمکی۔ دلی سے انھیں خاص محبت تھی، اس کا ذکر اپنے تذکرہ میں جگہ جگہ بڑے شوق سے کرتے ہیں۔ وہاں کے شاعروں، ملاقاتیوں اور یارانِ عزیز کا ذکر خیر آپ اس تذکرے میں جا بجا پائیں گے۔

دلی کہیں ہیں جس کو زمانے میں مصحفی میں رہنے والا ہوں اسی اُجڑے یار کا یہ وہ زمانہ تھا کہ گئی گزری حالت پر بھی دلی کا ہونا یا دلی سے منسوب ہونا یا وہاں کی بود و باش، تہذیب و شائستگی اور زبان دانی کا تمغہ سمجھی جاتی تھی۔ اسی بنا پر تو انھوں نے اپنے بعض حریفوں پر چوٹ کی ہے۔

بعضوں کا گمان یہ ہے کہ ہم اہل زباں ہیں دلی نہیں دیکھی ہے زبان داں یہ کہاں ہیں مصحفی نے اپنے بزرگوں کا پیشہ ”نوکر می خانہ بادشاہ“ لکھا ہے۔ لیکن جب سلطنت کے کاروبار میں خلل واقع ہوا تو ان کا روزگار بھی درہم برہم ہو گیا۔ میر حسن اپنے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ ان کی بسر و قات تجارت پر تھی۔ مصحفی نے اپنے حال میں اس کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ لیکن

دلی کے قیام کے ذکر میں جو چند جملے ضمناً اُن کی قلم سے نکل گئے ہیں اس سے یہ قیاس ہوتا ہو کہ میر حسن کا یہ خیال صحیح ہے کہ اُس زمانے میں اُن کی گزران تجارت ہی پر تھی۔ لکھتے ہیں :-
 ”میں شاہجہاں آباد میں بارہ سال تک دو رنواب نجف خاں مرحوم میں گوشہ عزلت میں رہا اور اس افراط فری کے زمانے میں تلاشِ معاش کے لئے کسی کے دروازے پر نہیں گیا“

اس سے قیاس ہوتا ہو کہ دلی میں وہ اپنی معاش اپنے دست و بازو سے کماتے تھے اور کسی کے دست نگر نہ تھے۔

اگرچہ بقول خود وہ دہلی میں بارہ سال تک عزلت گزریں رہے لیکن اس پر بھی مشاعروں کی شرکت، شعر و شاعری کا چرچا برابر جاری رہا اور خود بھی اپنے ہاں مشاعرے ترتیب دیتے رہے^(۱) اور اُس وقت بھی اُن کی شاعری اس درجے کی سمجھی جاتی تھی کہ لوگ اُن کے شعر سننے کے لئے اُن کے مکان پر حاضر ہوتے تھے^(۲)۔

دلی کا رنگ بدلا ہوا تھا، حالات نامساعد تھے، بسراوقات کے ذرائع تنگ ہو رہے تھے، ناچار اپنے دوسرے معصروں کی طرح دل پر تھپر رکھ کر دلی کو خیر باد کہا اور وادیِ غربت میں قدم رکھا۔ دلی کی حالت اُس وقت کیسی ہی ہو، اُس کا چھوڑنا کچھ آسان نہ تھا۔ وطن تو خیر سب ہی کو عزیز ہوتا ہے مگر اس میں کچھ ایسی کشش تھی کہ باہر سے بھی جو لوگ وہاں آگئے تھے انھیں وہ وطن سے زیادہ عزیز ہو جاتی تھی۔ پیٹ بڑا ظالم ہے اُس کی خاطر یہ مفارقت بھی گوارا کرنی پڑی۔ لیکن مرتے دم تک اس کا داغ دل سے نہ مٹا اور جب تک رہے اور جہاں رہے اُس کی صحبتوں اور خوبیوں پر مٹے رہے۔ اس

(۱) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۲۴۷

(۲) تذکرہ ہندی گویان، حال اسد صفحہ ۱۶، ابن صفحہ ۲۰، فراق صفحہ ۱۵، شتاق صفحہ ۲۱، محشر صفحہ ۲۴۴،

نالاں صفحہ ۲۶۱، نصیر صفحہ ۲۶۱، ہاتف صفحہ ۲۷۰، نیز دیکھو عمدہ منتخبہ و مجموعہ نغز۔

(۳) دیکھو تذکرہ ہندی گویان ذکر عاقل صفحہ ۱۵۱

مقام پر ایک بات غور و تامل کے قابل ہے۔ یہ لوگ جہاں جہاں گئے مثلاً فرخ آباد، عظیم آباد اور خاص کر لکھنؤ، وہاں والوں نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا، عزت و حرمت سے پیش آئے، آسائش پہنچائی، مسافر نہیں مہمان عزیز سمجھا اور وہ خدمت کی کہ غربت کی کلفت دلوں سے محو ہو گئی۔ آج کل ساحلِ نہ تھا کہ کوئی بھولا بھٹکا باکمال آگیا تو سمجھے کہ غنیم چڑھ آیا۔
مصحفی دلی سے آنولہ اور ٹانڈہ پہنچے۔

جب میکدہ چٹا تو رہی کیا جگہ کی قید مسجد ہو، مدرسہ ہو، کوئی خانقاہ ہو
ٹانڈے میں نواب محمد یار خاں امیر خلع نواب علی محمد خاں، صاحب ذوق اور قدر شاہ امیر تھے، شاعروں کا اُن کے ہاں اچھا خاصا جگھٹا تھا۔ فدوی لاہوری، میر محمد نعیم نعیم، پروانہ علی شاہ، پروانہ، میاں عشرت حکیم کبیر، محمد قائم وغیرہ مجلس شعرو سخن کے رونق افروز تھے۔ میاں مصحفی بھی شریک صحبت ہو گئے۔ نواب نے میر سوز اور مرزا محمد رفیع سودا کو بھی خط لکھ کر بھیجا اور اپنے ہاں بلایا، وہ اُس زمانے میں مہربان خاں زند کی سرکار میں ملازم تھے، فرخ آباد کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ لیکن مجلس زیادہ مدت جمنے نہ پائی۔ سکرتاں کی لڑائی دھڑلے میں نواب ضابطہ خاں کو شاہ عالم نے مرہٹوں کی امداد سے ایسی شکست دی کہ ٹانڈے کی امارت درہم برہم ہو گئی۔ بیچارے فلک زدہ شاعروں کا وہاں کوئی ٹھکانا نہ رہا اور منتشر ہو گئے۔

مصحفی ٹانڈے سے دھڑلے کے لگ بھگ لکھنؤ پہنچے۔ یہ نواب شجاع الدولہ کا زمانہ تھا۔ بونوا وہاں پہلے سے موجود تھے۔ اُن سے اور بعض مشہور شعرا سے ملاقات ہوئی۔ ابھی سال بھر ہی رہنے پائے تھے کہ طبیعت اچاٹ ہوئی اور پھر دلی کا رخ کیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہاں کوئی سرپرست اور قدردان نہ ملا اور روزگار کی کوئی صورت نہ نکلی۔ لیکن دلی میں کیا رکھا تھا، حالت پہلے سے بھی بدتر تھی۔ آخر تھوڑے دنوں کے بعد ہی دوبارہ لکھنؤ پہنچے۔

لکھنؤ پہنچ کر چند روز صبا (لالہ کا نجی مل، کایستہ سکینہ) کے ہاں قیام رہا۔ اس کے بعد

چندے میر محمد نعیم خاں کی رفاقت میں رہے۔ پھر مرزا زین العابدین عرف مرزا اینڈ دوسرے تخلص زدہ نواب سالار جنگ نے جو اردو شاعری کے بڑے دلدادہ تھے پہلے شاعری اپنی رفاقت مصائب میں لے لیا۔ مصحفی لکھتے ہیں کہ بڑی عزت سے پیش آتے تھے اور شعر و سخن میں مشورہ کرتے تھے چار سال تک یعنی ۱۸۷۵ء تک انھیں کے پاس رہے۔

دلی کے شاہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانے میں لکھنؤ میں تھے صاحب عالم نے لکھنؤ کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی اور سارا ٹھٹھا وہی قائم کر رکھا تھا۔ دلی سے جو جاتا پہلے ان کی سرکار میں اپنا ٹھکانا ڈھونڈتا۔ شعر و سخن سے ذوق رکھتے تھے اور شعرا اور اہل کمال کے قدردان تھے۔ انشائے جرات، سوز، مصحفی وغیرہ انھیں کے دربار میں ملازم تھے یا انعام و اکرام سے سرفراز ہوتے تھے۔ بارہ سو سات آٹھ ہجری میں مصحفی بھی میر انشائے اللہ کی وساطت سے اس دربار میں داخل ہوئے۔

ہمارے درباروں میں حسد و رشک، رقابت و غمازی اور ساز و باز کی گرم بازاری ہمیشہ رہی ہے۔ ہر منہ چڑھا مصاحب دوسرے کے اکھاڑنے اور اپنے جانے کی فکر میں رہتا ہے اور اس میں وہ عیاریاں اور افترا پردازیاں، حرفتیں اور جدتیں کام میں لائی جاتی ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ انشائے جرات اور مصحفی خواجہ تاش اور ہم پیشہ تھے۔ اول اول شاعرانہ چشمک رہی، بعد میں بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ و جدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ گئی۔ ان ہزلیات میں مصحفی اور انشائے نے وہ وہ کچھ اچھالی ہے کہ حیا اور غیرت کی آنکھیں نیچی ہو جاتی ہیں۔ سید انشائے بید ظریف اٹھو اور بچپن طبیعت کے تھے اور اس پر ذہانت اور غضب تھی۔ مصحفی بچہ اور پرانے استاد تھے، ساتھ شاگردوں کا شکر تھا۔ انشائیے کی زیادتیاں گوارا نہ ہوئیں، ترکی بہ ترکی جواب دینے لگے۔ غرض ایک مہنگامہ برپا ہو گیا جس کے مزے صاحب عالم اور نواب بھی لینے لگے اور شہر والوں کو ایک دل لگی

(۱) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۲۵ - (۲) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۱۱۸

(۳) تذکرہ ہندی گویان صفحہ ۱۲۱ - آزاد نے جو یہ لکھا ہے کہ مصحفی پہلے سے دربار میں تھے اور انشا بعد اس کے بھیجے نہیں۔

ہاتھ آگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اتنا اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے۔ اور مصحفی کو خفت نصیب ہوئی۔ صاحب عالم کی نظریں ان کی طرف سے پھر گئیں، تنخواہ میں بھی تخفیف ہوئی اور آخر میں قطع تعلق کر کے خانہ نشین ہو گئے۔ اپنی تنخواہ کا ذکر کس حسرت سے کیا ہے:-

چالیس برس کا ہی ہے چالیس کے لائق تھا مردِ معمر کہیں دس بیس کے لائق
 اے وائے کہ بچپن کا اب پانچ ہیں اپنے ہم بھی کبھی روزوں میں تھی بچپن کے لائق
 استاد کا کرتے ہیں امیر اب کے مقرر ہوتا ہے جو در ماہہ کہ سائیس کے لائق
 مصحفی طبیعت کے بہت نیک اور منج و مرنجان شخص تھے۔ اُن کے معاصر تذکرہ نویسوں نے اُن کے مزاج اور اخلاق کی بہت تعریف کی ہے اور انھیں خلیق، متواضع، مسکین و صنع، مسکین نہاد اور نیک سیرت لکھا ہے۔ وہ کبھی درباری شاعروں سے نہ الجھتے۔ لیکن جب دوسری طرف سے چھیڑ شروع ہوئی تو اُس کے جواب میں خاموش رہنا ممکن نہ تھا۔ کچھ تو شاعری کا گھمنڈ کچھ درباری حالات اور اس پر شاگردوں کی شہ نے معاملہ کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

یہ حالات اُس زمانے کی معاشرت پر دھندلی سی روشنی ڈالتے ہیں۔
 مصحفی کی زندگی پریشان حالی، تنگدستی اور محسوس میں گزری۔ اگرچہ کئی امیروں کی رفاقت اور صحبت رہی اور شاگرد بھی اُن کے کثرت سے ہوئے جن میں بڑے بڑے لوگ بھی تھے مگر بھی فراغ مالی اور معاش کی طرف سے اطمینان نصیب نہ ہوا۔ علی لطف صاحب گلشن ہند نے اُن کے احوال میں صریح لکھا ہے: "..... برس سے اوقات لکھنؤ میں بسر کرتا ہے ضیق معاش تو وہاں ایک مدت سے نصیب اہل کمال ہے، اسی طور پر درہم برہم اس غریب کا بھی احوال ہے، آخر میں یہ حال ہو گیا تھا کہ یا تو سعادتمند شاگرد اُن کی مدد کرتے تھے یا غزلیں بیچ بیچ کے اپنی بسر اوقات کرتے تھے۔ اس طرح کلام کا بہت سا حصہ دوسروں کی قسمت میں آ گیا۔

مصطفیٰ نے عمر بھی بہت پائی، پرانے استاد جنہوں نے اردو کی بنیادوں کو مضبوط کیا اور انہی
 بوجہ نے آگے چل کر بڑا نام پایا، سب کو دیکھا، پرکھا اور اکثر ان کے سامنے چلے۔ وفات
 کا صحیح سنہ معلوم نہ ہو سکا۔ تذکرہ ریاض الفصحا میں جس کا سنہ اختتام ۱۲۳۶ھ ہے لکھتے ہیں کہ اس
 وقت میری عمر اسی سال کی ہے۔ شینقہ نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آج کے دن مصطفیٰ کو مرے
 دس سال ہوتے ہیں۔ یہ تذکرہ ۱۲۲۵ھ میں لکھا گیا، اس حساب سے ان کا سنہ وفات ۱۲۲۵ھ ہو
 اور عمر چار اسی سال کی۔

مصطفیٰ کے استاد ہونے میں شبہ نہیں۔ بڑے مشاق اور نچتہ گو شاعر تھے۔ آٹھ دیوان،
 متعدد قصائد اور تنویاں ان کی تصنیف سے اب تک باقی ہیں۔ علاوہ اس ضخیم کلام کے شعرا کے
 تین تذکرے بھی ان کی بڑی یادگار ہیں جو اب تک گننامی میں پڑے ہوئے تھے۔
 سب سے پہلا تذکرہ فارسی گو شعرا کا ہے جس کا نام عقد شریب ہے۔ اس میں تین قسم کے شعرا
 کا ذکر ہے۔ اول شعراء ایران جو ہندوستان میں کبھی نہیں آئے۔ دوسرے وہ شعراء ایران
 جو ہندوستان آئے۔ تیسرے ہندوستانی فارسی گو شاعر۔ دوسرا تذکرہ اردو کہنے والے شاعر ہیں
 تیسرے تذکرے کا نام ریاض الفصحا ہے۔ اس تذکرے کی ضرورت یوں پیش آئی کہ جن لوگوں کے نام
 پہلے تذکرے میں لکھنے سے رہ گئے تھے ان کا ذکر اس میں کیا گیا ہے۔

ان تینوں میں تذکرہ نمبر ۲ یعنی تذکرہ ہندی اصل ہے، باقی دو کو اس کا مکملہ سمجھنا چاہیے
 یہ تذکرہ جیسا کہ خود مصطفیٰ نے لکھا ہے۔ میر تقی میر حسن کی فرمائش سے تحریر میں آیا اور عہد
 فردوس آرامگاہ (محمد شاہ بادشاہ) سے شاہ عالم بادشاہ کے زمانے تک کے شعرا کا حال درج
 ہے۔ بعض مقدم شعرا کے حالات تیمنا لکھ دئے گئے ہیں لیکن زیادہ تر اس میں معاصرین ہی کا
 ذکر ہے۔^(۱)

مصطفیٰ کا زمانہ معمولی نہیں تھا۔ یہ اردو زبان کی ترقی و فروغ کا نہایت ممتاز دور ہے۔

اگرچہ فارسی کا رواج عام تھا، مکتبوں اور مدرسوں میں فارسی کی تعلیم برابر جاری تھی، فارسی کا پڑھنا علم و فضل ہی کے لئے نہیں بلکہ تہذیب و شائستگی کے لئے لازم خیال کیا جاتا تھا، لوگ فارسی شعر و سخن کے ایسی ہی دلدادہ تھے جیسے اکبر و جہانگیر کے زمانے میں۔ اس کا ایک ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ یہی تذکرے جوار و شعرا کے میں فارسی میں لکھے گئے۔ اس سے پہلے اور بعد بھی بہت سے تذکرے جوار و شاعروں کے لکھے گئے فارسی میں ہیں۔ لیکن اردو زبان رفتہ رفتہ زور پکڑتی جاتی تھی اور مصحفی کے زمانے میں تو اس نے یہ قوت حاصل کر لی تھی کہ ہمارے مستند شاعر فارسی کو چھوڑ کر اردو کی طرف مائل ہو رہے تھے۔ خود مصحفی جو فارسی میں بھی شعر کہتے تھے اور فارسی کے دو دیوان مرتب کر چکے تھے جن میں سے ایک نظیری نیشاپوری کے جواب میں ہے، اپنے حال میں لکھتے ہیں ”بمقتضائے رواج زمانہ آخر کار خود را مصروف بہ رخیۃ گوئی داشتہ برائے کیا کہ رواج شعر فارسی در ہندوستان بہ نسبت رخیۃ کم است و رخیۃ ہم فی زمانہ بہ پایۃ اعلیٰ فارسی سیدہ (ملکہ ازو بہتر گردیدہ)“ اس سے بڑھ کر کوئی اور مستند شہادت نہیں ہو سکتی۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس دور میں اردو کے ایسے بلند پایہ شاعر ہوئے ہیں جن کی بدولت اردو نے وہ فروغ حاصل کیا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا خاتمہ ہو گیا۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اردو میں لطافت و شیرینی، قوت اور وسعت پیدا کی اور اس کی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ ان کی زبان اور کلام کا اثر اب تک باقی ہے اور باقی رہے گا۔

مصحفی کی حاتم سے لے کر نصیر دہلوی تک ذاتی ملاقات تھی۔ بعض اُن میں سے بزرگ تھے جیسے حاتم، خواجہ میر درد، میر، سودا، فغاں وغیرہ، بعض ہم عمر اور معاصر تھے مثلاً حاتم، چراغ سوز، بقا، انشا، حسن، حسرت وغیرہ، بعض نوشت تھے اور نام پیدا کر رہے تھے جیسے آتش، ناسخ، نصیر، رنگین، ممنون، طیش، خلیق، افسوس وغیرہ وغیرہ۔ شاگرد بھی مصحفی کے اس کثرت

سے تھے کہ پرانے اساتذہ میں شاید ہی کسی کے ہوں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں ۷

شاگردِ تازہ از پس شاگردِ می رسد یعنی رجوع خلق بسویتِ ہماں کہ بو

ان میں سے بعضوں نے بہت نام پایا مثلاً ضمیر خلیق، رنگین، پروانہ، تنہا اور منتظر اور گرم دونوں اُن کے خاص اور عزیز شاگرد تھے۔ اکثر کا حال ان تذکروں میں موجود ہے۔ ان تذکروں میں اکثر شعرا ایسے ہیں جن سے مصحفی ذاتی طور پر واقف تھے یا اُن سے دوستانہ تعلقات تھے۔ جن کو نہیں جانتے تھے اُن کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ میں نہیں جانتا۔

مصحفی نے اپنے تذکرے صاف اور سیدھی زبان میں لکھے ہیں، تکلف اور تصنع اور عبارت آرائی سے کام نہیں لیا۔ کہیں بے جا طول نہیں دیا، جو حالات جس کسی کے معلوم تھے مختصر طور پر صاف صاف لکھ دے ہیں۔ انھیں حالات کے ضمن میں کہیں کہیں اُس زمانے کی شعرو شاعری اور اردو ادب کے آثار چڑھاؤ کی کیفیت بھی معلوم ہو جاتی ہے مثلاً حاتم کے ذکر میں اُن کی زبانی ولی کے دیوان کا شاہجہاں آباد میں آنا، لوگوں میں اُس کا چرچا ہونا، بعض صاحبوں کا ابہام گوئی پر اردو شاعری کی بنیاد رکھنا چند سطروں میں خوبی سے بیان کیا ہے۔ اُسی کے ساتھ حاتم کی بزرگی، اُن کے دیوان زادے اور حُکمت اتا دمی کا تذکرہ بھی اپنے انداز میں خوب لکھا ہے۔ دہلی اور لکھنؤ میں شاعروں کی حالت، اپنے شاعرے کا ذکر بعض ناموں اور بعض شعرا کی ملاقات کا حال جگہ جگہ لکھتے گئے ہیں۔ ایک جگہ شاعروں کے متعلق لکھا ہے کہ تھری میں آیا ہے کہ ایسی مجلسیں ایک سال سے زیادہ نہیں رہنے پاتیں، ضرور کوئی نہ کوئی تفرقہ اور خلل پیدا ہو جاتا ہے^(۱)

وہ اپنے تذکروں میں شعرا کے کلام کے متعلق رائے لکھتے ہیں لیکن اُس میں تنقیدی حیثیت بہت کم ہوتی ہے۔ تاہم بعض نامور شعرا کے متعلق اُن کی رائیں خاص وقعت

رکھتی ہیں۔ مثلاً سودا کے تذکرے میں اگرچہ پورا ایک صفحہ بھی نہیں لکھا لیکن جو کچھ لکھا ہے اُس میں اُن کے کمال اور سیرت کی تصویر کھینچ دی ہے۔ نکتہ چینوں کے اعتراضات بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں ”غرض ہرچہ بود، در روانی طبع نظیر خود نہ داشت“ اور آخر میں کہتے ہیں ”نقاش اول قصیدہ در زبان ریختہ اوست، حالاً ہر کہ گوید پرو تبیش خواہد بود“

منظر جان جاناں کی نسبت فرماتے ہیں کہ ”در دورِ ایہام گویان اول کسے کہ شعر ریختہ بہ تبیع فارسی گفتہ اوست“ آخر میں لکھتے ہیں ”فی الحقیقت نقاش اول ریختہ بایں وتیرہ ہفتاد فقیر مرزا است، بعد از تبیش بدیگراں رسیدہ“

سودا سے مقابلہ کرنے کے بعد جس کا رواج اُس وقت عام تھا اور جس کا اثر اب بھی باقی ہے۔ میر صاحب کی نسبت فرماتے ہیں ”غرض ہرچہ بہت استادئی ریختہ بردسلم است... ہمہ ریختہ گویان ہند سدا ز کلامش می آرند و اورادریں فن مستثنیٰ می دانند و الحق چین است“

یقین کے کلام کے متعلق بھی قریب قریب وہی رائے ظاہر کی ہے جو منظر جان جاناں کے حق میں لکھی ہے۔ آخر یقین میں تو منظر ہی کے تربیت یافتہ کہتے ہیں کہ ”در دورہ ایہام گویان اول کسے کہ ریختہ راشستہ و رفتہ گفتہ ایں جوان بود، بعد از اں تبیش بدیگراں رسیدہ“ مصحفی پہلے شخص ہیں جنہوں نے میر حسن کی ثنوی کی سچی تعریف کی ہے ”در ثنوی آخر کہ سحرالبیان نام دارد بدیضا نمودہ۔ الحق کہ کار کار اوست قطع نظر از بلاغت شاعری زبانش بسیار بامزہ و شیریں و عالم پسند افتادہ“

معصروں کے کلام کے متعلق صحیح رائے کا ظاہر کرنا آسان نہیں، اور خاص کر ایسے لوگوں کے متعلق جن سے آویزش اور شکس رہی ہو۔ انشاء اللہ خاں اور اُن میں کیا کچھ نہیں گزری تھی اور ان بزرگوں نے کون سی بات تھی جو اٹھا کھٹی تھی، اس پر بھی جب وہ انشا کا حال لکھنے بیٹھے تو سچی تعریف اور بے لاگ رائے ظاہر کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اُن کی سہ زبانی اور خاص کر

فارسی دانی کی تعریف کی ہوا اُنہوں نے ثنوی شیریںج مولانا بہار الدین آملی کی ثنوی مان و حلوا کے جواب میں لکھی اُس کی نسبت لکھتے ہیں ”بیاربصفا گفتہ و دا و فصاحت زبان فارسی و رودادہ“ اُن کے اُردو کلام کے متعلق یہ فقرہ لکھا ہے ”اگرچہ ہمہ کلامش در عالم طرافت، خالی از کیفیت نیست اما انچه از اشعار سادہ اش انتخاب فقیر افتادہ نیست“ اُن کے کلام کا انتخاب بھی بہت اچھا کیا ہے۔ انتقال کے بعد بھی انہیں یاد کیا ہے ۷

مصحفی کس زندگانی پر بھلا میں شاد ہوں یاد ہے مرگ قلیل و مردن ناشائے
بقائے مصحفی کے دو تانہ تعلقات تھے اور وہ اُس کے خلق و طرافت اور قناعت کی تعریف کرتے ہیں لیکن کلام کے متعلق صاف لکھ دیا ہے کہ ”در قصیدہ بد طولی دارد اما در گفتن غزل لطیفی است“

آتش اُن کے شاگرد تھے، اُن کے متعلق کیا صحیح رائے دی ہے ”اگر عرش وفا کردہ و چندیں سال برہیں و تیرہ رفت و فکر تیش را مانے در پیش نیاید یکے از بے نظیران روزگار خواهد شد“

رنگین بھی اُن کے شاگرد تھے کیا خوب کہا ہے کہ ”در چند چنداں بہرہ از علم نداد و اما ذکاوت طبعش بر صاحب علمان غالب“ رنگین نے اپنا دیوان اصلاح کے لئے پیش کیا شروع سے آخر تک دیکھ کر فرمایا ”کلامش بسیار کم اصلاح برآمدہ“ اصل رائے یہ ہے ”چوں مزاجش عشق باز افتادہ، اکثر قطعہاے خوب خوب و غزل و نامہ ہائے نغز نغز بہ سلک نظم کشید“

ناخ کی نسبت ایک جگہ فرماتے ہیں ”تلاش ہائے معانی تازہ می کند“ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں ”بہ معنی بندی تازہ علم استاد ی بر افراشتہ“ لیکن مصحفی اس قسم کی شاعری کو جس میں معنی بندی اور ”اشعار خیالی“ زیادہ ہوتے ہیں پسند نہیں کرتے تھے۔“

دونوں نسخوں کی نقل خدائش خاں کے کتب خانے سے لکھوا کر بھیجی اور خود بڑی احتیاط سے تینوں نسخوں کا مقابلہ وہاں کے نسخوں سے کیا۔

حاشیہ میں ان نسخوں کا حوالہ دینا ضروری کر دیا گیا ہے۔ ن۔خ سے مراد نسخہ کتب خانہ خدائش خاں ہے اور ن۔ر سے نسخہ رامپور۔ جہاں صرف ن لکھا ہے اُس سے بھی نسخہ رامپور مراد ہے۔

عبدالحق

حیدر آباد دکن

۸ نومبر ۱۹۳۲ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تذکرہ مصحفی

نیکوترین تذکرہ کہ غنچہ دلہائے ارباب سخن را با بہتر از نسیم تقریر شگفتن در آر و حمد خداوند سخن آفرینی است کہ مصرعہ ریختہ شمع قامت ہوشاں را با چندیں معنی سوز و گداز بسم اللہ دیوان عشق ساختہ و دلفشیں بیاینے کہ توتیائے اشعار آبدار شش دیدہ تماشایاں معنی دوست را آبجیات معنی ہائے روشن در جلیباب ظلمات القاطمہ تراکم نماید نعت مریت کہ شیرازہ بند کاف و نون و مصرعہ چپان ذوالفقار و دوسرہ آموزوں و سجع در قبضہ تصرش انداختہ - اما بعد ہضما فیض ذخائر شکل پسندان دقیقہ رس و دقیقہ رسان مشکل پسند پوشیدہ مباد کہ چوں این فقیر حقیر غلام ہمدانی مصحفی تخلص از تصنیف دیوان فارسی و ہندی و تالیف تذکرہ فارسی فراغت حاصل کردہ ہم تالیف تذکرہ ہندی در پیش آمد اگرچہ از علو ہمت خدا داد و سر دماغ آں نبود کہ اوقات عزیز خود را با اشتغال جنیں امر لاطائل کہ دیگر اں بفر بگردن خودش بستہ اند صرف سازد اما تکلیف میسر سخن خلیق خلف میر حسن کہ با اشارہ پدر بزرگوار خود کلام خود را از نظر فقیر می گذارند و شوق شعر ہندی دامن دلش را محکم فر اگرستہ طوعاً و کرہاً قدم دریں بادیہ پر خار گذاشت و بقید حروف تہجی اسامی قدیم شعراے عہد فردوس آرام گاہ تاشعراے زمانہ شاہ عالم بہار

بادشاہ غازی خلد اللہ ملکہ و سلطانہ و افاض علی العالمین برہ و احسانہ ہمت گماشت بیشتر
 در آں ذکر معاصرین است کہ احوال ہر یکے بچشم خود دیدہ و بہ حسن و قبح مرابت سخن ہر کس
 وار سیدہ۔ و کم کم احوال بعضے متقدمین نیز بطریق تمییز صورت اندراج یافتہ۔ فرق
 زبان ریختہ سابق و حال بر ہوشمندان پیدا است امید کہ منظور نظر مبصران نقود معانی و
 صیر فیان راستہ باز از سخندان گروہ و باللہ التوفیق ولہ المستعان۔

(۱) آفتاب

تخلص شاہ عالم بہادر بادشاہ غازی است کہ نور معدلتش بسیط زمین را چون آفتاب
 عالم تاب روشن ساختہ و ہماتے دست تاج بخشش بر سر ذرات خاک از قاف تا قاف
 سایہ انداختہ، دریں زمانہ پر آشوب کہ از ہر طرف غبار فتن و فساد برخاستہ خاطر عالمی را
 مکر و دار و بر سر کونین آستین افشانده اوقات عزیز خود را اکثر لطاعت و عبادت
 بسرمی برد و پس از فراغت اوقات معہود تلاوت قرآن و نوشتن آل اشہب فکر را
 در میدان شعر ہندی و فارسی و کبت و دودہرہ و غیرہ نیز جولان میدہند و در آں وقت
 اکثرے از کبشیران و ریختہ گویان پایہ تخت حاضر می باشند و وقت خواندن خوشخوای غلغلہ
 تحسین آفرین بلند می سازند برائے تین و تبرک بقولی کہ کلام الملوک ملوک الکلام اشعاع
 حضرت نیز داخل ایں بیاض کردہ شد تا بر صفحہ روزگار یادگار بماند۔ از دست
 دل شاد ہو گیا تھاسن کر تری سواری موقوف کیوں ہوئی پھر تقصیر کیا ہماری

تری اس مانگ سو کیا معنی دلخواہ ہر پیدا شب معراج کی اس خطے گویا راہ ہر پیدا

جوں شمع تا سحر شب فرقت میں آفتاب بے اختیار مجبور و لاتی ہے چاندنی

ٹھلارو اقی چشم میں سیریں دکھائیے
جوں غنچہ پیرہن میں نہ پھولے سمائیے
کھڑے سے ٹک نقاب کو جلدی اٹھائیے

مدت سے اشتیاق ہر پیائے جو آئیے
وہ گلبدن جو آ کے ہم آغوش ہو کہیں
ہے مدتوں سے منتظر جلوہ آفتاب

ٹک خدا سے ڈریں ان بصفوں کو اپنی چھوڑیے
لیجے سنگ جفا اور شیشہ دل توڑیے

بات کیجے غیر سے اور ہم سونہ کو موڑیے
منہ نہ موڑے گا یہ عاصی گر یہی منظور ہے

آرزو دل کی جو ہے بر لائیے

اُس بسنتی پوش کو گر پائیے

کیا ہے لازم پھیر اُس سے بیوفائی کیجئے

اے صنم جس سے جہاں میں آسانی کیجئے

(۲) آصف

تخلص نواب وزیر آصف الدولہ بہادر بکچی خاں است کہ شور سناوش غلغلہ در
چار دانگ عالم انداختہ و برق شمشیر سطاوش زہرہ شیران آہنی چنگال آب ساختہ۔ اگرچہ
آصف است اما سلیمان زمانش می توان گفت و اگرچہ بکچی است اما عیسیٰ عہدش می توان
خواند۔ سایہ پرچم ظفر توامش بر سر نزدیک و دور افتادہ و سم سمندان فولادش بہر طر
کہ رو آورده خاک بنی دطغان را برباد داده۔ از بسکہ از ابتدائے عمر در جمیع فنون دانائے
یگانہ روزگار است۔ بمقتضائے موزونی طبع گاہ گاہ خیال شعر نیز می فرماید چند
اشعار از کلام اوست۔ از دوست۔

نہ دیکھے کوئی جو کہ ہم دیکھتے ہیں
کوئی دم کو راہ عدم دیکھتے ہیں

تجھے غیر سے جب بہم دیکھتے ہیں
تو جلدی سے آ ورنہ میرے میسا

بتوں کی گلی میں شب و روز آصف
تماشا خدائی کا ہم دیکھتے ہیں

دشت میں کوہ و دشت جو یہ آہ لے گئی
کعبہ میں بھی گئے تو ہمیں تیری یاد آہ
جاروب کش نے اس کے نہ ہنسنے دیا مٹھو
آصف چمن میں آتی ہو اس شک گل کی یاد
کیا کیا کنویں جھکانے تیری چاہ لے گئی
پھر سوئے دیر لے بت دلخواہ لے گئی
گردہاں نسیم شکل پر کاہ لے گئی
کیا جائے کدھر مجھے ناگاہ لے گئی

جس گھڑی تیرے آتاں سے گئے
تیرے کوچہ میں نقش پا کی طرح
شمع کی طرح رشتہ رفتہ ہم
ہم نے جانا کہ دو جہاں سے گئے
ایسے بیٹھے کہ پھر نہ یہاں سے گئے
سینواک دن کہ جسم جال سے گئے

دل تو کہتا ہے یا ر آتا ہے
یہ بگولا نہیں ادڑا تا خاک
میں کر دوں گا ترا گلا تجکو
خیر و آصف اس گلی میں آج
پر مجھے کب قرار آتا ہے
سر پہ کوئی خاکسار آتا ہے
یہ بھلا اعتبار آتا ہے
دل کو ہر پھر پکار آتا ہے

کس طرح غیر کے تم کو بہم دیکھیں گے
دور دامن کی تو نوبت کہیں پہنچے یارب
رام تم ہو چکے اور ہم نے بھی بس پوجے پانو
کل کے نامہ کا تو آصف یہ کچھ آیا تھا جواب

یہ تو والدندان آنکھوں سے نہ ہم دیکھیں گے
کب تلک دست و گریباں کو ہم دیکھیں گے
جا کے اب اور کسی بت کے قدم دیکھیں گے
آج کیا کرتا ہے تو حال رقم ”دیکھیں گے“

(۳) آبرو

عرف شاہ مبارک کہ میاں نجم الدین نام داشت نبیرہ حضرت غوث گوالیاری
 نور اللہ مرقدہ شخصے بود یک چشم بارش و عصا - شعر البطوریکہ در آں زمانہ رواج داشت
 بسیار خوبی گفتہ خصوصاً ثنوی کہ موعظاً آرایش معشوق از خامہ فکرش ریختہ بسیار است
 فقیر چند شعرش بطور خود از دیوانش انتخاب زدہ - نوشتہ عمرش از نیچاہ متجاوز خواہد بود کہ
 با سیب پائے اسپ پائے حیاتش فرود رفتہ از دست -
 افسوس ہر کہ ہم کو دلدار بھول جاوے وہ شوق وہ محبت وہ پیار بھول جاوے

کتاب کا پہنچا آہ سے میری ہوا شکل جلتے جاتے ہیں گرمی سے ہوا کی پرکتور کے

کیا بری طرح بھوں ٹھکتی ہے کہ مرے دل میں آکھٹکتی ہو
 زلف کی شان مکھ اوپر دیکھو کہ گویا عرش میں لٹکتی ہو
 اب تلک گرچہ مر گیا فرہاد روح پتھر سے سرپٹکتی ہو

پھرتے تھے دشت دشت دوانے کدھر گئے وہ عاشقی کے ہائے زمانے کدھر گئے

دامن دشت کیا نقش قدم سے پر گل کس بہاراں کا یہ دیوانہ تماشائی ہے

عبث کیوں روبرو ہوئی کھاتے ہو قسم جھوٹی بن آئینہ کے تم اکدم بھی رہ سکتی ہو منہ دکھو

شور ہوا اس کی اشکباری کا
آبرو چشم تر قیامت ہے

سجا ہے زرگسی بوٹی کا جامہ
کرے کیونکر نہ ہم سو چشم پوشی

نالہ ہمارے دل کا غم کا گواہ بس ہے
دینے کے تین شہادت انگشت آہ بس ہے

دل کب آوارگی کو بھولا ہے
خاک اگر ہو گیا بگولا ہے

ظالم نگہ کا تیر ستم کام کر گیا
سینہ کو صاف توڑ جگر سوز گز گیا

جان اگر دشمن ہوئے ہو تم ہمارے اس قدر
گاہ گاہ ہے پیار کی آنکھوں سے کرتا ہر گاہ
دیکھنے کو دوڑتے ہیں لوگ بھونچنا سمجھ
عاجزوں کو بے گنہ آزار دینا خوب نہیں
تو ہمارے دل کو کیوں لگتے ہو پیار و ہقدر
مہرباں ہوتا چلا ہوا اب تو بارے ہقدر
آہ سردی کے نکلتے ہیں شرارے ہقدر
ڈر خدا سے آبرو کو مت ستارے ہقدر

کچھ ٹھہرتی نہیں کہ کیا ہوگی
اس دل بے قرار کی صورت

تمہاری لوگ کہتے ہیں کمر ہے
کیا ہے بے خبر دو نو جہاں سے
تخلص آبرو بر جا ہے میرا
کہاں ہے اس طرح کی ہر کدھر ہے
محبت کے نشہ میں کیا اثر ہے
ہمیشہ اشک غم سے چشم تر ہے

کہ میر محمد نام دار و برادر خور و خواجہ میر درد نور اللہ مضجعہ، شخصے است زبور
علم و عمل آراستہ و بصلاح و تقویٰ پیراستہ، تاحین حیات برادر بزرگ خود را چون پیر
می کرد، حالا بجائے او در شاہجہاں آباد سجادہ نشین است و شعر مندی فارسی، کم از
برادر بزرگ نمی گوید۔ ازوست۔

کب کب تری گلی میں ہم بے قرار آئے
سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے
ہر چند جی پہ ٹہری پھر ہم ادھر نہ آویں
آخر نہ رہ سکے پر بے اختیار آئے

کب کب آئے ہو اثر کیوں تجھونگ آتا ہو
اٹکتا ہو کبھی جی سے جو تنگ آتا ہے

تیرے کوچہ میں دوبارہ خوب ہم ہو کر چلے
ڈھونڈنے کو دل کے آئے جان بھی کھو کر چلے

یہ سمجھ بن رات جو گذری میں جانوں یا خدا جانے
تجھے تو کب ہوئی ہوگی خبر تیری بلا جانے

رقیبوں نے حماقت سے یہاں تک پاسبانی کی
کہ اُس نامہاں نے ضد سے آخر ہربانی کی
نہ قصد اپنا کہ دل دے نہ قصد اس کا کہ جی لہجہ
مصیبت کیا بیاں کیجے بلائے ناگہانی کی

جس وقت کہ تو نے اُسے پیغام دیا تھا
قاصد بخدا اس نے مر نام لیا تھا
ناگاہ پس از عسر ملا مجھ کو تو بولا
بس لگ نہ چل اب تو نے تو بدنام کیا تھا

ہوا کیا وہ ترالے شرمگس چپ ہو کے رہ جانا
کہی جو بات کہا بدنا ہوئی جو بات سہ جانا

بھلا شکر کرنے لگی پھر شکایت
کرم مہربانی توجہ عنایت

حد ہو چکی ہے اب تو خاطر بھلا کہاں تک
ہم نے ہوس کو مارا مقدور تھا جہاں تک

بس ہو یا رب یہ امتحان کہیں
حسن و سیاہی گور ہو نہ رہو
وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں
یا نکل جائے اب جان کہیں
کوئی جاتی ہو تیری آن کہیں
میں کہیں اور کاروان کہیں

ہم ہیں بے دل دل اپنے پاس نہیں
بے وفا کچھ نہیں تری تقصیر
قتل میرا ہے تیری بدنامی
یوں خدا کی حسدائی برحق ہے
آہ اس کا بھی تجھ کو پاس نہیں
مجھ کو میری وفا ہی راس نہیں
جان کا ورنہ کچھ ہر اس نہیں
پر اثر کی ہیں تو اس نہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سی میں
سخت ناچار ہے تقدیر کے ہاتھوں بندہ
آپھنسا دام میں کیا جانے کس بات سے میں
ورنہ یوں باز رہوں تیری ملاقات سے میں

دل میں ہے جو رترے از سر نو یاد کریں^(۳)
ان بتوں کی ہر بڑی دڑی ہی دل شکنی
ہم اسیروں کی اسے چاہئے خاطر داری
تو سنے یا نہ سنے نالہ فریاد کریں
یہ کہاں جو یہ کسی دل سے تھیں شاد کریں^(۴)
اور الٹی نہ کہ ہم خاطر صیاد کریں

(۱) ن خ میں یہ شعر نہیں۔ (۲) گھات (خ ر)۔ (۳) جی میں ہے از سر نو جو رترے یاد کریں (خ ر)۔ (۴) دل کو کہیں (خ)

تیری دولت کا بھلا ہم بھی تو کچھ یاد کریں
اور بھی جی میں جو کچھ ہوئے سوار شاد کریں

کبھو ادھر کو بھی ہو جلوہ گری عشوہ گری
آپ کے دل سے بھلا ملک تو نکل جائے نجا

تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجھ کو
اب اٹھا دے کہیں خدا مجھ کو
آہ کتنا جلا دیا مجھ کو
نہیں کچھ دعویٰ وفا مجھ کو
اور بھی کیجئے خفا مجھ کو
پر خدا جانے کیا ہوا مجھ کو

ہو سزا دیکھے ہے عجب مجھ کو
نعم میں مٹھوں کہاں ملک بُت کے
سردہری نے تیری کینا ظالم
کیوں تو ہر چند جفا ہی کرتا ہے
گرا سی میں خوشی تمھاری ہے
دوہی میں ہوں اثر وہی لہر

آہ لے جائیے کہاں دل کو
منزلت ملتی اثر کے ہاں دل کو

نہ لگالے گئے جہاں دل کو
تو بھی جی میں اُسو جگہ دیجو

نہیں تقصیر پر معاف کرو
اب تو شمشیر کو غلاف کرو

بے گناہوں سے دل کو صاف کرو
کر چکے قتل اثر غریب کے تنیں

جب دل سے ہو س ہی سب اڑی
عیار نے زلف ہے اٹھا دی
ٹک ہنس کے نظر جدھر ملا دی
لامقصود می ولا مرادی
کیا پیارے اثر نے پھر عادی

کدھر کی خوشی کہاں کی شادی
تا ہاتھ لگے نہ کھوج دل کا
پل مارتے خاک میں ملایا
یارب سوا القابے و جہک
دیتے ہو کسے یہ بد دعائیں

رباعیات

کیا تجھ سے کہوں میں کس طرح گزے ہو
کیا دوں میں تپا کہ اس طرح گزے ہے
بالفرض اگر کہا تو پھر کیا حاصل
گزے ہے خیر جس طرح گزے ہے

احوالِ تباہ کو دکھاؤں میں کسے
افسانہ درودِ دل سناؤں میں کسے
تو دیکھ نہ دیکھ، سن نہ سن، جان نہ جان
رکھتا ہوں تجھی کو اور لاؤں میں کسے

نے حالِ تباہ کی انھیں بیستائی
نے نالہ و آہ کی اثر شنوائی
کوئی مرتے مرد، بیٹے جیو، بھائیں نہیں
اللہ و غنی بتوں کی بے پروائی

صدقے ترے نام پر یہی بندا ہے
دل داوۂ بے خطر یہی بندا ہے
بے عیب خدا کی ذات ہی ہر پیارے
تقصیر معاف اثر یہی بندا ہے

اب ضبط سے تاب جی کے رہی کی نہیں
طاقتِ صدماتِ ہجر سننے کی نہیں
اک بات ہر موقوف ترے آنے پر
پن آئے ترے کہوں سو کہنے کی نہیں

(۵) الم

کہ صاحبِ میز نام دار و خلفِ خواجہ میر درد صاحبِ لکۃ اللہ مضعفہ جوانی است حلیم و
سلم۔ بمقتضائے موزونی طبع کہ موروئی است۔ گاہ گاہی فکرِ باعی یا مطلع چین مطلع میکند
(حق تعالیٰ سلامت دار و دن ر، رباعیات
کیا کہے الم کہ اک گھڑی چین نہیں
معلوم ہوا کہ بیٹے جی چین نہیں

میں تو بے چین ہوں پر ہے تنہگی^(۱) بن میرے ستائے اس کو بھی چین نہیں

نے دل کو تیرے بے قراری کے سبب واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھی
نے چشم کو خواب اشکباری کے سبب یہ کچھ دیکھا سو تیری باری کے سبب

سو داکب تھا اسے یہ کب تھی وحشت زلفوں کے دام میں آگم سا آزاد
بس دیکھ تجھے ہوا پریشاں حالت آکر پھینک جائے یوں خدا کی قدرت

(۶) امیر

مسکئی بہ نواب محمد یار خاں خلف نواب علی محمد خاں امیرے بود از قوم افغانہ دور
علم موسیقی و ستار زون یگانہ روزگار و دور رعنائی و زیبائی جو آنے بود باغ و بہار نہارا
دریں کار بر باد دادہ و بآستانہ ان ایفن از داد و دیش بسیار چہ مہیا کہ نہ نہادہ
در ایامیکہ بہ ترغیب حکیم کبیر سنبل شوق شعر نندی دامن دلش را بسوئے خود کشید
خطی بطلب میر سوز و مرزا محمد رفیع نوشتہ روانہ کرد۔ چوں در آں ایام ایں ہر دو
بزرگ در سرکار مہربان خان زند تخلص بصیغہ شاعری عز و امتیاز داشتند از فرخ آباد
آمدن ایشان بہ ٹانڈہ کہ موضع بود و باش نواب بود اتفاق نیفتاد۔ آخر کار میاں محمد
قائم کہ در آں ایام در بسولی بود مذہب الاشارہ آمدہ شرف ملازمت آں والا جناب
در یافت۔ و بدر ماہ یک صدر روپیہ عز و امتیازش دادہ با ستادش برداشت۔
و علی ہذا القیاس و بکسر سخن سنجان مثل فدوی لاہوری و میر محمد نعیم تخلص و پروانہ علی شاہ
پروانہ مراد آبادی و میاں عشرت ہندال و حکیم کبیر صاحب کہ از قدیم در سرکارش بود فقیر
حقیر مصحفی از حاضران مجلس او بود و ہر وقت کہ غزل طح می فرمودند بسر انجام می رسانید۔

(۱) میں تو بے چین ہوں ہی تنہگی یہ (نخ)۔ (۲) عشرت (ن ر)

وازلکہ مزاج نواب بہ سیر و تماشائے مرقع گوناگون نیز میلان تمام داشت۔ یک مرقع
تصادیر شعرا نیز از عاقل خاں مصور کہ مصور سحر کار بود نویسانیدہ بر صفحہ روزگار یادگار
گذاشتہ۔ از آنجا کہ فلک حقہ باز از قدیم الایام بازیہائے تازہ بر روی کار آرد و یک
ناگاہ بر شیشہ انعقاد ایں مجلس بہشت آمین سنگ تفرقہ انداختہ شراب عیش یاران را بذائقہ
ہلاہل ہجراں مبدل ساخت و سبب آل شکست خوردن ضابطہ خان از حضرت ظل
سجانی بود در سکر تال بامداد و ملک مرثیہ ہائے در آں ایام بے تیزی ہر یک از مذاک
و شعرائے مجلس جدا جدا را ہی در پیش گرفتند۔ فقیر در آں حادثہ جانگزا بہ لکھنؤ رسیدہ بود
بعد از نقصائے مدت یک سال بہ شاہجہاں آباد رفتہ رخت اقامت در آں دیار
مینو نشان انداخت۔ در آنجا پس از تسادی ایام بسمع رسید کہ نواب موصوف بعد
شکست حافظ رحمت خاں باطل طبعی در گزشت۔ از دست۔

اس منہ سے آگہ کچھ نہ نکلا جز نالہ و آہ کچھ نہ نکلا
کیا تو نے دیا تھا مجھ کو ساقی شیشہ میں تو دواہ کچھ نہ نکلا

تیرے گھر جانے سے یاں اپنا تو گھر جاتا ہو اے مری جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے
اللہ سے سرخی ترے چہرے کی ہنگام عتاب جتنا ہی بگڑے ہو اتنا ہی سنور جاتا ہے
اُس شکار انداز سگ کر کوئی چھپتی ہو آنکھ کیوں نہ ہو سوئے قضا منہ وقت دم بخیر کا

سرخ چشم آنی کہیں ہوتی ہو بیداری سے لہو اترتا ہو تری آنکھوں میں خونخواری سے
وقت خلعت کے ترے اے مے جی کے دشمن تھام تھام آج رکھا دل کو میں کس خواری سے
بس میں آیا جو تمہا سے اُسے چاہو سو کرو کیا ستم آدمی سہتا نہیں لاچار می سے

کس نے نظروں میں خدا جانے اُسے مل ڈالا
 کیا کہوں ولولہ شوق کو تیرے میں امیر
 نگہیں آج آنکھ اٹھاتی نہیں بیماری سر
 گھر میں جاتے ہیں پائے تو خبر داری سر

وہ دن گئے کہ جو رتی تھیں چشم آب رقیق
 گریں میں سخت دل آنکھوں سے اتوٹل عقیق

کیا عجب بال ملائک ہوں اس جاگہ فرش
 جنس طاعت سے کچھ اپنے تو نہیں پاس تیر
 جس جگہ پانور کھے صاحب مند میرا
 مگر احمد کا ہوں میں اور ہے احمد میرا

(۷) امجد

مولوی امجد امجد تخلص کہ پیرایہ حالش باکسوت فضل و کمال مزین است ہمیشہ بہ
 درس و تدریس گذرانندہ و در فارسی ہم پر غم علمائے دیگر معلومات معقول بہم رسانندہ - دم
 از شاگردی نظام خاں معجز میزند و گفتن معنی ابیات جلال اسیر و غیر ہما رشت خیال در میلان
 وسعت می دو اند - معہذا بمقتضائے موزونی جلی گفتن شعر فارسی و ہندی نیز قادر
 است - از مدت دراز دست بیعت بدست مولوی فخر الدین محمد صاحب نور اللہ مضجعہ گذشتہ
 ہمیشہ در مخپان بطریق آداب و سلوک در شاہجہاں آبا و ممتاز بودہ عمرش قریب بہ ہفتاد و باشد از رو
 نسل مجھے نہ چھوڑیو لے یار دیکھنا
 ایسا ستم نہ کیجیو ز نہار دیکھنا
 ٹھوکر لگے ہے دل کو مرے ہر ملک کے بیچ
 کرتی ہے کیا ستم تری رفتار دیکھنا
 تو آکے دل جلوں کو ستا تا تو ہر رقیب
 کوئی آہ لگ گئی تو مرے یار دیکھنا

جاں بلب تشنہ جگریاں سے چلا جاتا ہوں
 لے خبر جلدی سے ساقی کہ مواجباتا ہوں

(۱) گرامی فخر الدین صاحب (۱۹۰۲) - (۲) خواہد بود (نخ)

مست ہم آنخوشی کو آنامری لے لے سہل سہل
 حشر میں بھی نہ اٹھوں گا میں ٹک اک آنکھ لگے
 ایک عالم نے تری تیغ سے پائی نجات
 جو کہا تو نے کہ آ بیٹھ تو میں بیٹھ گیا
 جس گھڑی آپ کو دیکھوں ہوں میں چپ قہر

اپنی ہی موج میں میں آپ بہا جاتا ہوں
 اپنی بیداری سے یہاں تک تھا جاتا ہوں
 سب گنہگاروں میں ایک میں ہی بہا جاتا ہوں
 جو کہا تو نے کہ جا یہاں سو کہا جاتا ہوں
 اپنی نظروں سے بھی امجد میں گرا جاتا ہوں

(۸)

کہ میرا مانی نام دارد جو آنے بود طرف مزاج و خندہ روی شاگرد مرزا محمد رفیع۔
 دیوانے ضخیم ترتیب دادہ در قصائد و غزل وثنوی ماہر خصوصاً ثنوی گنجفہ را بسیار بہ تلاش
 گفتہ۔ اکثر در مشاعرہ فقیر در شاہجہاں آبادی رسید۔ اصلش از شاہجہاں آباد است و بقولے
 اکبر آباد۔ زبانی میر ذوالفقار علی کہ ہم سایہ ایشاں بود۔ چناں معلوم شد کہ مشاعرہ الیہ عازم لکھنؤ
 شدہ است منخواست کہ خود را بہ پورب رساند چوں ایشاں امان نہ داد در آٹائے راہ
 در سرائے بانکر موہنگام شب بردست و زوان کشتہ شد۔ عرش قریب پنجاہ خواہد بود۔
 از دست۔

گو آ کے سفارش کرے اللہ کسی کی
 یارب نہ شب وصل ہو کوتاہ کسی کی
 جو چاہے اسد گر نہ مگر چاہ کسی کی

مانے ہے کوئی وہ بت گمراہ کسی کی
 پروانے پڑے جلتے ہیں دتی ہو کھڑی شمع
 پھنس قید میں اگر چاہ میں ہو گرگ کا طمع

مرے شیر شاہش رحمت خدا کی

اسد اس جفا پر بتوں سے وفا کی

مکھڑا جو کھل گیا تو سحر مات ہو گئی

زلفیں ہی دیکھ کر نہ نخل رات ہو گئی

(۱) نخ میں "بیار" نہیں ہے (۲) جو چاہے اسد یہ نہ کر چاہ کسی کی (نخ)

ناگنی زلف کی رہتی نہیں بن جان لئے کیا ہی بھری ہو بلا آف ترا کا ٹانہ بٹے

ہر ایک لالہ کا گل چار داغ لئے کلا
گرے ہیں زیر زمیں داغدار کتنے ایک
شرار و شعلہ و پروانہ و دل بیتاب
ایک ایک سی ہیں بے قرار کتنے ایک

(۹) حسن

کہ مرزا حسن علی^(۱) نام دار و جوانے است سراپا خلق و خوش تقصیر و خوش تحریر۔
پیش ازیں پیش خواجہ محمد یونس خاں می بود بعد ازاں در سرکار نواب وزیر مرحوم بصیفہ
شاعری عز و استیاز داشت۔ حالادر سرکار نواب سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا
خاں بہادر ممتاز است۔ شعر خود را در اوائل فکر سخن از نظریہ ضیائی گزرانید۔ بعد
ازاں از خدمت مرزا رفیع استفادہ گرفتہ۔ قوت شاعری چنانکہ شاعر را باید در قصیدہ
وغیرہ پیدا کرد۔ چون فی الجملہ طالب علمی ہم دار و شعر را بہ متانت و رزانت تمام میگوید و
احتیاط محاورہ و صحت زبان بسیار می کند فقیر اور اور لکھنؤ دیدہ۔ از دوست۔
کل بوسہ کے سوال پہ کیا کیا نہ کہہ گیا میں اُس کے آگے اپنا سامنہ لیکے رہ گیا

الٹا سحر صبا نے جو گوشہ نقاب کا دیکھ اُس کو زنگ زد ہو آفتاب کا

کہا جو میں نے کہ رُخ کو ترے قمر نہ لگا
رہی جو تن میں مے جان ایک متق باقی
اسی لئے تو میں تجھ سے تھا ہوں محسن
بگڑ کے بولا کہ چل بے ادھر نظر نہ لگا
لگا کے زخم کہا حیف کار گر نہ لگا
گھڑی گھڑی میرے پاؤں کو چشم پر نہ لگا

(۱) حسن علی (دکن)، طلب (دکن)، چشم تر (دکن)۔

شب جو دھڑکا مرے دل کا خلل انداز رہا
کام دل لینے میں اُس شوخ سی میں باز رہا
شام کی صبح ہوئی بند قبا کھلنے میں
سینکڑوں جان سے جاویں گے جو یہ انداز رہا
لیکے دل بات میں کی خانہ خرابی اُس کی
جس کے گھر جا کے تو اسے خانہ بر انداز رہا
ٹکڑے اڑ جائیں گے سینہ میں جگر کے جن
تیرے مالوں کا کوئی دن جو یہ انداز رہا

یہ راہ تھی کیسی کہ تیرے گھر تک آتے
صاف آئی نظر شکل اہل آنکھوں میں جن
ہر کام پہ ہم بیٹھ گئے دل کو پکڑ کر
جس دم کہ رکھا قبضہ پہ ہاتھ اُس نے بکڑ کر

کل جو اُس شوخ نے سنمکھ ہوڑائی آنکھیں
شوخ چٹپی پہ گھنڈا اپنی نہ کی جو زکس
پشت پارے نظر اٹھتے نہ دیکھی ہم نے
دوس دوس کس کو نہیں اس میں کسی کی تقصیر
مل گئے خاک میں ہم تپہ بھی اُس ظالم نے
کل عجب طرح سے ٹپے تھا تیرے کوچہ میں
برق نے ابر کی چادر میں چھپائیں آنکھیں
آنکھیں کھل جائیں گی جب اُس نے دکھائیں آنکھیں
واہ ری چشم حیا، ہوڑی بھائی آنکھیں
آفتیں دل پہ مے میری ہی لائیں آنکھیں
نہ ملائیں، نہ ملائیں، نہ ملائیں آنکھیں
دیکھ کر حال کو احسن کے بھرائیں آنکھیں

(۱۰) اسقفہ

کہ مرزا ضیا قلی نام دار و سپر حکیم محمد شفیع برادر بیات مرزا رضی جو نیست شوریدہ
سردوار ستہ مزاج باوصف آشنائی با فن طبابت کہ موٹے ست چوں دیگران دوکان
خود فروشی نمی چنید۔ و رطرز گفتن و خواندن شعر بشاگردی و تمجید میر سوز و مفاخرت میکند۔
والحق کہ وقت روانی زبان حرکتش از مردم سامعین دلفریبہامی نماید۔ شعر و در و مندانہ
کہ شستہ و صاف باشد و دوست دارد۔ و رایاے کہ فقیر از شاہجہاں آباد در لکھنؤ آمدہ

(۱) حیا ہی نے لجائیں (ن خ) (۲) مرزا ضیا قلی (ن خ)

اول طرح مشاعرہ او انداختہ - از دست -
چہرا کچھ ان دنوں غم نہاں سے زرد ہے
ظاہر میں کچھ مرض نہیں پر دل میں درد ہے

یہ جوشِ غم ہے کہ سینہ میں خوں ابلتا ہے
نہ پوچھو دل کی حقیقت تمھارے عشق میں آہ
نہ رکھو ہاتھ کلیجہ پہ میرے جلتا ہے
اُسے وہ غم جو لگا ہے اُسی میں گلتا ہے
کہ رات دن کوئی سینہ میں دل کو ملتا ہے
جو اشک آنکھوں سے موتی سا تیرا ٹھلتا ہے
کسی کے کان کا دور دیکھا تو نے آشفتمند

وہ رشک مہر جو عالم میں بے نقاب پھرے
گئے تھرمل مجھے بٹھلا کے میں یہ آتا ہوں
پھر اس چمک سونہ گردوں پہ آفتاب پھرے
میں ایسے آنے کے صدقے بہت شک پھرے

لڑتے تو رات اُس سے میں غصہ میں لڑ لیا
پر جب وہ اٹھ چلا تو کلیجہ بہ کپڑ لیا

ہمیشہ آگ نکلتی ہے میرے سینہ سے
نہ جاوے کیونکہ بصارت وہ چاند سا کھڑا
آہی موت دے، گذرا میں ایسے جینے سے
نظر پڑا نہیں مجھ کو کئی ہیٹے سے
ملی جلی ہوئی بو عطر کی پسینے سے
ہو جس داغ میں کچھ بوئے عشق وہ سمجھے

چلا ہے کعبہ کو آشفتمند پارِ سا بن کر
خدا جو بیٹھے بٹھائے اسے خراب کرے

(۱۱) امین

کہ امین الدین خاں نام دارد پسر قاضی وحید الدین خاں کہ در عہد نواب نجیب الدولہ

خدمتِ قضا باں بزرگ مفوض بود۔ جوانِ خوش اخلاق و خوش اخلاط است۔ در شاہجہان آباد
ہمسایہ فقیر بود و شریک صحبت مشاعرہ نیز۔ حالاً در سرکار صاحب عالم خدمت دار و علمی
دوانی خانہ ممتاز است بمقتضائی سوز و فی طبع گاہ گاہی خیال شعر مندی می کرد و میکند
یک شعرا ز و تجاظر است۔

کون آتا ہے یہ کس کے پانو کی آواز ہو ہر صدائی پامیں جس کے سوطح کا ناز ہو

(۱۲) افسوس

کہ میر شیر علی نام وارد ابن میر علی مظفر خاں وار و عہ تو پخانہ عالیجاہ جو نیست سلیم الطبع
شعر کم از معاصرین نمی گوید بہ شاگردی میر حیدر علی حیراں است سرور دارد۔ اگرچہ پیش ازین
چندے از میر سوز نیز استفادہ کردہ۔ وطن بزرگانش نارنول است فقیر اور اوراد لکھنؤ دیدہ۔
بسیار بخوبی و خلق پیش می آمد۔ ازوست۔

ہنس کر کسی سے میں نے نہ کی بات تجھ بغیر روتے ہی آہ کٹ گئی یہ رات تجھ بغیر

کیا لکھوں اس کو میں احوال یہ کہنا قاصد بے حواسی کے سبب طاقت تحریر نہیں

کیا تو نے لکھا تھا جو تیرے خط کے تئیں دیکھ آنسو لگے افسوس کی آنکھوں سے ٹپکنے

اُس کی صوت کے تئیں یاد دلادیتا ہے ہنستے ہنستے مجھے یہ گل تو دلادیتا ہے

صلاح جانے جو کچھ کہو اُس سے لے قاصد پیام کیا میں تجھے دوں نہیں حواس مجھے

(۱) نسخہ ر میں "عالیجاہ نہیں ہو۔"

آنکھوں کے اشک سے غیروں کو بلاتا ہے میاں جھوٹی نہ کھائیں تو کس کو اڑاتا ہے

نہ اس نے ملے ہیں کہ کچھ سیم و زر ملے ہم تجھ سے آ کے اور ہی امید پر ملے
خط کا جواب ایک طرف یہ نہیں امید جیتا پھر آ کے مجھ سے مرا نامہ بر ملے
کچھ بات تم سے کر نہیں سکتے ہزار حیف مدت میں تم ملے بھی تو غیروں کے گھر ملے

منہ تو دکھائے ذرا گونہ ملاقات کرے ہم کو سو وصل ہیں جوہں کے وہ اک بات کرے

ہنس کر مجھے لوگوں میں اشارات نہ کیجئے رسوائی ہو جس بات میں وہ بات نہ کیجئے

ابھی وہ پردہ میں ہر تپہ خلق مرتی ہے غرض دکھائے پہ ویدار دیکھئے کیا ہو

دیکھتے ہی اُسے حاضر ہوئے مرجانے کو دو ہی اشخاص جو یہاں آئے تھو سمجھانے کو
حق (۱۳۳)

کہ مرزا جواد علی نام دار و قوم قزلباش اصل بزرگانش خراسان است۔ ازود پشت
در ہندوستان بود و باش دارد۔ مولدش در لکھنؤ نشو و نما نیز واقع شدہ۔ جوان حلیم و سلیم
از شاگردان میرمن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ عمرش تا امر وز بست دو سالہ خواہد بود۔ از یادری
بخت سید در عمر دو از وہ سالگی شرف زیارت نجف اشرف و کربلائے معلیٰ و کاظمین شریف
یعنی بغداد و کہنہ و سامرہ یعنی جائے پنہاں شدن حضرت صاحب الزماں دریافتہ۔ مدت
چار سال دریں سفر بود بفضل الہی باز مراجعت نمودہ در لکھنؤ رسیدہ۔ از دست۔
(۱) ذرا بات کرے دن خ۔

ہو دے نصیب جلد کہیں صل یار کا احوال بے طرح ہے دل بے قرار کا

بزم میں اُس کی جو شب چاہ کا ند کو چلا اٹھ کے مجلس سے وہیں وہ بت غور چلا

لو ہو کی جگہ اشک میں نخت جگر آیا
بندہ ہوں تیرا اے اثر آہ جگر سوز
دل کا مجھے احوال بُرا کچھ نظر آیا
صدقہ سے تیرے مالہ میرا کارگر آیا
آنکھوں میں لہو مدعیوں کی اُتر آیا
پھر آج میں اُس کو چہ میں ایک آہ بھرا آیا
کل اہل محسد نے مجھے منع کیا تھا

میرے حق میں تو بہتر ہے مجھے آرام ہو گئے
وے تو قتل کرنے سے مرے بزم نام ہو گئے گا

ظالم تو مجھ سے کس لئے بزار ہو گیا
کیا رازِ دل مرا کہیں اظہار ہو گیا

جس کا خواباں سے دل لگا ہو گا
دام الفت میں ٹھنپیں گیا تو ہوں
وہ نہ آرام سے رہا ہو گا
دیکھوں انجام اس کا کیا ہو گا
جس کا معشوق بے وفا ہو گا
مر گیا ہو گا وہ وقت گشتہ

کہنے دیدار بھی دکھائیے گا
یا یونہیں در بدر پھرائیے گا

سمجھا تھا اُس کو اپنا گریباں غلط کیا
لائے اٹھا جو کوچہ دلدار سے مجھے
کھینچا جو میں نے آپ کا دامن غلط کیا
گو اس میں تم خفا ہو عزیزاں غلط کیا

احقر وہ بد معاملہ ہے بن لکھے پڑے تو نے جو دل دیا اسے ناداں غلط کیا

مجھے اس دوستی پر بدتر از دشمن سمجھتے ہو
غرض کشتہ ہوں میں تو آپ کی ہی بدگمانی کا
تو ایسی ساعد نازک پہ پیائے گل جو کھاتا ہو
نہیں آتا تجھے انوس اپنی نو جوانی کا

ہم آخر ہو گئے بس انتظار صبح ہی کرتے
قیامت آج تو نے لے شب ہجران رازی کی
کے سو سو سلام لے احقر ہم نے اسکو چھپ چھپ
پاس کے نازنے اس پر بھی ہم سوز نیازی کی

کسر (۱۴)

عرف بچو جوانیت شوخ طبع و سرور و لطیفہ گو۔ ہمیشہ نوکری خانہ بادشاہ تہا
دربوایان کر وہ۔ در آں ایام کہ فقیر در شاہجہاں آباد طرح مشاعرہ انداختہ اول برائے
اصلاح شعریہ غرض فقیر آوردہ بود۔ بعد چندے بخدمت شاہ حاتم رفتہ استفادہ
کلی از ذات بابرکات ایشان برداشتہ۔ حالاً صاحب دیوان است ویرروئے استاد
قدم در راہ ایہام کوئی بیشتر می گذارد و در آں معنی ہائے تازہ می بندد۔ اما فقیر
اشعار ایہام را دوست نمی دارد لہذا دوسہ شعر سادہ از نو نوشتہ شد و آں نیست۔
ہمائے دل میں خنجر نازکے کیا کیا نہ گزرتی ہیں
یہ کافرخو بر جس وقت تن کر ٹک اکڑتے ہیں
یہ جتنے خوبرو سرکش ہیں ان کو خوب دیکھا ہو
گئے برجن کے ہر ایک کے پھر باؤ پڑتے ہیں
خدا چاہے سو ہوئے اب ہمارے حق میں کو کبر
صنم سولپنے ہم بھی آج ایک بوسہ پہاڑتے ہیں

انشا (۱۵)

انشا تخلص سید انثار اللہ خاں نام وارد خلف الرشید میر انثار اللہ خاں۔ وطن

(۱) کر (ن خ) (۲) بن (ن خ) (۳) پاؤں (ن خ)

بزرگانش نجف اشرف و خودش در مرشد آباد تولد یافتہ تحصیل کتب عربیہ و فارسیہ و طب
بقدر حال ہمہ وارد۔ از ابتدا سے عمر حکم موزونی طبع شعر در ہر سہ زبان می گوید و زور
طبیعت می نماید اما میلان طبع اش بطرف ریختہ بیشتر است۔ مثنوی شیر و بیخ و در جواب
نمان و حلوار مولانا بہار الدین آملی بسیار صفا گفتہ و داد فصاحت زبان فارسی
در و دادہ۔ دیوانش از نظر فقیر گذشت۔ اگرچہ ہمہ کلامش در عالم ظرافت خالی از
کیفیتی نیست اما انچہ از اشعار سادہ اش انتخاب فقیر افتادہ انست۔

ہے اور کوئی ایسا جس میں یہ پھین سکے
افشاں کا وہ عالم ہر اس چاند سے کھڑے پر
سج و حج اسے کہتے ہیں بیباختہ بن سکے
جوں وقت سحر انشا سوچ کی کرن سکے

اچھا جو خفا ہم سے ہو تم اسے صنم اچھا
اغیار سے کرتے ہو میرے سامنے تہیں
لو ہم بھی نہ بولیں گے خدا کی قسم اچھا
مجھ پر یہ لگے کرنے نیا تم ستم اچھا
واللہ کہ اس سے برابر عدم اچھا
اس ہستی موہوم سو میں تنگ ہوں انشا

ٹھک آنکھ ملا تے ہی کیا کام ہمارا
رکتے ہیں کہیں پاؤ تو پڑتے ہیں کہیں پاؤ
تس پر یہ غضب پوچھتے ہونا م ہمارا
ساقی تو ذرا ہاتھ تولے ہتھام ہمارا
پہنچے ہی بلا واسطہ پیغام ہمارا
بے تابی دل کے سبب اس شوخ تھک انشا

ہر شب وصل کھلے کاش نہ دروازہ صبح
کم نہیں شور قیامت سوز یہ آواز صبح

مانگا جو اس سے بوسہ میں نہ چین کے اندر
بولا کہ یہاں نہیں چل مچھی بھون کے اندر
(۱) مانگا جو میں نے بوسہ اس سے چین کے اندر (ن خ)

کر بانڈے ہوتے چلنے پر پاں سب باز بیٹھو ہیں
 بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں
 نہ چھڑانے نہ گھٹ باؤ ہاری راہ لگ اپنی
 تجھے اٹھکیلیاں سو جھی ہیں ہم نیز بیٹھے ہیں
 کہاں گردش فلک کی چین تیری ہر سنا آتش
 غنیمت ہو کہ ہم صدوت یہاں بچار بیٹھے ہیں

گاہ گاہ ہے جواد ہر آپ کرم کرتے ہیں
 وہ ہیں اٹھ جاتے ہیں یہ اور تم کرتے ہیں

کل وہ نگہ اچھتی ہوئی یوں جو پڑ گئی
 بے اختیار اس سے میری آنکھ پڑ گئی
 اٹھتی نہیں جو دل سے صدا آہ کیا ہوا
 اس ساعت فرنگ کی کیا کل بگڑ گئی

(۱۶) اختر

میر اکبر علی اختر کہ پیش ازیں انجم تخلص می کروند میر عبداللہ ابن حضرت انسان
 پانصد منی کہ ایشان پیرزادہ ہائے نواب مراد الدین خاں بودند جو ان ظریف الطبع و لسان
 است۔ در فن ساختن انواع آتش بازی و غیرہ نظر خود نادر و روزے کہ مومی الیہ ہمراہ
 مرزا جانی کہ از کربلائے معلی آمدہ بودند بلکہ خود فقیر در آں ایام رفیق میر محمد نعیم خاں صاحب
 بود چوں مرزا کے موصوف سابقہ معرفت بخانہ میر صاحب موصوف فرو و آمدہ بودند
 بعد چندے تعریف صناعتش بیان نمودہ اورا بہ سرکار میر صاحب نوکر کنایندند الحاصل
 در ہاں روز ہا با فقیر نیاز مند می کردہ چیزے خشکستہ بستہ خود را برائے اصلاح اکثر
 می آورد۔ چوں چند سال بریں گذشت و روزگار فقیر بر ہم خورد و دوشست مزاج برآں
 زیادہ گردید و مطلقاً بہ شعر و شاعری سر و کار نہ ماند بلکہ نفرت کلی روداد۔ مومی الیہ موثق
 معمول برائے اصلاح می آمد و متصدع اوقات ازادگی می شد۔ لہذا جواب داد کہ
 مراد باغ اصلاح نماندہ است پیش میاں قلندر بخش جرات بروید و اکنون شعر خود را

(۱) ایشان پانصد منی "بخندہ (نخ ر)

بہ ایشاں بنائید اول راضی بریں نہو چوں دید کہ طبیعت ایشاں آزرده میشود پیش مشا را
رفت و صورت حال را ظاہر کرد۔ جرأت گفت کہ میان من و ایشاں دوستی است
و قول شمارا چہ اعتبار اگر رقعہ از دست ایشاں نویسانیدہ بیارید مضائقہ ندارد۔ آخر
کار چوں روز دوم آمدہ درخواست رقعہ از من کرد نوشتہ دادم۔ از ہاں روزانچہ
گفتہ و می گوید بہ میاں جرأت می نماید۔ عمرش تقریباً از سی متجاوز باشد۔ ازوست۔
صاف دل سی بھی جو اس کو انی ہم گھر لے گئے
بولے گھبرا کر ہمیں پیٹے جو یہ حرکت کرے
کر رہے ہیں لوگ باہر کے جو سب چرچاچی
تو بھی سب دل میں گماں کچھ اور ہم پہ لے گئے
سامنے اُس کے گلے تک ہم جو خنجر لے گئے
کون تھا وہ جس کو تم شب گھر کے اندر لے گئے

یہ تیغ جو کھینچے ہر قاتل اسے کہتے ہیں
یارب وہ ملے مجھ سے تا لوگ کہیں مج کو
اختر میں اُسے چاہا یہاں تک کہ وہ میری
ٹپے ہر جودل میرا بسل اسے کہتے ہیں
ساحرا سے کہتے ہیں عامل اسے کہتے ہیں
قاتل ہر کہ ہاں سچ ہرائل اسے کہتے ہیں

کس شک گل سے لگ کر آئی صبا پن میں
کیا بو بہک رہی ہوا بجا بجا چمن میں

اور کیا خاک ہو کوئی تجھ پہ ستگر عاشق
رہتے پھرتے ہیں ترے اگلے ہی گھر گھر شوق

سوچتے کیا ہو میرے قتل کو میاں بسم اللہ
کھینچ کر تیغ لگایے مٹھے ہاں بسم اللہ

سدا آواز کی بھی ہم تو سننے کو ترستے ہیں
کیا مدفون کس کو کر کے ٹکڑے تو نے اے قاتل
خوشا حال اُن کا ہر جو آپ کے ہمسایہ ہوتے ہیں
کہ جس کی خاک پر یارب کے ٹکڑے برستے ہیں

تمہاری خنیش ابرو ہی کا مارا ہو وہ پیاسے
کراجم کے ناحق قتل پر اب آپ کتے ہیں

تاثر کی ہر جا مڑگاں پہ جو نخت جگر نکلا
عجب نخل ہو جس میں کہ شکل گل مڑ نکلا

اشک خونیں یہ ہیں کیا رنگ دکھلانے لگو
جو سر مڑگاں پہ اب نخت جگر آنے لگے
کچھ ستارا شاید انجم کا پھرا ہے ان دنوں
تم جو پاس اپنے اُسے پھر پھر کے بلانے لگے

لائی صبا یس کی نکہت چمن کے اندر
چھپتی ہو بوسے غنچہ سو پیرہن کے اندر

اللہ اللہ سے تیری جلوہ گری کا عالم
نہ لگے گرد کو بھی جس کی پری کا عالم
پھروں میں آپ ہیں آتا نہیں ہم اُس بن
مجھ دوست پوچھ میری بخیری کا عالم
کیا کہوں کل تیری رفتار کی اٹھکھیلی دیکھ
کچھ عجب حال سے تھا کبکری کا عالم
لیکے دل جان سو مارا مجھے اختر اس نے
کیا کہوں اُس کی میں بیداد گری کا عالم

کوئی جتائے یہ اُس شوخ بیوفا کے تنیں
کہ آشنا نہیں دکھ دیتے آشنا کے تنیں
شبِ مصال میں بھی منہ کو پھیر بیٹھا وہ
زباں پہ لایا جو میں حرفِ مہما کے تنیں

گر یو نہیں وصل کے دن جی پر ملال ہوگا
تو ہجر میں آہی کیا اپنا حال ہوگا

ہمارا لیکے خط تجھ سے اگر وہ نامہ بر کھولے
تو کہہ دینا اُسے ٹکٹ انیں بائیں دیکھ کر کھولے
پھڑکتا رہ گیا مرغِ چمن حسرت میں اُڑنے کی
بوقتِ فوج بھی صیاد نے اُس کے زہر کھولے

(۱۷) اشفقتہ

بھوکے خال جوان صلاحیت شعار و سپاہی پیشہ است پیش ازیں روز ہاں
کہ فقیر دہلی بود دیوان شوکت بخارائی از ملائے میخواند۔ و ہم برویہ اش کم کم فکر شعر
فارسی بتلاش تمام می کرد۔ چوں ایں ماجرا برصہ طویل گزشت اکنون کہ دوبارہ بفصلہ
قلیل لکھنو گزرا فکندہ ویدش کہ در ریختہ زبانے و بیانے پیدا کردہ و دیوانے درست
ساختہ۔ اما عجب اینست کہ باوصف ملاقات کلامش بدست فقیر نیامد مگر ہمیں غزل
از دست۔

جام گدائی ہاتھ میں سخت سانج سوئے پھرتے ہیں	شمس قرینہ و نو بھکاری حسن کے تھے پھرتے ہیں
مدت سولے اختر طالع ماہ ہیں بن گردش میں	کھول تو باہن پو پھلی نی کب دن میرے پھرتے ہیں
بندت پوچھو ہاتھ دکھاؤ قال کھلاؤ کوئی پر	دن جو ہوں گشتہ انہو کس کے پھیرے پھرتے ہیں
عقل و فراست سلب ہوئے سبب و جنوں و جنوں	گلیوں گلیوں لڑکے ہم کو گھیر گھیر پھرتے ہیں
یوں کا نہ ہو پزیر نہیں اس کی بل کھاتی ہیں قہر خیم	مار سیہ کو ڈال گلے میں جیسے پیر پھرتے ہیں
جوگ لیا آشفقتہ ہم نے دیکھ لٹک ان زلفوں کی	گلیوں گلیوں حال پریشان ہاں بھیر پھرتے ہیں

(۱۸) افسر

غلام اشرف ولد غلام رسول کہ در مرثیہ و سلام اشرف تخلص می کند و در شعر افسر
قرار دادہ۔ قوم شیخ بزرگانش چو دھڑی گاؤ خانہ بادشاہی بودہ اند۔ مشار الیہ مقتضای
موزونی طبع از یک دو سال فکر مرثیہ و سلام بر سبیل رواج زمانہ کردہ و می کند۔ در
ایامیکہ مولف طرح مشاعرہ افکندہ در آل روز ہا بر غیب فقیر مجموع پنج غزل طرحی مشاعرہ
گفتہ از نظر فقیر گزرا نیدہ۔ طبعش مناسبت تمام بہ درستی کلام دارد۔ از دست۔

جب دیکھے ہے مہ داغ سیاہی جہیں پر
آتا ہے اُسے رشک تیرے رُئے حسین پر
معلوم نہیں کیا ہر تہہ خاک تاشا
زنگس کی جو رہتی ہر جھکی آنکھ ز میں پر

کے ہر خواب میں غفلت کے دوتاں ہر روز
یہ عمر جاتی ہر افسوس راہیگاں ہر روز
بہار آنے کی کچھ تو خبر سنی ہر جواب
کرے ہر صحن چین صاف باغیاں ہر روز
نہ طول اُس کا ہوتا روزِ آخرت آخر
کہوں گرا اپنی شبِ غم کی دوتاں ہر روز
جگا تا پھر تا ہے جوابِ عدم سے فتنہ کو
یہ بے سبب نہیں گردش میں آں ہاں ہر روز
غمِ فراق سے اس شعلہ رو کے لے افسر
جلا کرے ہر میرا مغز استخوان ہر روز

چہرے پر ماہ کے نہ کیا کرخیاں تو
آئینہ لیکے دیکھ ٹمک اپنا جمال تو
گویا شفق میں پنجہ خورشید غرق ہے
جس وقت ہاتھ منہدی سوکرا ہر لال تو

اب نہیں ہم سے وہ الفت اور ملنا پیار سو
میشتر ہے ربط اُس کو آج کل انعیاسے
ایک صبرِ حسن تھی سو وہ زینچا لے گئی
کیا خریدیں جا کے اب ہم صبر کے بازائے
ماک زراکت دیکھو پیہنے ہر گجر جب ہر شمع
شاخ گل سا ہاتھ لچکے ہر گلوں کے بائے
سینکڑوں کے خانہ دل پر خرابی آگئی
ایک ن جہان کا تھا اس نے رختہ دیوے
کچھ تنادل کو اپنے باغِ جنت کی نہیں
کام لے افسر ہر محکو کو چہ دلدار سے

(۱۹) ادبِ اش

شیخ امیر الزماں بجنوری ادبِ اش تخلص از شیخ زادہ ہائے لکھنؤ جوانِ صلاحیت
شعار است بقتضائے موزونی طبع چیز کے کہ گفتہ آنرا پر بیاضے نوشتہ داشتہ رونے

ہمہ کلام خود را بہ نظر موافک گزرا نیدہ آنچه عجالتاً بطور انتخاب افتادہ نیست۔

یار مجھ سے وہ مہ جبیں نہ ہوا میری خواہش پہ آسماں نہ پھرا
دین و دنیا سے ہم پھرے پرآہ اپنی خو سے وہ بدگماں نہ پھرا
ہو گئے پس انتظار میں ہم تو بھی ادب باش وہ جواں نہ پھرا

خون ہو دل کا وش سے اس کی بہ گیا ٹوٹ کر سینہ میں پیکاں رہ گیا
مجھ سے مت منزل کی پوچھو سرگزشت ہر مان آگے گئے میں رہ گیا

چکے ہر چشم تر میں رخ اُس بے حجاب کا پانی میں جیسے عکس پڑے آفتاب کا
دل دیدہ اپنی جویا رتھے سوہ در غم ہیں چٹا گئے ہمیں جن چشم امیدھی وہیں سو آنکھ چرا گئے

(۲۰) الہام

شاہ ملول الہام تخلص قوم شیخ کہ پیش ازین تخلص ایساں ملول بود شاعر فارسی
گواست طبعش چوں بحر موج رمال رواں افتادہ۔ کم کم بطرف ریختہ ہم متوجہ می شود
بعضے از سوز و مان لکھنؤ چہ در فارسی و چہ در ہندی شاگردیش را فخر خود می شمارند و اورا
استاد مسلم الثبوت می دانند و الحق کہ در درویشی و شاعریش دوش بدوش راہ می رود
و بہ سبب نام درویشی اعلیٰ و ادانے شہر توقیر و عظیمش را موجب افتخار می پندارتند
وطن اجدادش ہمیں شہر لکھنؤ قبل مراد آباد۔ عمرش از شخصت مستجاوز باشد از و ست۔
قدر تو نے کچھ نہ جانی گوبرے یا نیک نہو ناز برواروں میں پر ظالم تیرے ہم ایک تھے

نگہ وہ شوخ کہ طعنہ کٹا پر پاک
مرہ وہ شیر کہ خنجر کو دھار پر پاک

حرف الباء

(۱) بیدار

بیدار کہ میر محمد علی نام دارد بہ میر محمدی بیدار مشہور است شاگرد و تلمیذ قلی
بیگ فراق تخلص کہ شاعر فارسی گو گذشتہ جو نیست محمد شاہی قاسم حال خود را بہ لباس
درویشی آراستہ دارد یعنی پھینٹھ گہروی بر سرتاج می بندد و دیگر لباس ادب و دنیا داران
است۔ در عرب سرائے اقامت دارد۔ دیوان ریختہ اش مشہور است زبانش
بسیار شستہ و رفته۔ کم کم فکر شعر فارسی ہم می کند چنانچہ اشعار فارسی خود را نیز از
قسم چند غزل و رباعی و دوسہ قصیدہ کہ در نعت و منقبت و غیرہ گفتہ بر پشت سر ورق
دیوان خود نوشتہ داخل ساختہ۔ چون اعتقاد بجناب مولوی فخر الدین صاحب بسیار
داشت ہر گاہ کہ از عرب سرائے در مدرسہ غازی الدین خاں برائے دیدن آں
بزرگ می آمد گاہ گاہ بہ فقیر ہم اتفاق ملاقات می افتاد و صحبت شعر بیان می آمد۔
حالاً گویند کہ از چندے در اکبر آباد رونق افزا است۔ دیوانش از نظر فقیر گذشت۔
انتخاب اوست۔

ہم پر سو ظلم و ستم کیجے گا	ایک ملنے کو نہ کم کیجے گا
گر یہی زلف و یہی مکھڑا ہے	غارت دیر و حیرم کیجے گا
جی میں ہے آج بچائے مکتوب	یہی بیت اس کو رقم کیجے گا
ہر بانی سے پھر لے بندہ نواز	کہئے کس روز کرم کیجے گا

تنہا نہ دل ہی شکرِ غم دیکھ ٹل گیا
گزری شبِ شباب ہوا زورِ شبِ اخیر
قابلِ مقام کے نہیں بیدار یہ سراسے
اس سحر کہ میں پائے تحمل بھی چل گیا
کچھ بھی خبر ہے قافلہ آگے نکل گیا
منزلِ ہر دور خواب کے اٹھ، اون تو بھل گیا

مل گئی تھی اس میں کل کس کے دل سوزاں کی خاک
گرد و بادِ دشتِ فرسا شعلہ جوالہ تھا
ہو گیا کرتے ہی تیری چشم سے دامن کے پار
اشک تھا بیدار یا یہ آگ کا پر کالہ تھا

حیف ہے ایسی زندگانی پر
حالِ سن سن کے ہنس دیا میرا
کہ فدا ہونے یا رہ جانی پر
کچھ تو آیا ہے مہربانی پر

ہے بعدِ مرگ گور میں شورِ جنوں ہنوز
آیا تھا راتِ خواب میں وہ سروِ خوشِ خرام
میں کشمکش میں دستِ و گریباں کی ہوں ہنوز
بیدار چشم سے ہر رواں جوئے خوں ہنوز

اب تک میرے احوالِ سِرواں بخبری ہو
نولا دولاں چھیڑیو ز نہار نہ محبس کو
لے نالہ جاں سوز یہ کیا بے اثری ہے
چھاتی مری جوں سنگِ شادریں سبھری ہے
ہر شخص کہ بیدار اُدھر کو سفری ہے
ہر زور میں کچھ آب و ہوا شہرِ عدم کی

مقدور کیا مجھے کہ کہوں وہاں کہ یہاں ہے
نہ تیکدہ سِو کام نہ مطلبِ سرمے تھا
میں چشم و دل گھڑاں کی جہاں چاہو وہاں ہے
محو خیال یا رہے ہم جہاں رہے

اتنا کہو کہ آج نہ جائیں گے ہاں رہے
حیراں جو دل کہاں نہ رہیں کس کو ہاں ہے

آئے تو ہو پہ دل کی تسلی ہو تب مری
بیدار زلف کھینچے اُدھر چشم یار اُدھر

رہے ہر گل کے گلے لگ یار کو کر یاد ہم
دیکھ لیوں تیری صورت پھر کے اے جلاہم

کیا ہوئے گلشن میں آکر لے غزیاں شاد ہم
قتل تو کرتا ہر آخر کھول دے آنکھیں ٹک کیا

یاد عیا سلام کچھ بھی ہے
پاس ناموس و نام کچھ بھی ہے

قاصد اس کا پیام کچھ بھی ہے
تو جو بیداریوں پچھے ہر خراب

کہ تیری بوسہ چاہوں گو گلشن میں ساتی ہو
تیری الفت مجھے اے بیوفا کیا کیا دکھاتی ہو

صبا کو چہ میں تیری اس لئے ہر صبح آتی ہو
بہ چشم اشک بدل داغ دلب آہ و غم دوری

اے میں قربان کیوں تو برہم ہے
عاشقی کا بھی زور عالم ہے

جان تک تو نہیں ہو تجھ سے دریغ
گاہ رونا ہے گاہ ہنسنا ہے

کچھ ہیں کہنا ہے پیارے آئیے
آئے تم مدت میں بارے آئیے

اُٹھ کے لوگوں سے کنارے آئیے
کچھ تو کی تاثیرالہ نے مرے

پر غیروں کی باتیں نہ سنوائیے
جو ہو آپ میں اس کو سمجھائیے

جو کچھ چاہئے آپ ہی فرمائیے
نصیحت سے بیدار کیا فائدہ

گر بڑے مرد ہو تو غیر کو یہاں جاویں گے
اس کو کہہ دیکھئے بیٹھے، یہیں اٹھو آویں گے

جس وقت تو بے نقاب آئے
ہو گا کوئی جس کو تاب آوے
اے جان بلب رسیدہ آنا
رہتا ہے کہ تا جواب آوے
بیدار کو تجھ بن لے دل آرام
ہوتا ہی نہیں کہ خواب آوے

سلام بھی ہر زمانے میں اور دعا بھی ہر
ہم سے یا رنے قاصد سے کچھ کہا بھی ہے

جس دن تم آکے ہم سے ہم آغوش ہو گئے
شکوے جو دل میں تھو سو فراموش ہو گئے

جی میں بیدار تیرے ملنے کے
ہائے کیا کیا خیال رکھتا ہے

جی میں بیدار کھب گئے میرے
فندق اُس پنجہ خنائی کے

سیا تو ہر پہ کوئی دم میں پھر گریباں کا
یہ پیچ و تاب تو کچھ بے سبب نہیں بیدار
جدا جدا نظر آتا ہے تار تار مجھے
دکھا گیا ہے کوئی زلف تابدار مجھے

دانت تو کیا ہیں اگر کاٹو پھری سو پیاے
ہاتھ سے میرے تو ممکن نہیں دامن چھٹے

یوں مجھ پہ جفا ہزار کچھ
کرتے تو ہو تم وفا کی باتیں
پر غیسر کو تو نہ پیار کچھ
پر نہم سے ٹک آنکھیں چار کچھ

(۱) رہ جاتو کہ تا جواب - دن بخ،

جو چاہے سو میرے یار کچھ
وہ کام نہ آستیار کچھ

بیدار تو اس جہاں میں آ کر
چسے گرے کسو کے دل سے

کہاں ہیں طالع بیدار یہ کہ ایسا ہو
کہ سر دھڑے مرے زانو پہ یار سوتا ہو

صورت اس کی سا گئی جی میں
تو جو بیداریوں ہوتا مارک
آہ کیا آن بھا گئی جی میں
ایسی کیا بات آ گئی جی میں

مان کہنے کو نہ جا چھوڑ کے اس وقت مجھ
بات رہ جائے گی اور ون تو گذرتے ہیں

تیری ہم خاطر نازک سے خطر کرتے ہیں^(۱)
دل و دین تھا سولیا اور بھی کچھ مطلب ہو
کیا ہو گر ایک گھڑی یہاں بھی کرم فراؤ
تیرے ایام فراق لے صنم مہر گیل
دن کو پھرتے ہیں تجھے ڈھونڈتے اور بات نام
یہ وہی فتنہ و آشوب جہاں ہو بیدار
بس نہیں خوب کہ ایسے کو دل اپنا دیجو

ورنہ یہ نالے تو پتھر میں اثر کرتے ہیں
بار بار آپ جو ایدھر کو نظر کرتے ہیں
آپ اس راہ سے آخر تو گذرتے ہیں
آہ مت پوچھ کہ کس طرح بسر کرتے ہیں
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں
دیکھ کر پیر و جواں جس کو خدر کرتے ہیں
آگے تو جان میاں ہم تو خبر کرتے ہیں

جانبیں مشتاقوں کے لب پر آئیاں
سادہ روئی ہی غضب ہو تپہ اور
بل بے ظالم تیری بے پروائیاں
کرتے ہو ہر لحظہ حسن آرائیاں

یوں بہارِ خطِ سبز اُس کے ہر خار کے ساتھ
آہِ مستِ پوچھ کہ کس طرح کٹی شبِ تجھ بن
آئینہ دیکھ تو اس منہ سے تجھے لے طوطی

جیسے پھولا ہو بنفشہ کہیں گلزار کے ساتھ
صبح کی رور و گلے لگ دروِ وار کے ساتھ
دعویٰ ہمِ سخنِ اس لب و گفتار کے ساتھ

اُس آئینہ رو کے ہو مقابل
جوں شمع اس انجمن سے بیدار

معلوم نہیں کدھر گئے ہم
لے داغِ دل دھکر گئے ہم

یہ بھی کوئی وضع نہ آنے کی جو آتے ہو تم
دور سے یوں تو کٹی اچھکے دکھا جاتے ہو تم
کہنے مجھ سے تو بھلا اتنا کہ یہ میں بھی سنوں
اس بری صورت بلا انگیز کو دیکھا نہیں
دیکھے خرمین پہ یہ برقِ بلا کس کے گرتے
جو کوئی بندہ ہوا پنا اُس سے پھر کیا ہر حجاب
آج یہ گواور یہ میداں انھیں کہہ دیجئے
پھر نہ آویں گے کبھی ایسے اگر آزدہ ہو
حالتِ بیدار اب کیا کیجئے آگے بیان

ایک دم آئے نہیں گذرا کہ پھر جاتے ہو تم
پر جو چاہوں یہ کہ پاس آؤ کہاں آتے ہو تم
بندہ پرور کس کے ہاں تشریف لائے ہو تم
ناصحو معذور ہو کر مجھ کو سمجھاتے ہو تم
بے طرح کچھ تیوری بدلے چلے آتے ہو تم
میں تو اس لائق نہیں جو مجھ سے شرف لائے ہو تم
دیکھ یوں جن کے بھروسے محکوم دھمکاتے ہو تم
بس چلے ہم خوش رہو کا ہو کو جھنجھلا تے ہو تم
وقت ہوا اب بھی اگر تشریف فرمائے ہو تم

(۲) بیان

کہ خواجہ احسن الدین خان نام دارو، شاگرد مرزا مظہر دستِ بیعت بہ مولوی
فخر الدین صاحب نور اللہ مضجعہ دادہ۔ شاعر مربوط گو صاحب زبان است۔ مدتے
گزشتہ کہ بہ طرفِ دکن رفتہ گویند کہ در سرکار نظام علی خاں عزو اتیاز دارو فقیر ہونو

اور نہ دیدہ حق تعالیٰ سلامت وارو۔ انتخاب دیوان اوست۔
کسی کا کوئی بیاں آشنا نہیں لکھا سوائے اس کی بھی آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

میں ترے ڈر سے رو نہیں سکتا
شب مرا شور گریہ سن کے کہا
مصلحت ترک عشق ہی ناصح
جو مسلسل بیاں کہے ہر سخن
گر و غم دل سے دھو نہیں سکتا
اس کے ہاتھوں میں سو نہیں سکتا
لیک یہ ہم سے ہو نہیں سکتا
کوئی موتی پرو نہیں سکتا

بہم نہ فکر کر کہ مرا کام ہو چکا
آتا ہے تجکو ننگ مرے نام و عیث
جو دل یہی ہے تو مجھے آرام ہو چکا
لے شوخ اب تو شہر میں بدنام ہو چکا

گل کی حسرت سے مرے دل میں سد اخار
میں تو بھر عمر قفس ہی میں گرفتار رہا

قفس میں میں رہائی کے لئے کیا نہیں کرتا
پھر کتا ہوں تڑپتا ہوں کوئی پروا نہیں کرتا

جانے دے مجکو اے ہوس سیر گستاں
وامق تو کیا ہو قفس بھی جاتا ہو مجکو بھول
ہوئے گا ذوق حسرت دیدار میں خلل
باتوں میں آہ کس نے لگایا سہ بیاں
اب اس چمن سے اپنے غم آباد کی طرف
جب دیکھتا ہوں حسرتِ فرہاد کی طرف
شیریں گذر نہ کیجیوں سرہاد کی طرف
رکھے تھے کان ٹک مری فراد کی طرف

بھلا سن تو اے دین و ایمان عاشق
ہوا ہے تو کیوں دشمن جان عاشق

مقابل ہی رہتا ہے ہر وقت تیرے
بیان اس برابر بھی دولت ہو کوئی

ہر آئینہ یا چشم حیران عاشق
کہ معشوق ہوئے ثنا خوان عاشق

میں جانتا تھا وصل کی شب کچھ دراز ہو
ظاہر میں وصل کا نہیں اسباب کو بیان

آنکھیں جو کھل گئیں تو درِ صبح باز ہے
نومید بھی نہ ہو کہ خدا کار ساز ہے

خصت ہو عقل و ہوش کو چاہی جہاں رہا
کیا دیکھتے ہو دل کو مرے تم اُلٹ پلٹ
فرما دو قیس نے تو لیا گھیر کوہ و دشت

اے ساکنانِ کوئے بتاں ہم تو یہاں رہو
آیا ہے گر نند تو اے ہسریاں رہو
اب کوئی جگہ ہے کہ جس میں بیان رہو

خدا کرے کہ تھا ہو کے جی نکل جاوے
میں وہ نہیں کہ ترا جا بجا کروں شکوہ
جو سوز دل سے کوئی حرف منہ پہ آیا ہو

کہیں کتاب یہ قضیہ چکے خلل جاوے
ترے فراق میں گوجی مرا نکل جاوے
خدا کرے کہ بیان کی زبان جل جاوے

جو ہوتا ہے ریحان و سنبل کے صدق
خزاں میں بھی چھوڑا نہ طوف چمن کو
جلو میں پھرے ہیں پرزادِ لڑکے
ابھی وعدہ کر کر لگا سوچنے تو
بیان کون ہے اب تلک پوچھتے ہو

نہ ہو کیونکہ اُس زلف و کاکل کے صدق
غرض ہو جئے عشقِ بلبل کے صدق
دوانے ترے اس تخیل کے صدق
نہیں یاد گویا، تامل کے صدق
تغافل کے قربان تجاہل کے صدق

رسوا نہ کر خدا سے ڈرے چشمِ تر مجھے

آنا ہو اس کی بزم میں بار و گر مجھے

دو نوجہاں کی فکر سے کر بے خبر مجھے
پھر لے چلا ہے یہ دل وحشی اُدھر مجھے

ساقی تری نگاہ کے صدقے میں اکیلا
آیا ہوں اُس گلی سے ابھی دم نہیں لیا

مر گیا ضبط سے پر آہ نہ کی

آفریں عشق کو بیان تیرے

رسم مروت اٹھ گئی مہر نہیں نہیں رہی
شام سے لیک صبح تک وہ ہی نہیں نہیں رہی

چشم کرم کو ہی سراپے تئیں نہیں رہی
وصل کی شب کا ماجر کیا کہوں تجھ سے تم نہیں

خدا ہی جانے مری جان میں ہوں یا تم ہو

ہمیشہ کہتے ہو مجھ سے کہ بے وفام ہو

ایک بے خلل سی جا ہو بس میں ہوں اور تو ہو

کافر ہوں جو زیادہ کچھ اس سے آرزو ہو

اتنی کچھ چل تھی سیاں تک ہر

گنتی مجنوں کے ساتھ روق عشق

گو ضبط کر یہ سے نہ تیرے جی کو کل پٹے
بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل پٹے

تھا حکم شرم عشق کہ ہرگز نہ رو بیاں
بھر عمر ہم نے ضبط کیا لیک وقت نزع

ظالم یہ تری نگاہ کی تھی
ہم سے بھی کبھی تو آشنا تھی

جادو تھی کہ سحر تھی بلا تھی
کیدھر کہاں ہے خوش ملی تو

یہی ہر صبح سے دھڑکا کہ رات آتی ہو

شب فراق کی دہشت سے جان جاتی ہو

جا کہو کوئے یار میں کوئی
کیوں بیان سیرِ مرغ کی رخصت
مر گیا انتظار میں کوئی
نہیں دیتا بہار میں کوئی

جنگ پر جس کی لوگ لڑتے ہیں
صلح میں اُس کی کیسا مزا ہوگا

جاتا ہے یار کچھ تو بیان منہ سے بولے
لے بے نصیب مانعِ گفتار کون ہے

مست آئیوں لے وعدہ فراموش تو اب بھی
جس طرح کٹا روزِ گزرا دے گی شب بھی
رباعیات

کیا تو نے سمجھ کے دل بیاں اُس کو دیا
بدخو بد عہد شوخ سرکش معسرور
میں کیا کہوں اُس کی خوبیاں ہیں کیا
بے دین بے مہر بے وفا بے پروا

جس شخص سے ہوتی نہیں قبر کی مدح
مجھ سے تو یقین کی نہیں ہوتی تعریف
وہ کیونکہ کرے حیدرِ صفدر کی مدح
کس منہ سے کروں حضرتِ مظہر کی مدح

از بس میں نہیں زباں پہ اپنی قادر
کہتا ہے وہ طفلِ شرمگین جس بھلا کر
اکثر ہوتی ہیں دل کی باتیں ظاہر
یارب عاشق نہ ہو کسی کا شاعر

(۳) بیتاب

کہ از دورۂ سابقین است چنانچہ از زبانش می تراود - از دست -
اُس کے ابرو ہلال کے مانند
خال اس کا بلال کے مانند

کیوں نہ ہو ہم سے وہ سخن باغی جس کا قد نو نہال کے مانند
گل رخاں کی گلی میں لے بیتاب خاک پا ہے گلال کے مانند

(۴) بیتاب

نمیدانم کہ بود این قدر دانم کہ شاگرد محمد قایم است۔ مقطّعتش کہ از زبان ایشان شنیدہ
بودم بیا و مانده۔
بے تاب بھی کیا جواں تھالے کے ہو خانہ خراب اس اجل کا

(۵) بیجان

کہ عزیز خاں نام دار و قوم افغان یعنی روہیلہ فقیر درایا میکہ در آنولہ بود بمومی
الیہ اتفاق ملاقات اکثر می افتاد۔ حالاً معلوم نیست کہ کجاست۔ از دست۔
ایسے نادان ہیں ہم تم کو نہ پہچانیں گے ہم سخن غیر سے ہوتے ہو جو آواز بدل
پیچ دیتا ہے تجھے کہہ کے برادر یہ قریب اس سے دُستار نہ لے خانہ برانداز بدل

نہ بوئے مشک ہو ایسی نہ نافہ تاتار جو بیٹیں آتی ہیں گلر و ترے پسینے میں

(۶) بیباک

کہ میر نجف علی نام دار و سید موسوی از اولاد حضرت موسی کاظم۔ اصل بزرگ
عربی است۔ از خدشت در سرکار کوئل مقام داشتند اگرچہ مولدش نیز کوئل است
امانہ سالہ در شاہجہاں آباد آمدہ بسن تیز درمیں جا رسیدہ قدرے تحصیل صرف فارسی
نمودہ بود کہ طبعتش لطیف طبابت مائل شدہ۔ الغرض در بست و دوسالگی مثل اطباء

دیگر علاج میکند چون موزون طبع افتادہ گاہ گاہ ہے سرے بفر شعر نیر دارد و ہر چہ گفتہ
ومی گوید از نظر فقیر گزرا نیدہ و می گزرا ندایں خند شعر از دست ۔

ہم کو لیل و نہار نے مارا گردش روزگار نے مارا
ایک تو آگے ہی تھے سوائی تپہ جوش بہار نے مارا
صبر کس طرح کیجئے بیباک اس دل بے قرار نے مارا

جب ہمارا وہ شوخ یار ہوا دل وحشی کو تب قرار ہوا
داد خوا ہوں سی گھر گئے رستے اس کا جس کو چہ سے گزار ہوا

بیباک کیونکہ پہنچیں گے منزل کو دیکھئے اپنی کھلی تب آنکھ کہ جب کارواں گیا

صیاد یہ ہوس ہے دل اندازیں گلیوش کر قفس کو مرے نو بہار میں
ملتے ہیں دل کو مثل خنایا نو کے تلے یہ رسم ایک نئی ہوتوں کے دیار میں
بیباک کو فی کھول کے دیکھئے تو اب آتش بھری ہوئی ہے ہائے مزار میں

جو کوئی تجھ پہ بستلا ہوئے^(۱) پھر کسی کا نہ آشنا ہوئے^(۱)

ہمیں تیری ہی ہر دم جستجو ہے کہ اپنا مطلب و مقصود تو ہے
اگر منظور ہے تم کو مرا قتل تو فدوی بھی تمہارا رو بہ ہے
گراب کے اٹھ گیا ہاتھ اپنا ماصح گریباں اور دامن میں ہے

کر خون ایک جہاں کا اور ہی جہاں بلا
یہ رنگ تو نے کیسا اے آسمان بدلا
مجلس میں اسکی ہم نے تہمت کے ڈر کے مارے
سو سو جگہ سے اٹھا اٹھا اپنا مکان بدلا

(۱) بقا

کہ بقا اللہ نام دارد پدرش حافظ لطف اللہ خوشنویس از اکبر آباد آمدہ بود و خودش
در لکھنؤ نشو و نما یافتہ پیشتر غمین تخلص میکرد و شعر فارسی می گفت و از نظر مرزا فاخر کلین
می گزرانید آخر آخر شوق شعر ہندی دامن دلش را فرا گرفته، در ایامی کہ وارد
شاہجہاں بود باشارہ شاہ حاتم بقا تخلص گزاشتہ حالانبت شعر فارسی بسوی خود
کمتر می کند و خود را یکے از ریختہ گویان می پندارد، شاہ مذکور مشائرا بیہ را بہ ہمین جہت
در سبک اسامی شاگردان جدید خود نوشتہ و طرفہ اینکہ شیخ مذکور در تذکرہ فتح علی خاں
حسینی تخلص کہ بر بھو جلا پہاڑی قیام دارند بطوع و رغبت خود خود را شاگرد میر درد
نویسانیدہ۔ در غزل و غیرہ تلاش بسیار می کند اما در قصیدہ خیلے بد طولی دارد
ہر چہ می گوید بسیار تلباش و علوم می گوید اما در گفتن غزل بطی است۔ با فقیر در رابطہ
آشنائی بسیار مربوط است بلکہ اکثر در شاہجہاں آباد چندے یکجا بودیم و شام نہاشت
باتفاق ہم می کردیم۔ غرض کہ جو این سراپا خلق و ظریف مزاج و قانع و بدش طبع خوش
بطرف جو بسیار مائل افتادہ در شاہجہاں آباد با میر و در لکھنؤ با مرزا معرکہ گیر بہا کردہ
و دقت طبع خود را ظاہر نمودہ۔ حالاً در لکھنؤ بکنج قناعت پاشکستہ اوقات بسر می میکنید
با فقیر گاہ گاہ ملاقات می شود۔ از دوست۔

رہ رواں کہتے ہیں جس کو جس محل ہر
موج سے بیش نہیں ہستی وہی کی نمود
کچھ تعین نہیں اس راہ میں جو لگیں واں
محنت راہ سے نالاں وہ ہمارا دل ہر
صفحہ دہر پہ گویا یہ خط باطل ہر
جس جگہ بیٹھ گئے اپنی وہی منزل ہر

آستیں شتر کے دن خون سے تر ہو جس کی
کھول دو عقدہ کو نین بقا کے پل میں
یہ یقیں جانو اس کو کہ مرا قاتل ہے
یا علی تم کو یہ آساں ہو اے نیکل ہے

ترے جو خیال یہ لب پہ آشکارا ہو
چمن میں لالہ نہیں تجھ کو دیکھ کر قاتل
کسی کے بخت یہ کا مگر ستار ہے
ز میں خون شہیدان فی جوش مارا ہے
بقا کی آہ نے اُس میں کبھی نہ کی تار
بتاں یہ دل ہو تمھارا کہ سنگ خارا ہے

تو نے اس طرح کالے چرخ گرایا ہم کو
وہ صورتیں جو پیش نظر تھیں سو مثل اشک
کہ موئے پر بھی کسی نے نہ اٹھایا ہم کو
یوں گم ہوئیں زمیں میں کہ ڈھوٹے نہ پایا

دست نامح نہ "مری جیب کو اس بار لگا
یار کو بھیجی خیر نالہ تنہائی کی
پھاڑوں ایسا کہ پھر اس میں نہ رہے مار لگا
مدعی کون کھڑا تھا پس دیو ار لگا

شب گزری اب لے سحر کے نالو
گرفتار کیا بستا کو خواباں
پھر چرخ پہ بر چھیاں سنبھالو
اس بات کو منہ سے مست نکالو
پنہاں ہی بھلا ہے خون عاشق
جانے دو اب اس پہ خاک ڈالو

اس بزم میں پوچھو نہ کوئی مجھ سے کہ کیا ہوں
لے عشق تو ہر خید مرا دشمن جاں ہو
جو شیشہ گرے سنگ پہ میں اس کی صدموں
مرنے کا نہیں نام کو اپنی میں بقا ہوں

رُخ اُس کا صفائی ترے تلودوں کی نہ پاؤ خورشید ہزار اپنے تئیں چرخ چڑھا ہے

آئینہ دیکھ جو کہتا ہے کہ اللہ رے میں اس کا میں دیکھنے والا ہوں بقا واد رہی

(۸) برق

تخلص میاں شاہ جیو کہ بسبب موزونی طبع اول بہیں غزل از خامہ فکش تراوید
جوان ظریف مزاج و شوخ طبع و سلخو ربا فقیر از قدیم الایام بسیار با اعتماد پیش می آمد
و چون تخلص فقیر گذاشته اند ادم از شاگردی ہم می زند ساز دوست -

یوں لاکھ ہوں دنیا میں تو کچھ کام نہیں ہے واللہ کہ تجھ بن مجھے آرام نہیں ہے
ہوئے دل پر مردہ مرا کیونکہ شکستہ ہے باغ میں گل پر وہ گل اندام نہیں ہے
کیا دھوم سے اُٹھ می ہے گھٹا ایسی ہو میں افسوس کہ ساتی دے و جام نہیں ہے
اے برق نہ جی اپنا جلایا د میں اُس کی کچھ خوب تو اس کام کا انجام نہیں ہے

حرف پ

(۱) پروانہ

پروانہ علی شاہ مراد آبادی کہ پروانہ تخلص میکرد و جوان شوریدہ سر و قلندر وضع بود
بنگ و شراب بہ شدت میزد و کسب شغل نفی و اثبات و غیرہ نیز را ہی داشت گاہ گاہ
از و کشف کہ اہل کمال را باشد شاہدہ کردم معرفت محمد قایم در سر کار محمد یار خاں کہ ذکر ایشان
گزشتہ او ہم در سلسلہ شعرا جاداشت و چیزے کہ موزوں میکرد از نظ ایشان می گزشتہ
و در شعرا زوست -

(۱۱) ن خ میں یہ شعر فاضل ہے۔ (۲) از و بخاطر است۔ (ن خ)

آج ثابت نہ رہو دل نہ کوئی جان درست
ہمت حضرت قائم سے اگر ہوا داد
اس کی مرگاں نے کئے پھر پروپیکان درست
چند ایام میں کر لیجئے دیوان درست

(۲) پروانہ

تخلص راجہ جسونت سنگھ عرف کاکاجی پسر راجہ بنی بہادر کہ رکن رین نواب
شجاع الدولہ مرحوم بود جوان خلیق و ذی شعور است۔ پیش ازیں شعر فارسی می گفت
و از نظر اے سرب سنگھ دیوانہ میگذرانید۔ چنانچہ اشعار فارسی اش پیش فقیر در شاہجہاں
بوساطت مرزا قنیل رسیدہ بودند در ہماں ایام داخل تذکرہ اول شدند اما در روز ہائے
کہ مولف از شاہجہاں آباد بہ لکھنؤ رسید چون غائبانہ ہمیشہ مشتاق ملاقات می ماند،
خبر آمدن ایں خاکسار شنیدہ بسیار بہ گرمی و تپاک پیش آمدہ و از ہماں ایام عطف عنان
فکر شعر فارسی بطرف ریختہ کردہ خود را شب و روز و گفتن شعر ہندی مصروف داشت
تا الی الیوم کہ عرصہ دو ازودہ سال شدہ باشد مشق او بسیار رسا و پختہ گردیدہ۔ و رفتن
قصیدہ و غزل طور مرزا رفیع را سلم میداد و اکثر بر صید معاینہ ہائے تازہ ہمت می گذارد
پیش از آمدن فقیر کہ ہنوز آغاز شوق او بود اعتقاد بہم رسانیدہ مثل میر تقی و میر حسن و
میاں تقار اللہ و غیرہ داشت۔ اکنون از تہہ دل بفقیر رجوع کلی دارد و درستی اشعار
درستش موقوف بر مشورہ ایں مجیدان با اعتقاد و افتادہ۔ اینہم خوبی اوست والا
شاعرش از پیچ صاحب طبعی در مرتبہ کمی نیست از دست۔

کھا تیغ نگہ جب ترے گھائل کو غش آیا
کھیا کیجے ہمد کہ اُسے دیکھ کے ہم تو
گو یا وہ دم نزع میں سبل کو غش آیا
ہر چند سنبھالے ہے پر دل کو غش آیا
ٹھیرا نہ کیا سامنے فاعل کو غش آیا

ایک دن دیکھانہ تو عاشق کی غمخواری کرے
کب زاکت گل کی سرگوشی کی نصبت دے
بیوفا تجھ سے کوئی کب تک فاداری کرے
جھوک جب بالی کی کانوں پر گرانباری کرے

دیکھتے ہی اُس کو چہرے پر بجالی آگئی
زعفرانی رنگ جو تھا اس میں لالی آگئی

تخلص میر ثبابت علی از شاہجہاں آباد و لکھنؤ آمدہ ^(۱) بود شاگرد میر نظام الدین

ممنوں گردیدہ - از دوست -

یارب نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی
شاید دل بے تاب کو تسکین ہو اپنے
دیوانہ بشیر آیا ہے ایدھر کہیں شاید
والبستہ ہے وہاں خاطر و گیر کسی کی
کھنچو اے رکھوں سینہ یہ تصویر کسی کی
پھر کھڑکے ہر اُس کو چہ میں زنجیر کسی کی

حرف التا

(۱) تاماں

میر عبدالحی ^(۲) تاماں کہ قصہ حسن یوسف ^(۳) و ز چار سوے مصر و ہلی شہرت
تام دار و جوانے بود شیریں شامل نہال قامت رعنائش در باغ لطافت از شیرہ جانہا
پرورش یافتہ و عبتی بود حور ازاد کہ لعبت باز پرودہ نیلگون آسمان دست صبر خدیں
عاشق قیاب را بیک کرشمہ و لفریش بر تافتہ - طبع موزونش حسن و عشق را یکجا ساختہ و
شیرینی گفتارش نہک بر زخم جگر ملیحان ہندا مذاحتہ اگر یہ زبانی شاہ حاتم در ابتدا شاگرد
شاہ حاتم است اما انچہ شہرت دارد و واقعی است نیست کہ بہ شاگردی محمد علی حنمت

(۱) شاگرد میر نظام الدین ممنوں از شاہجہاں آباد و لکھنؤ شدہ بود (ن خ) اس شہر میں (ن خ) تاماں
تخلص میر عبدالحی نام داشت (ن خ) کہ "تدارو (ن خ) (۲) حسن یوسف (ن خ)

کہ شاگرد محمد غنی بیگ قبول کثیر لیت بسیار بسر بردہ و حشمت تخلص محتشم علی خاں برادر
میر ولایت اللہ ولد میر باقی نیز بود۔ چون ایں ہر دو بزرگ نسبت شعر ہندی میلان طبع
بہ شعر فارسی بیشتر داشتند لہذا احوال ایں صاحبان در تذکرہ فارسی قسود یافتہ بعض
از ایں جملہ معترضہ تصریح احوال ہر یکے بنا بر رفع اشتباہ سامع بود۔ آدم بر طلب کہ اگرچہ
فقیر آن یوسف ثانی را بہ سبب نہ بودن در آن دورہ کہ در عین جوانی کہ گرگ جالش در ربوہ
ندید اما تصویر آن آفت جان در چاندنی چوک بر دوکان پارچہ فروش کہ مرقع
نصا ویر گوناگون داشت بلا خطہ رسیدہ و الحق کہ از دیدن آن معنی عین الیقین بشاہد
افتادہ ہر کہ ہر چہ در وصف حسن و جمال خوبی اعضائے آن و لفریب عالم گوید بجا است
دیوان رختہ اش مشہور است۔ از دوست۔

مری لوح تربت پہ یار و کھانا
کہ اُس سنگدل سے نہ کوئی دل لگانا
ز بس تیری مژگاں سے ہر محکومت
جہاں دیکھنا خار وہاں لوٹ جانا

رہتا ہر خاک و خون میں سد الوٹا ہوا
میں اپنے دل کو غنیمت تصویر کی طرح
تو دیکھ مجھ کو نزع میں مت کڑھ کہ تیری یا
ہر دم کروں نہ کیونکے گریباں کو انہی چاک
تا باں کے دیکھنے سے برامانتے تھے تم
مرے غریب دل کو آہی یہ کیا ہوا
یار بکبھی خوشی سے نہ دیکھا کھلا ہوا
مجھ سے بہت ہیں ایک نہ ہو گا تو کیا ہوا
آتا ہے یاد یار کا جامہ چسا ہوا
کھودی بہار خطائے تمھاری بھلا ہوا

جفا سے اپنی پشیمان نہ ہوا، ہوا سو ہوا
سبب جو میری شہادت کا یار سے پوچھا
نہ پائی خاک بھی تا باں کی سم نے پھر ظالم
تیری بلا سے مرے جی پہ جو ہوا سو ہوا
کہا کہ اب تو اسے گھاڑ دو ہوا سو ہوا
وہ ایک دم ہی ترے روبرو ہوا سو ہوا

یا کھائی میری استخوان بعد از فنا تو کیا ہوا
گریوں ہوا تو کیا ہوا اور دلوں ہوا تو کیا ہوا

سہریں مرے سایہ کیا گرے ہما تو کیا ہوا
دنیا کے نیک اور بد سر کچھ تاباں نہیں ہر غم مجھے

اس سبب دل ہی بہت آج پریشاں میرا

غیر کے ساتھ جو دیکھا ہے اُسے بال کھلے

وہ آب زندگی سوا اپنی بیشک ہاتھ دھو بیٹھا
کہ کچھ حاصل نہیں ہونے کا ساری عمر دھو بیٹھا

تعلق سے جہاں کے جو کوئی آزاد ہو بیٹھا
گلی میں اپنی روتا دیکھ مجھ کو وہ لگا کہنے

تو شمع صفت جسم بھی پانی ہو ہے گا
مانوں گا میں نا صحیح جو تو سب مجھ سے کہے گا
کیا جانے کس کس کا لہو آج سب ہے گا

ایسا ہی مرے اشک کا گر جوش ہے گا
جز ترکِ محبت کہ میں لاچار ہوں اس میں
میں خواب میں دیکھا ہر لگاتے اُسے ہندی

اہل جنوں کہ مہر گئے یاراں کو کیا ہوا
اُس رشکِ گل کو دیکھ گلستاں کو کیا ہوا
حیراں ہوں میں کہ گل کے گریباں کو کیا ہوا
بتلا کہ تیری زلف پریشاں کو کیا ہوا
پوچھا کبھی نہ تو نے کہ تاباں کو کیا ہوا

آئی بہارِ شورشِ طفلان کو کیا ہوا
غنجے لہو میں نظر آتے ہیں تہہ بہ تہہ
اُس جامہ زیبِ غنچہ دہن کو چمن میں دیکھ
آنے سے تیرے خط کے یہ کیوں ہو گرفتہ دل
روتے ہی تیرے غم میں گذر گئی ہوا اس کی عمر

بھر آ کے صبح کے تئیں ہم سے کہنا
کہ روزِ رات دن اور کچھ نہ کہنا

ہمیشہ رات گھر غیروں کے رہنا
عجب احوال ہی تاباں کا تیرے

تجلی (۲)

عرف میاں حاجی ولد میر محمد حسین کلیم جو انے است در فن ریختہ بے نظیر و منیر
میر محمد تقی میر دیوان ضخیم ترتیب دادہ و مثنوی لیلیٰ مجنوں را نیز بنائی خوبی نہادہ اکثر
مخمس و مسدس خوب خوب و غزلہائے بحر کامل از ور زبان شائقان زمان و شاہجہان
جاری است۔ عمرش قریب چہل خواہد بود روزگار در فرقہ سپاہ گری با تمیاز تمام کرد
ومی کند۔ با فقیر بسیار آشنائی داشت حق تعالی سلامت دارد ایں چند شعر کہ مشتی منو
انزواری درینجایا د باید کرد۔ از دوست۔

کئی دن سو روٹھ گئے ہیں وہ نہ پیام نہ سلام
کبھی پاس بھی جو ملاتے ہو تو نہ فرس باتیں سناتے ہو
جو یہی طرح رہی منشیس تو ہمارا کام تمام ہو
مرد صاحب آشنا تو جانے کوئی کیا تمہارا غلام ہو

طرب کا رنگ رخ گل پہ آشکار آیا
ترپ کے جان گل جائے گی ابھی صیا
کلی سے کھل گئے جو نہیں دگھلے غدا آیا
نکھو باغ میں پھر موسم بہار آیا
نہ بے قرار رہی دل کے تئیں قرار آیا
یہ سریہ تیغ ہو لے اب تو اعتبار آیا
کفن میں کھول دیں آنکھیں سنا جو بار آیا
یہ شوق دیکھو پس مرگ بھی تجلی نے

جب رات تھی دراز ملاقات کم ہوتی
ملنے کے دن جو آئے تو اب رات کم ہوتی

عشق میں کرتے ہیں بدنام تجلی کو عبث
وہ بچار اکبھی اس کو چہ میں آیا نہ گیا
(۱) زور بجائے روز (نخ)

یہ تار و دم ہر صورت باز کا رشتہ کہ ہر صورت چلے جاتے ہیں پرے میں لے کر ناچار جب چاہیں

(۳) تنہا

کہ محمد عیسیٰ نام دارد وطن بزرگانش شاہجہاں آباد و خودش در لکھنؤ تولد یافته عمرش
قریب بہشت و بہشت رسیدہ۔ جوان صلاحیت شعار و خوش اطوار از ابتدائے عمر بہ
موزونی طبع حیرت موزوں میکرد و حالاً رنجہ گفتہ می گوید و از نظر فقیری گذرانندہ دنیا
بسیار راست۔ شوق مرثیہ خوانی و گفتن سلام ہم دارد و روزگار و فرقہ سپاہ گری
بہر می نماید من کلامہ (۳)

غیر سے شکوہ مرا بس دیکھی و انانی تیری
اب نشماں ہوں کہ یہ کیا بات مجھ سے ہو گئی
میں ہوا رسوا تو کیا ہو گی نہ رسوائی تیری
رو برو غیروں کے کیوں میں نہ قسم کھائی تیری

حیران تھا کل وہ آئینہ یکبار دیکھ کر
میں وہ اسیر سیرچمن ہوں شکستہ بال
دل ہو وہ جنس بد جسے بازار و ہر میں
بلبل کو لیکے نکلا تھا صیاد کل کہیں
گلشن تلک پہنچے نہ پایا کہ مر گئے
تلوار پر نہ ہاتھ رکھو جان مر گیا
کچھ میں بھی رہ گیا اُسے لاچار دیکھ کر
روتے ہیں جس کو مرغ گرفتار دیکھ کر
مونہ پھیر لیوے اپنا خریدار دیکھ کر
شاید کہ خوش ہو یہ گل و گلزار دیکھ کر
چاک نفس سے باغ کی دیوار دیکھ کر
تنہا تمھاری ابرو سے خمدار دیکھ کر

آئے تو ولے آن کے اک آن نہ ٹھیرے
مجلس سے دیا تو نے اٹھا اپنی جو محکو
آغاز ہی میں ہو گئی دشت مجھے تنہا
میں کتنا کہا وہ کسی عنوان نہ ٹھیرے
شاید تری نظروں میں ہم انسان نہ ٹھیرے
اس فصل میں شاید کہ کریبان نہ ٹھیرے

ہو کر جدا وہ سب سے جب ہم سر آئے گا
بلبل کے توڑتا ہے کیوں بال پروانے
گو قافلے سے یار و تنہا رہا ہے پیچھے

البتہ اپنے دل کو تب کچھ مزا ملے گا
ان کا دشواریوں سے تجھ کو صیاد کیا ملے گا
دن تو ابھی بہت ہی کیا ڈر رہی جا ملے گا

مذکور لے چلا تھا شبِ منہشیں کسی کا
سینہ پہ ایک پرزا اب جیب کا نہیں ہے
تنہا رکھیں تو قلع کس بات کی کسی سے

جی میں خیال گزرا میرے وہیں کسی کا
دیکھا تھا ہاتھ میں نے بے آستیں کسی کا
ہاں سچ تو یہ ہے بھائی کوئی نہیں کسی کا

کرتا ہے ستم ہم پہ تو آسان سمجھ کر
مر جائیں نہ زندائی تری مائے خوشی کے
معموۂ دنیا میں یہ کثرت ہو کہ اللہ
کیوں ترک کیا اس کی ملاقات کو تنہا

ہم کچھ نہیں کہتے تجھے نادان سمجھ کر
تک کھو لیو ظالم درزندان سمجھ کر
آئے تھے اسے ہم تو بیا بان سمجھ کر
کرتا ہے جو کچھ بات تو انسان سمجھ کر

یہ تو فرماتے ہم آپ کا کیا لیتے ہیں
دل بھی کیا جنس زبوں ہے کہ خریدار آ کے
تھم کے بے وجہ ٹپتے نہیں بل تیرے
خاک میں دل کو ملا کہتے ہیں قیمت کیا دیا

آپ بے وجہ جو منہ ہم سے چھپا لیتے ہیں
لیتے ہیں پر اسے سو جا پہ دکھا لیتے ہیں
آبِ خنجر کا یہ رہ رہ کے مزا لیتے ہیں
چیرا کر لیتے ہیں تو پہلے چکا لیتے ہیں

اک آدھ کا ڈر ہم کو نہ دو چار کا خطرا

ہے بھلی تو تری خوئے ستمکار کا خطر

کوئی گل لئے گلشن سے جو دامن میں آیا

دل ہو کے لہو دیدہ گریان میں آیا

کیا کیجئے اے یار کہ اس دست جنوں سے
زندانیوں میں آج ہے اک حشر سا برپا
کیا تو نے کیا زہر کو کیوں کھا لیا تنہا

نقص بڑا اپنے گریبان میں آیا
شاید نیا قیدی کوئی زندان میں آیا
کیا بیٹھے بٹھائے یہ ترے دھیان میں آیا

رویا جو میں اک شب بت نادان کے آگے
لے دست جنوں چاہے تو کراس کے بھی پرز
بجلی کی چمک شعلہ جوالہ کا عالم
زنداں سے ہمیں عید کو اس نے جو نکالا
کچھ شعر پہ موقوف نہیں سُنئے ہوتہا

وہ صبح لگا کہنے ہر انسان کے آگے
اب باقی ہی دامن ہو گریبان کے آگے
ہے گرد و تری جنبش دامن کے آگے
ہم گر پڑے غش کر، در زندان کے آگے
گریات بھی کہتے تو بس انسان کے آگے

عجب طرح کی بہارانِ نون کسی پر ہے
کہا جو میں نے کہ ہم پاس اب نہیں آتے
چمن میں آگے جا ہی یہ کس نے لی نسیم
ادھر کو پھیر کے منہ پھیر بھی ذرا نہیں لو
نہ غافل اب ہو بارشِ ناصحی تنہا

نہ خود پر وہ لطافت ہر ناپری پر ہے
تو بولا وہ کہ یہ موقوف اپنے جی پر ہے
شگفتگی سی جو ہر گل کی یہاں کلی پر ہے
کہ جان اپنی غش اس آپ کی منہ پر ہے
بہوش باشش کہ عالم رواروی پر ہے

ہم سے کرتے ہو بیاں غیروں کی یاری آن کر
ہم کو آنے سے تمہاری بزم کے کیا تھا حصول
روٹھے پر میرے کیا لازم تھا ہو جانا خفا
طعن بدخواہاں سے تو اکدم نہ پاوے کا قرار
تھا اگر غش میں محبوں لیکن نکھیں کھل گئیں

رہ گئی ہو آپ کی یہ دوستداری آن کر
دیکھ لیتے تھے مگر صورت تمہاری آن کر
بلکہ کرنی تھی تمہیں خاطر ہماری آن کر
کی جو تیرے در پہ ہم نے بے قراری آن کر
سر پہ اس کے جس گھڑی لیلی پکاری آن کر

جس جگہ کشتہ کا ترے لاشہ تھا خوں میں پڑا
خوب سار و یاد ہاں ابر بہاری آن کر
میں بھی کیا برگشتہ طالع ہوں کہ نہارات کو
پھر گئی در تک مرے اس کی لوری آن کر

(۲) تصور

سید احسان حسین ولد سید حیدر حسین خاں از سادات زیدیہ متوطن قصبہ نیکوڑ
جوان صلاحیت شعار و خوش ظاہر است۔ مشورہ شعرا و میاں قلندر بخش جرات کردہ
و میکند و سلسلہ نسبش بحضرت امام زین العابدینؑ منتهی می شود۔ عمرش بست و پنج سالہ
خواہد بود۔ از دست۔

صد مہ غم متصل جب تیرے بیل پر رہو
ہاتھ اس مضطر کا ہر دم کیوں نہ پھر دل پر رہو

مرقد سے میرے ہاتھ قد مبوسیٰ کو نکلیں
روز اکہیں موقوف کریں میں مری نکلیں
لگ جائے تصور کے گلے آکے وہ بت آج
گر بعد فنا بھی وہ مرے خاک پر آوے
جب تک نہ تسلی کو دل آوے جگر آوے
اللہ کرے اس کی یہ امید بر آوے

مجھے بے تاب آنا دیکھ کر کوچہ میں یہ بولا
تصور گر بخوشی یار کی مجھ کوڑ لائے گی
بھلا کیوں ڈوڑوڑا تا ہی یہ کیا اس کی شناس
بہت گرمی کا ہونا منہ برسنے کی علامت

غیر کے دل کو کرو تم شادی تو نہیں چاہئے
ذکر شکوہ سے بھی میرا تم کبھی کرتے نہیں
اور مجھ پر اس قدر بیداد یو نہیں چاہئے
واہ کیا دل سے بھلائی یاد یو نہیں چاہئے

ہجر و وصال یار سے اپنا یہ ملک دل
ویراں ہوا کبھی کبھی آباد ہو گیا

ناصح تو کسی بت سے تو جا آکھ لڑا دیکھ
 کیا اُس کے تصو میں تری بن گئی صورت
 سُن میری نصیحت یہ تک اس کا بھی مراد کچھ
 لے آئینہ شکل اپنی تصو تو ذرا دیکھ

لے گئے یوں ترے کوچہ سے تصور کو لوگ
 جوں اٹھا دیں کسی بدست کو نیخانے سے

یہ کہتے ہیں طیب اگر سب بیمار پر تیرے
 ہیں آتا ہے رونا اب تو جان زار پر تیرے

گودہ گیا پر اپنی آنکھوں کے سامنے سر
 جاتا ہے کوئی اُس کی زنت سار کا تصو

خفا غنیم کی خاطر نہ ہوئے دوستاں ہرگز
 تصور مر گیا گھٹ گھٹ کے ظالم عشق میں تیرے
 کہ بستر پر سے ہل سکتا نہیں یہ ناتواں ہرگز
 ہوا ظاہر نہ اس کا آہ کچھ درد نہاں ہرگز

(۵) تسکین

میر سعادت علی جوان شائستہ و صلاحیت شعار است۔ دم از شاگردی میر تقی میر
 منت میزند۔ از دست

حال دل کہنے تو ہم سے وہ غنم رکنا ہو
 کس کا کوچہ ہو یہ یارب نہیں معلوم ہیں
 اور چپ ہے تو شکل ہو کہ دم رکنا ہو
 خود بخودیاں کے پہنچے ہی قدم رکنا ہو

(۶) تسلی

تخلص لالہ ٹیکا رام پسر گویاں رائے بخشی برادر خور و لالہ بھولانا تھ کہ خدمت دیوانی
 کچھری بخشی گری فوج نواب وزیر کی تعلق بایتاں وارد۔ جو اس نے است مہذب الاصل

خصوصاً بہ اہل کمال ہر فن بہ تو وضع و تنظیم پیش می آید وطن بزرگانش موضع کرہل قریب بہ آناؤ
 و خودش در لکھنؤ نشوونمایافت۔ چون از ابتدائی عمر ذوق موزونی شعر و نشین خاطرش بود
 حالاکہ بفضل آہی سن عمرش از بست پنج متجاوز خواہد بود شعر ہندی و فارسی بہ سلیقہ تمام
 می گوید اما در بند شہرت نیست۔ اکثر ثنویہا و دواوین اساتذہ جمع ساختہ و انتخاب زدہ
 نویسیائیدہ چنانچہ فقیر ہم یک دیوان فارسی و دو دیوان ہندی خود مع تذکرہ فارسی
 حسب الاشارہ نوشتہ دادہ و دیوان اول فقیر را در عالم مکتب نشینی کہ فقیر در آن روز با
 نوادہ این شہر بود از کمال اشتیاق آدم فرستادہ طلبیدہ بدست خود در عرصہ قلیل
 نقل گرفتہ۔ اگرچہ ذہانت طبعش چندان محتاج مشورہ نیست۔ اما احتیاطاً اشعار فارسی
 را از نظر مرزا محمد فاخر مکتب می گزرا نند و وہ پانزدہ غزل ہندی کہ گفتہ۔ مثالی آن ہو
 برائے فقیر داشتہ۔ غرض کہ با ہمہ خوبہا کہ دارد اخلاق ایشان بر زبان کہو مہ جاری
 است چنانچہ فقیر ہم در آن جملہ مرہون حسن سلوک این بلند اقبال است۔ حق تعالی ہمیشہ
 بر سید ایالت ذات شریفش را تسکین داشتہ۔ در سایہ حفظ خود نگاہ دارد۔ از دست۔

دیکھے سماں جو اس قرۃ اشکبار کا	ہو جاتے شوق جگر رگ ابر بہار کا
جس کے قدم تلے دل خباں تلے گھر	نہ کور کیا ہو اپنے دل خاکسار کا
فہمید والے کرتے ہیں دولت پر کھٹند	کیا استماد زندگی مستعار کا
آنکھیں سحر ملک مری در سحر لگی ہیں	کیا پوچھتے ہو حال شب انتظار کا

اب بھی اس نیم جاں میں کچھ ہے	فائدہ امتحان میں کچھ ہے
کیوں ستانا ہو دیکھ تو پیالے	اس دل ناتوان میں کچھ ہے

جو چاہے سلطنت اُسے ظل ہمارے	مجھ کو یہی ہوس ہو کہ وہ مجھ سے آٹے
-----------------------------	------------------------------------

دیتے اگر نہیں ہوتی کو تم کچھ اور بوسہ ہی ایک شعر کا اس کے صلاطے

تجھ سا جو بے وفا ہوا ہوگا
کیوں تسلی سے اب نہیں ملتے
اس کا عاشق نہ کوئی جیا ہوگا
غیر نے کچھ سکھا دیا ہوگا

گزر چین میں اگر وقت صبح تو نہ کرے
کوئی بشر نہ زمانے میں ہوئے گا ایسا
کوئی اڑانے سے باز آئے ہر صبا اس کے
جہاں میں اور تسلی کا کون پوچھے حال
نسیم پاس نہ جاگل کے اس کو بونہ کرے
کہ جس کے دل میں جگہ تیری آرزو نہ کرے
ہماری خاک کو جب تک کہ کو بونہ کرے
جو اس کے حال پہ لے یار رحم تو نہ کرے

تو نہ میری ہی جان ہے کافر
بھاگتا ہے ہرے تصور سے
دن پھر بے پھر مگر تسلی کے
تجھ پہ شیدا جہاں ہے کافر
کس قدر بدگمان ہے کافر
ان دنوں ہر بان ہے کافر

کیا پوچھتے ہو حال تم اس غم نصیب کا
میں تو یہی کہوں گا برا ہو رقیب کا

کب میں نے کہا پیار سے تم مجھ سے جدا بیٹھو
آتے ہی کہا تم نے بس مگر کو میں جاؤں گا
کیا جانے تمہیں کس نے یہ بات سکھائی ہو
ماں بھاجو تسلی نے اک بوسہ تو دو پیاسے
پہلو سے مرنے تک یہ پہلو کا لگا بیٹھو
آخر کو تو جاؤ گے اک دم تو بھلا بیٹھو
جب پاس سے آؤ تب منہ کو بنا بیٹھو
منہ پھر کے ظالم نے یوں منہ کے کہا بیٹھو

جب ہمیں دکھنا ہے بیٹھا گالی کیا خوب باسے اب آپ نے یہ وضع بھالی کیا خوب

بھلا اور تو مجھ کو دو چار کہہ جا
خفا کیوں ہوا بیوفا کہنے سے تو
دھڑکتا ہر جی کیونکہ میں تجکو چھوڑا
کیا ترک ملنا مرا کس سبب سے
تسلی سے کب ایسی باہیں تو کہتا^(۱)

برائے میں نہ مانوں گا کہہ یا کہہ جا
جفا کا رتو ہم کو سو بار کہہ جا
پھر آئے گا سچ مجھ سے عیاں کہہ جا
وہ بات آ کے مجھ سے تو کیا کہہ جا
کسی کے سکھانے سے لدا کہہ جا

دکھاتا ہر مہ حسن کا اپنے جلوہ
ترے لب سے غنچہ کرے ہنسی کیا
تسلی عجب بیوفا کو دیا دل

اگر تم بھی آؤ لب بام کیا ہو
ترے آگے گل نازک اندام کیا ہو
اس آغاز کا دکھیں انجام کیا ہو

عالم اس بت پہ مبتلا ہی رہا
اٹھ گئی دوستی زمانہ سے
زنسنی تو نے ایک بات کبھو
تم خفا ہی رہے تسلی سے

اُن میں فدی بھی اک فدا ہی رہا
آشنائی نہ آشنا ہی رہا
ہم کو اس بات کا گلا ہی رہا
اور وہ تم پہ نت فدا ہی رہا

میاں جو کچھ تری سچ و سچ میں زانی نکلتی ہو
ادا و ناز جو تجھ میں ہیں اور میں کہاں سیکر
صبا مذکور جب کچھ لے چلی ہے تیری زلفوں کا
خدا سے ڈر برابر ز اوروں کے تسلی کو

کہاں مرزا مزاجوں میں رہ عنائی نکلتی ہو
کہ تیری وضع میں کچھ اور زیبائی نکلتی ہو
چمن سے بوسے سنبل ہو کے سوائی نکلتی ہو
کہ تیرے عاشقوں میں میں کیانی نکلتی ہو

لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے
کسی مظلوم کو شاید کہ یہ مار آئی ہے
لوگ کہتے ہیں کہ گلشن میں بہار آئی ہے

تبھی یہ آفت یہ تھی پھر دل زار آئی ہے
خوں ٹپکتا ہے تری تیغ ننگہ سے ظالم
دیکھئے حال تسلی کا ہو کیا اب کے سال

یہ ہم تھے کہ منہ رکھ دیا شمشیر کے منہ پر
کہ بیٹی موت عاشق و لگیر کے منہ پر
رستم تو چڑھے اس بت بے پر کے منہ پر
وہ حسن نہ دیکھا کسی تصویر کے منہ پر
پھبتا ہے سخن مصحفی و میر کے منہ پر

کیا منہ جو کوئی آوے ترے تیر کے منہ پر
گو دل میں خفا ہو تو یہ اس بات کو ناداں
میرا ہی جگہ ہے یہ کہ میں سینہ سپر ہوں
جب سے تری تصویر لکھی کلک قضا نے
جانے دے تسلی تو نہ کر فکر سخن کا

حرفِ انا

(۱) ثنا

میرس الدین ثنا تخلص - بزرگانش اہل خطہ بودند و خودش در عظیم آباد مستولد شدہ۔

شاگرد شاہ مشاق طلب بود۔ کم کم فکر شعر کردہ۔ از دست

شب وقت میں تیری نالہ زاری ہوا میں ہوا
چمن ہر خندہ گل ہڑے دینا ہوا اور تو ہے
جھپکتی ایک پل نہیں نکھ بیدری ہوا میں ہوں
فناں ہر نالہ ہر فریاد ہر زاری ہوا میں ہوں

(۲) شاقب

میاں شہاب الدین درویشیے بود از سابقین۔ گویند کہ شعر خود را بہ میاں شاہ مبارک

آبروی نمود و نیز بخان آرزو مشورہ داشت "یک شعرا زو بہر سیدہ نیست" ^(۱)
 ثاقب کی نعش او پر قاتل نے آگے پوچھا یہ کون مر گیا ہے کس کا ہے یہ جنازہ ^(۲)

حرف اہم چوشش (۱)

محمد عابد چوشش تخلص پسر حسونت ناگر، گویند جوان قابل است و در عظیم آباد
 بسری برو فقیر اور اندیدہ و دو شعرا زو بہر سیدہ این است۔
 تھارے در پہ جو دریاں نے آستیں پکڑی بزمک نقش قدم ہم نے بھی زمیں پکڑی

جوں آئینہ یہ تم رسیدہ رہتا ہے مدام آب ویدہ

چوشش (۲)

تخلص رحیم اللہ جوانے است و رزش گیر۔ در ابتدا بہ شاہجہاں آباد در مجمع و
 ہنگامہ ہارینختہ بازی میگرد۔ چوں طبعش موزوں بود و از کلام اساتذہ دفتر ہایداشت
 آخر آخر خود ہم چیزے موزوں کردن شروع نمودہ رجوع برائے اصلاح آں فقیر
 آورده و چند سال کامل خود را درین شغل مصروف داشت حالاد کہ گفتن شعروت
 تمام پیدا کردہ۔ غزل درست بستہ بسرا انجام میرساند۔ بالفعل یک شعرا زو بخاطر است
 طرحی مشاعرہ فقیر و شاہجہاں آباد۔

دریامری آنکھوں سونت جاری ہوکا ہے بیدرو تو کیا جانے کیا زنگ کسوکا ہے

(۱) یک شعرا نخ نہیں ہوا اس کی جگہ صرف از دست ہوا (نخ) (۲) جنازہ (نخ)

(۳) جہاندار

تخلص شاہزادہ ولیعہد خورشید رکاب صاحب عالم خطاب کہ از بس علوم ہمت و
سمو منزلت مرتبہ عالیجائی خود را با موج افلاک رسانیدہ و دست دُربارش ہنگامہ ابر
نیاں را سرو ساختہ با وصف استغنائے مزاج کہ خاصہ بادشاہان است خود را کیب
علم و ہنر نیز مصروف داشتہ و کمالات بسیار در ذات بابر کا تش جمع آمدہ۔ معہذا
بمقتضائے موزونی طبع گاہ گاہے شعر ہندی و فارسی نیز می فرماید، از دست۔
کون سی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی
قصد ہر چند کیا کیئے کا بسل نے
دل سوز کی جہاندار تیرے تابفلک
پر جفا جو یہ تری نت کی لڑائی نہ گئی
ضلع نالہ کی مرے اُس سواڑائی نہ گئی
کونسی آہ تھی جو شل ہوائی نہ گئی

کہاں طالع جو پہنچیں اُس کے در تک
رسانی میرے نالہ اور دے مانے
بجھاؤں شمع ساں کیا اب جہاندار
رہیں دور ہی سے ہم اس کو ملز تک
کہاں پانی اجابت اور اثر تک
شرار عشق تو پہنچا جگر تک

میں تو سو بار ترے لئے کو آیا تنہا
شرک سے خالی کسی کا نہ نظر آیا دل
کس کو دعویٰ نہیں الفت کا تری عالم میں
بند کا کل میں ترے جی بھی ہمارا ہوا سیر
کل جہاندار ہم اور یا رتھے ملک مل بیٹھے
ایک افسوس کبھی تجھ کو نہ پایا تنہا
وہ بڑے ظرف ہیں جن میں تو سما یا تنہا
عاشقوں میں ترے میں ہی نہ کہا یا تنہا
دام میں زلف کے دل ہی نہ پھنسا یا تنہا
نخت ناسا ز نے پھر آج بٹھایا تنہا

وہ نوحط ان دنوں جو شوق جفا کرے ہے
 میں اور تیری نصیحت انوں یہ دخل کیا ہے
 بیار عشق اب تک جانبر بھی کوئی ہو اسے
 بچائے گا تو اک دن سنا ہو لے جہاندار
 صاف اپنا ہاتھ ہر دم مجھ پر کیا کرے ہے
 ناصح تو مجھ کو ناحق اب کیوں جفا کرے ہے
 تولے طیب ناحق میری دوا کرے ہے
 دیتا تو ہر دل اس کو لیکن برا کرے ہے

زلف آہستہ جو رخ پر یہ صنم رکھتے ہیں
 ٹھان لیتے ہیں وہ پہلے ہی سر اپنا دینا
 بواہوس تیغ جفا کا تیری روش کیا ہو
 ہر دم زلیست کے مانند ہیں ہر دم
 نہ جہاندار سا پاؤں گے جہاں میں عاشق
 روز اور شب کو باعجاز بہم رکھتے ہیں
 تیرے کوچہ میں جولے شوخ قدم رکھتے ہیں
 دعویٰ اب سینہ سپر کرنے کا ہم رکھتے ہیں
 ساقی ہم جب سٹیں تم اپنے میں رکھتے ہیں
 حیف ایسے پروا آپ ستم رکھتے ہیں

ہم نہ کہتے تھو کہ دل خواں کو دنیا خوب نہیں
 کیوں جہاندار آخرا ب تو بھی تو بچانے لگا

کون میکیش لے جہاندار آج گذر باغ میں
 ہاتھ میں ہر شاخ گل کے مے کا پیالہ دکھنا

نرگس کے انتظار میں یہ بے اہل گیا
 آنکھیں جو یوں کھلی رہیں اور دم گل گیا

(۴) جرأت

تخلص سخی مان است، قلندر بخش نام وار و دیکھی مان نام آبائی اوست بدیں
 جہت کہ خود را از اولاد بچے رائے مان می گوید واد شخصے گذشتہ کہ هنوز در محله متصل

(۱) اہستہ دن خ، (۲) نہیں دن خ،

چاندنی چوک جائے بود و باش او بود، بکوچہ رائے مان شہرت دارد۔ مشار الیہ از انقلاب
 زمانہ مع عشار و صغریٰ بہ پورب رسیدہ ہم اینجانشو نہایافتہ و جوان گردیدہ۔ از
 ابتدائے موزونی طبع مشق ریختہ پیش میاں جعفر علی حسرت کردہ کلام خود را بہ پایہ
 پنجگی رسانیدہ۔ چنانچہ الحال بقول جمہور از استاد خویش پائی کمی نمی آرد۔ و در شعر خود
 تلاش ماتیانہ بسیار می کند و یاس تمام از کلامش تراود و مزاحش بطرف مسلسل گوئی
 و غزل و غزل گفتن بیشتر مائل است۔ شاگردان بسیار بہر سانیدہ و معہذا و علم نجوم ہندیا
 و ستارنوازی نیز بہارتے دارد و حیف کہ چشمش در عین جوانی بہ یک ناگاہ نابینا شدہ۔

از دوست -

ہم کچھ اسیر ہوتے ہی خاموش ہو گئے سب چھپ چھپ چمن کے فراموش ہو گئے

میرزا اور اس کے جو پوچھو بٹ کیا کیا کچھ نہ تھا پردل اس کا پھر کیا ایسا کہ گویا کچھ نہ تھا

آئے جو میرے پاس تو منہ پھیر کے بیٹھے یہ آج نیا آپ نے دستور نکالا

ہمیشہ باتوں پہ تیری کیا کہوں ہر بار ہوں ہمیشہ کو اک قصہ لگا میں جان سی ہزار ہوں
 کوئی آئے کوئی جاوے منع کر سکتا نہیں ہوں تو میں در پر ترے پر صوٹ یوار ہوں
 دوست ہوں اس کا بھی جو ہوشمن جانی مرا وہ نہیں میں جو کسی کے در پے آزار ہوں

ہو گئے سنتے ہی ہم وصل کا پیغام تمام کام دل کچھ نہ بر آیا کہ ہوا کام تمام
 ایک دن کا ہو جو رونا تو کہیں جرات ہم یہاں تو رو رہے ہی کئے عمر کے ایام تمام

ہوا ہر اب تو یہ نقشہ ترے بیمار ہجراں کا
 نفس میں مصفیہ کچھ تو مجھ سے بات کر جاؤ
 کہ جس نے کھول کر منہ اس کا دیکھا بس وہی سمانا
 خدا جانے کرے گا چاک کس کس کے گریبان کو
 بھلا میں بھی کبھی تو رہنے والا تھا گلستاں کا
 اداسے اس کا چلنے میں ٹھالینا داماں کا

وصل کے دن بھی میں کانپ اٹھوں میں میٹھے میٹھے
 یاد آتے ہیں وہ صدے جو شب ہجراں کے

عزیز و وصل میں بھی ہم جو درد کر نہ سوتے تھو
 سواندیشہ تھارو زہر کا اس دن کو رستے تھو

سخت تجھ بن قلق اس دل کا سنا ہر مجھے
 یہ تو میں کیونکے کہوں کچھ نہیں بھاتا مجھ کو
 کہ بھاتا ہر یہ اور گاہ اٹھاتا ہے مجھے
 صحبت اب یار میں اور مجھ میں ہر جوں شعلہ ہو
 کچھ تو بھایا ہے کہ اب کچھ نہیں بھاتا ہر مجھے
 گلشن ہر میں جوں غار یہ ہر قدر مری
 جو جس میں اس کو بڑھاؤں وہ گھٹاتا ہر مجھے
 بس کے دامن سولگوں ہوں وہ چھڑاتا ہر مجھے
 بسے کچھ جذبہ دل نے تو اثر اس پہ کیا
 اب جو آتا ہے سو فردہ یہ سنا تا ہر مجھے
 منہ تے گھر کی طرف کر کے یہ کہتا تھا وہ شوخ
 اس طرف کو کوئی کھینچے لئے جاتا ہر مجھے
 زخم تازہ کی طرح چرخ کہن لے جرات
 ٹمک ہنسا تا ہے تو پھر خوب رلاتا ہر مجھے

پراز گو ہر سر شک چشم سے داماں تر پایا
 تری دولت سربس لے عشق ہم نے خوب چڑھایا

رتبہ گل بازی کا دلاکاش تو پایا
 ہاتھوں سے جو گرتا تو وہ آنکھوں سے اٹھاتا

دیکھ کر کل لیلے و محنوں کی وہ تصویر کو
 اپنے تنہیں دیکھے تھا کہ اور گاہ مجھ و لکیر کو

تپش سے غم کی اب اعضا تمام جلتے ہیں جو غم سے دل کوئی بدلے تو ہم بدلتے ہیں

ترے فراق میں جرات نے جی ویالے شوخ ہزار حریف نہ لی تو نے اس جواں کی خبر

غم بہت دنیا میں ہیں پر عشق کا غم اور ہر ہر اسی عالم میں لیکن اس کا عالم اور ہر

برہم کبھی قاصد سے وہ محبوب نہ ہوتا گز نام ہمارا سب مکتوب نہ ہوتا

جس سے پوچھا میں اس نے نہیں جان کر خوب عاقل اور دانا
جیتے جی کس کو کہتے ہیں مرنا ٹھک مجھے اتنی بات بستلانا
سن کے بولا وہ کھینچ کر دم سرد سچ کہوں تجھ سے دل کا لگ جانا

عجب انداز سہول زرم خواباں میں وہ آتا تھا کہ دل ہی دل میں اسے ہر کوئی قربان جاتا تھا

کیوں ہجرت کی رات آئی بستر پہ لٹانے کو پہلو سے تہی بس تھا کچھ یاد دلانے کو
یہاں پھونک دیا دل کو وہاں یار کو بھڑکایا نالے بھی قیامت ہیں کچھ آگ لگانے کو

جسے کہ موت خیالِ جالِ یار میں آئے تو پھر بجائے فرشتہ پری مزار میں آئے
پس از فنا جو ترے دل جلے کی خاک اترے تو مضطرب سا دھواں اک نظر غبار میں آئے

(۵) جولان

بہار علی شاہ جولان تخلص ساکن شاہجہاں آباد کہ پیش ازیں در عالم دنیا داری

رضائی نام داشت، عمرش قریب بہشتاد و نہاد بود۔ گویند در عالم جوانی در علم تیر اندازی
یگانہ روزگار بود۔ از دست ۔

کنج نفس میں دیکھ کے بے بال و پر مجھے
اے مصنفیر و چھوڑ گئے تم کہ مر مجھے

(۶) جوان

مرزا نعیم بیگ جوان تخلص، اشلش شاہ جہاں آباد اقامت در کوچہ چلیہ ہا۔ جوان حبیب
و خوش قامت و خوش تقریر و عظیم الشان و خندہ روئے ملازم خاص الخاص مرزا محمد سلیمان
شکوہ بہادر و ام اقبالہ۔ چوں از آغاز شباب طبع موزوں داشت، بسبب ہم محکمی و در پیمانی
آباد گاہ گاہے کہ اتفاق ملاقاتش می افتاد بسیار بہت پاک و نیاز مندی پیش می آمد۔ از یک
دو سال کہ دریں شہر فقیر باریاب مجلس حضور پر نور شدہ اورا برہان طریقہ راسخ الاعتقاد کی
معترف یافتہ۔ اگرچہ چنداں بگفتن شعر سر و کارش نیست اما چوں در موز و نمان شمر وہ
می شود لہذا پیش ازیں روز ہائے کہ در حضور مشاعرہ بود بموجب ارشاد والا بسلر انجام
غزل ہائے طرحی و غیرہ سعی بلیغ بکار برودہ بواسطہ معرفت سابق آنہا بہ نظر اصلاح مولف
می گذرانید۔ غرض کہ از ابتدا تا انتہا معتقد این خاکسار بے مقدار راست۔ خیالش بسیار
نفاستے دارد۔ از دست ۔

یہ خوبی قسمت کہ کوئی یار نہ پایا	پہلو میں دل اپنے کو بھی غمخوار نہ پایا
جب اور کوئی تجھ سا طرح دار نہ پایا	ظلم و ستم و جور سبھی ہم نے اٹھائے
پر ہم نے تجھے اس کا خریدار نہ پایا	ہم بیچے آئینہ دل تیرے ہی ہاتھوں
کوچہ میں ترے سایہ دیوار نہ پایا	از بسکہ ہوئی گرمی خورشید قیامت
مختل میں تری اُس نے مگر باز نہ پایا	شب و روئے کرتا تھا جواں تالہ و فریا

آج کیا ہو کہ جدا ہوتے ہیں مریگاں سولپٹ
شعلہ جاوے گا کوئی آپ کے ۱۲ ماں سولپٹ
اب جواں تو بھی تو اُس فتنہ خواں سولپٹ

جائیں تھے اشک توکل دیدہ گریاں سولپٹ
تربت سوختہ جانوں پہ نہ اس طرح پھرو
ساتھ ہر اک کے اُسے شوق ہوا بکشتی کا

تو رفتہ رفتہ جمع میں اک داستاں کروں
میں ضبطِ آہ کیونکے جھلائے جواں کروں

گر اُس کی سیوفائی کا شکوہ بیاں کروں
اُس سے تو اپنے حسن کا شعلہ چھپ سکا

کیا تاب ہو رستم کی جو اُس سے بسر آوے
مجھ تک مرے دلدار کی کیونکر خبر آوے
شاید وہ کلتا ہوا گھر سے نظر آوے

جب تیغ دسر لے وہ سپاہی پسر آوے
جیتا نہیں پھرتا ہے کوئی اُس کی گلی سے
اٹھ چل نہ جواں آج تو پھر اُس کی گلی کو

شاید کسی نے باتیں کچھ سمجھائیاں ہیں
نوجوہیں جنوں کی ہم پر کسی چٹھائیاں ہیں
مونہہ پر تمھارے چوہیں کیا سختائیاں ہیں
کیا روزِ نونوں سے اُس نے آنکھیں لڑائیاں ہیں
دو شاخیں ہیں کہ جھک کر ملنے کو آئیاں ہیں

یہ ان دنوں جو ہم سے اتنی رکھائیاں ہیں
لے عندلیب سچ کہہ کیا فصل گل پھرائی
کس بے ادب نے تم سے گل بازی کج کی ہو
دیوارِ ودر کی چھاتی سوراخ ہو گئی ہو
پیوستہ ابرو اس کی میں دیکھ کر یہ سمجھا

تو چاند شرم سے بادل میں منہ چھپانے لگے
حنائی ہاتھوں کو ملتا ہوا وہ آنکھ لگے
نہ ہونے یہ کہ مرے زخم سے ہوا نکلے

نقابِ اُلٹ کے جوشب کو وہ مرہ نقانے
مزا تو تب ہو کہ کشتہ کے اپنی تربت پر
تتاب نے اُسے ٹانگے کھڑا ہے کیا جراح

جو دیکھ کر درگوش اُس کا مر گیا ہوئے
کسی کو اپنی سفارش کے واسطے اس پہا
غزل جواں کی پڑھی جاتے جبکہ محفل میں
بجا ہے خاک سے گراس کی موتیاں نکالے
جو لیکے جاؤں تو اُس کا وہ آشنا نکالے
زبان اہل فراست سے مرجباں نکالے

چین نہیں ہر جی کو ٹمک آہ جگر خراش سو
ہوک اٹھے ہے ویدم مل میں عجب قمانسے

حرف الحاکما

(۱) حسن

میر غلام حسن حسن تخلص ولد میر غلام حسین صاحبک۔ وطن بزرگانش ہرات است
و خوش در شاہجہاں آباد تولد یافتہ و بہ عمرو و از وہ سالگی قضا اور اب طرف پورب افگندہ
بقیہ عمر در فیض آباد و لکھنؤ گذرانیدہ در سرکار نواب سالار جنگ بہادر یعنی بہ رفاقت
سردار جنگ خلف نواب موصوف ممتاز بودہ۔ چوں از اوائل عمر طبعش موزوں بود
اکثر خود را مشغول بایں شغل خطیر میداشت و شعر خود را از نظر میر ضیا الدین ضیا کہ در
اں ایام ایشان از مستعدان زمانہ دریں دیار بودند می گذرانید۔ بعد از اں کہ دور
دور مرزا رفیع شد و زبان ریختہ چنانکہ بود زیادہ بر اں دریں دیار رواج یافت۔
بحکم قوت میزہ قدم بر جادہ مستقیم اساتذہ سلم الثبوت یعنی خواجہ میر درد و مرزا
رفیع سودا و میر محمد تقی میر گذاشتہ کلام خود بر تہ پاکیزگی و شستگی رسانیدہ دیوان
ضخیم و ثمنویہاے متعددہ و رسالک نظم کشیدہ۔ خصوصاً در ثنوی آخر کہ سحرالبیان
نام دار و دید بیضا نمودہ الحق کہ کار کار را درست۔ قطع نظر از بلاغت شاعری زبانش

بیاربا فرہ و شیریں د عالم پسند افادہ تا زندہ بود با فقیر بیار را بطہ دوستی درست
داشت در عشرت ماہ محرم حلت اوست عمرش از شصت متجاوز خواہد بود فقیر تاریخ حلتش
چنین یافتہ تاریخ ۵

چوں حسن آب بلبل خوش داستان
بسکہ شیریں بود نقش مصحف
روازیں گلزار رنگ و بو بتافت
شاعر شیریں زبان تاریخ یافت

۱۲۰۱

از دست -

شبِ صہل صنم ہر آج لے ہمدم کسی ٹہی ہے
گریبانِ سحر کو ٹانگ رکھا دامنِ شب سو

صیاد کی مرضی ہے کہ اب گل کی ہوس یا
نالہ نہ کریں مرغ گرفتار قفس میں

ساتھ سوئے کو ہارے سیر آتے نہیں
مر گئے اس مہربانی پر قریب اور ہم جے
دل ہی اک پامال کر جانو ہوس دیکھا تھیں
جبے دکھی ہیں قبا میں گھنڈیاں گلگوں تھے
راتن بخود را کرتے ہیں اس کی یاد میں
جن سے چین آتا ہو جی کو وہ نظر آتے نہیں
جو نہیں دیکھ اس نے کہا مجھ کو ادھر آتے نہیں
تم کو آنکھوں پر سی کے پاؤں دھر آتے نہیں
شرم سے غنچے چین میں شاخ پر آتے نہیں
مدتیں گذریں حسن ہم اپنے گھر آتے نہیں

لے گرد با و طرف چین تک گزار کر
بلبل کے پر پٹے ہیں گلوں کے شمار کر

سب نقش اس فلک کے نگینے پہ آرہے
نقصہ میں جوش مارا جو دریائے حسن نے
دو دن کے چاؤ چور حسن کے بھی ہو چکے
کار جہاں تمام کینے پہ آرہے
جلوئے نزاکتوں کے پینے پہ آرہے
پھر رفتہ رفتہ اپنے قرینے پہ آرہے

دل اب تو بات بات میں پتا ہوا ہے حق کیا جانے اس میں کس کی نزاکت سما گئی

مرنے کے بعد گل کی ہواد ہوس کے بیج بیل کے پر بھی اڑاتے ہیں کنج قفس کے بیج

ہر دھیان جو اپنا کہیں لے ماہ جہیں اور آخر تو کہاں کوچہ ترا اور کہاں ہم میں خشر کو کیا رو کوں کہ اٹھ جاتے ہی تیرے تھارے زمیں تنگ زبیں ہم نے نکالی نکلے تو اسی کوچہ سے پرگم شدہ نکلے

جاتا ہی کہیں اور تو جاتا ہوں کہیں اور کرلیویں یہاں بیٹھ کے اک آہ خریں اور برپا ہوئی ایک مجھ پر قیامت تو یہیں اور رہنے کے لئے شعر کے عالم میں رہیں اور ڈھونڈے ہر حسن دل کو تو پھر ٹھونڈا دیا اور

کیوں ان دنوں حسن تو اتنا جھٹک گیا ہے ظالم کہیں تیرا دل کیا پھر اٹک گیا ہے

دی تھی یہ دعا کس نے مرنے ل کو اہی اُجڑے یہ گھرایا کہ پھر آباد نہ ہوئے

فائدہ آنے سے ایسے آکے پچپاے ہیں ہم اٹھ گئی جب یہاں کی گزری آہ تباہی ہم

آتنی جاگہ نہ ملی اور کہیں محکوک کیا میں ہوں آئینہ نوا پناہی تماشائی آپ تم تو لڑ بھڑ کے حسن دار سو بس ایک ہو

تیری خاطر سے میں آتا ہوں نہیں محکوک کیا تیری آنکھیں جو مجھے دیکھ رہیں محکوک کیا مفت میں میں نے باتیں جو ہیں محکوک کیا

دور سے باغ جہاں دکھلا کے دیوانا کیا متصل جانے نہ پایا میں کہ ویرانا کیا

دیکھتے ہی مے کے ساغر کا نہ کھینچا انتظار مارے جلدی کے میں اپنا ہاتھ پیا ناکیا

کب تنفس میں میں انھیں دیکھ پکارا نہ کیا ہمصفیروں نے پراپدھر کو گزارا نہ کیا
تا اشارہ کو سمجھنے نہ لگے غیر کے وہ میں نے اس ڈر کے کبھی اسکو اشارہ کیا

ابتدا سن کی اُس کے اور نئی تیری چاہ ہائے کیا دن تھے حسن اور زمانہ کیا تھا

(۲) حیران

میر حیدر علی حیران اصلش از شاہجہاں آباد است و عمرش در پورب گزشتہ و از بسکہ
اوقاتش صرف معاش دنیا داری شدہ و می شود۔ اکثر و شاعرہ بہ ہنگام خواندن غدر
کم مناسبتی طبع بہ شعر علی رؤس الاشہاد کردہ و الحق کہ در فرع نہ باشد چرا کہ این فن شعر
بے تعلقی بیارمی خواہد۔ الغرض تا این ہمہ حتی المقدور در تلاش معنی بیگانہ دار و و مزاج حرفیانہ
و ظریفانہ قطعہ آخر غزلش ضرب المثل اکثر سامعان است۔ و وضع خواندش نیز اگر چہ پسند
فقیر نہ آمدہ۔ بشاگردی رائے سرب سکھ دیوانہ تخلص کہ بندہ احوالش مفصل در تذکرہ فارسی
نوشتہ ام مشہور است و بگمان خویش شاعری خود را مغرور۔ مروپا ہی پیشہ است از چند
در سرکار راجہ ٹکیٹ رائے در سواران عز و امتیاز دار و بندہ اورادر لکھنؤ دیدہ ام
از دست۔

دم نکلتا ہے اب کوئی دم میں بیٹھ جا کچھ نہیں رہا ہم میں

کل جو حیراں کو میں دیکھا روتے بن گئی دو کھنی کی گھات مری

(۱) اور وہ زمانہ دن (خ)

اُن کی خدمت میں ادب سے میں نے
عرض کی دیکھی کرامات مری
میں نہ کہتا تھا کہ دل آپ نہ دیں
بندگی قبلہ حاجات مری

کیا اک خلق کو اُن ابروؤں نے قتل و حیراں
کہاں جاتا ہے وہاں تلوار پر تلوار پڑتی ہے

صنفِ مرگاں سے اس کی جنت تبتل جاتا ہے
وہ کیا تجھ میں نہیں جو دیر و کعبہ میں ہو تبتلا تو
سمجھتا ہی نہیں ہر چند حیراں سر ٹپکتا ہے
عبث کیوں لے دل بیہودہ تو در دھکتا ہے
جلا جاتا ہوں حیراں آتش عشق نہانی سے
بھٹا جاتا ہے دل اور جی پسند آسا چٹکتا ہے

(۳) حسن

خواجہ حسن تخلص ابن خواجہ ابراہیم نیمبرہ حضرت خواجہ کبھاری قدس سرہ الغریز از فرزندان
خواجہ مودود چشتی و روشنی است۔ صوفی مذہب اکثر مسائل صوفیہ ہا را کہ مراد از وحدت
وجود باشد بدلائل و براہین چنانکہ شیوہ صوفیان با فصل و کمال است از روئے نص^(۱)
و حدیث با ثبات رسانیدہ و در ریختہ موزوں ساختہ و دیوان ضخیم ترتیب دادہ۔ پیش
ازیں در بریلی استقامت داشت و بعد از اں در فیض آباد حالاً در لکھنؤ، نواب وزیر
و صاحب عالم بیار عزت و حرّش می کند۔ مشورہ بہ شعر و رابتدا بہ میاں جعفر علی حسرت کردہ
و تیرہ قلند بخش جرات دوستی داشت۔ از بسکہ با وجود ایں ہمہ بزرگی شوخ طبع و ظریف
مزاج و تماشادوست واقع شدہ سرے بہ نسوان ہم دارد و قدم در راہ طلسم و شعبہ بازی
نیز می گذارد۔ و در قطع ہر غزل آوردن نطق بخشی را کہ نام محبوبہ دوست سکون بخشی میداند
فرق تخلص میر حسن و ایں بزرگ بر ہوشمند^(۲) اُن از وضع کلام اش پیدا است۔ از دوست۔

(۱) کماری (نخ) (۲) فقہ و حدیث (نخ) (۳) نسخہ رخ میں تو نہیں ہے۔ (۴) دانشمندان (نخ)

تو وہیں سپرہن صبر تار تار ہوا
کہ دشمن آج ہر اک اپنا دوستدار ہوا

جھٹک کے ہاتھ سے دامن خفا جو یار ہوا
یہ دوستی نے حسن بخشی اُس کی کچھ تاثیر

اس طرف ٹک ٹک کے دیکھو گے تو کیا ہو جائیگا
کیا برا ہر اک بچارے کا بھلا ہو جائیگا

کونسا نقصان اس میں آپ کا ہو جائے گا
جاؤ گے گر جان بخشی کو حسن کی نزع میں

ہری پھر اسی گھر میں ملاقات کی صوت
یار ب نہ دکھانا مجھے اُس ات کی صوت
ٹک دیکھو اس کا فرید ذات کی صوت

جس جا کہ نہ بنتی تھی کبھی بات کی صوت
کہتے ہیں جسے ہجر کی شب سخت بلا ہے
کس رنگ ہر شیشہ میں جھک دھڑر ز کی

ورنہ یہ ارمان اس کو لے بتاں ہو جائیگا

جان بخشی کر حسن کی نزع میں اگر شتاب

ہم تو تھے محترے تو نے بھلا کیا دیکھا
میں نے اُس وقت میں بھی اسکا تماشا دیکھا

آئینہ دیکھ کے حیراں جو ہوا اتنا تو
وہ تو آیا تھا تاشے کو مرے نزع کے پر

پر میرے بخت خفتہ نے اس کو جگا دیا
میرا گھر اس دوانہ کو کس نے بتا دیا
راحت کا جو فرا تھا سو ہم نے بھلا دیا

پہنچا تھا ہاتھ چوری سورت اُسکے پاؤں تک
کوچہ میں اپنے دیکھ مجھے بول اٹھا وہ شوخ
بخشی حسن یہ لذت غم اس کی یاد نے

جس میں بخت جگر نہیں آتا

اشک اس کو نہیں سمجھتے ہم

(۱۱) اس کی بخشی کچھ تاثیر (ن خ)

یظف تیری کرم بخشی سے مرے صبا حسن نبیرہ خواجہ کھار نے پایا

(۲) حسرت

جعفر علی حسرت خلف الصدق ابوالخیر عطار کہ دوکان عطاری در لکھنؤ متصل اکبری دروازہ چیدہ جوان خوش خلق ولیم ولیم واقع شدہ۔ از مدت بسیار مشق سخن می کند شاگردان بسیار بہم رسانیدہ۔ فقیر اورا در مشاعرہ ہائے لکھنؤ دیدہ تا ایں مدت معاش بہ پیشہ شاعری بسر بردہ۔ آخر آخر چنڈے در سرکار صاحب عالم مرزا جہاندار شاہ ہم عز و امتیاز داشت چوں پدرش جہان فانی را پدر و در و نو کرئی صاحب عالم گذاشتہ خود بجائے پدر و دوکان نشیں گردیدہ بود کہ یک ناگاہ بہ ایماے بزرگے خرقہ در دیشی پوشیدہ و ترک لباس دنیائی کردہ کنج عزلت اختیار نمود۔ شعراے ایں دیار اورا از اول بہ اتادی قبولی کردہ اند۔ در قصیدہ و غزل^۱ و طولی دارد و خود مشورہ شعر بہ رائے سرب سکھ دیوانہ کردہ، چوں الحال شاننش مقتضی اقرار نمی شود قدری منحرف است۔ چندیں شعرا و نوشتہ شدہ۔

زخمی بے شمار ہے تیغ جفائے یار کا	کس کو کہوں میں جا کے آہ حال دل نگار کا
گراؤ دھرائے تو ایک صید ضعیف ہاں بھی	ہم نے سنا ہی تم کو ہے شوق بہت سکار کا
یار کو دور یوں ہیں چینک یا ہی غضب	ہم نے کیا تھا کیا گناہ گردش روزگار کا
رستے ہی اسکو گدے ہی سحر میں تیری رائدگ	حال میں کیا کروں بیاں حسرت یقینار کا

کس کی نگہ کا تیر لگا آہ کیا ہوا تڑپے ہے دل مرا اسے اللہ کیا ہوا

(۱) کہار (د ن خ) کمار (د ن ر) (۲) "چندے" نثار و (د ن خ) (۳) غزل وغیرہ (د ن خ)

(۴) گراؤ دھرائے تو لو ایک الخ (د ن خ) (۵) روز و شب (د ن خ) (۶) حال بیاں میں کیا کریں (د ن خ)

کوئی دم کی بات ہو کہ نہ تھا بے قرار دل
کیا آفت اس پہ آگئی ناگاہ کیا ہوا

حسرت کا حال پوچھے اگر یارے صبا
کہیو کہ دریا بھرے رورو کے مر گیا

بیاں کیا کیجے اس سرورِ رواں کے قیامت کا
ہوا کل پانی پانی دیکھ اے خاکِ چمن تجکو
ترولی کے ہلانے میں جی پیائے جی نہ اٹھتا میں
بلا ہے آفتِ جاں ہو نمونہ ہر قیامت کا
نہیں شبنمِ عرق ہے گل کے چہرے زینت کا
نہ ہوتا معتقد ہر گز سیما کی کرامت کا

بادِ خزاں تو باؤ ہے یا تیغِ آبدار
گلشن کا ہر شجر ترے آتے ہی چھٹ گیا

خدا حافظ ہو کیوں مغل میں اس کا نام آیا تھا
فلک اکدم بھی تو نے وصل کی شب کو نہ ٹہرایا
بہاریں بھول گئیں پر یاد ہو آنا کہ گلشن میں
نہیں معلوم کیا تھا جو سحر تک شمع رویا کی
ہوا البریزِ جامِ زندگی جس وقت اے حسرت
ترپنے سے اٹھی دل کو مرے آرام آیا تھا
یہ ساری عمر میں تجھ تک ہمارا کام آیا تھا
گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا
کچھ اپنا حال پر وانیہ سنا نے شام آیا تھا
دریغ اس وقت میں ساتی پلائی جام آیا تھا

حسرت نے تیرے بھر میں دڑ کے جان دی
بیرحم اس کے مرنے کا تجھ کو بھی غم ہوا

تجھ بن ہو اس طرح سے مرے دل کو اضطراب
دل دیکھتے ہی خنجرِ مرگاں سے بھر گیا
ہوتا ہے جس طرح کسی سہل کو اضطراب
ہوتا ہے سخت جنگ میں حایل کو اضطراب

(۱) یہی بجائے ”بھی اک“ (ن خ)

آشیاں چھوڑ چلے چمن آراہم تو توہی لیجا تو سر پر یہ گلستان اٹھا

آخر ترے غم میں مر گئے ہم
کل روتے ہوئے جو آلفاٹا
پڑھتا تھا یہ شعروہ تہ خاک
واماندوں پہ دیکھے کہ کیا ہو
بھڑنا تھا جو دکھ سو بھر گئے ہم
حسرت کے مزار پر گئے ہم
بس سنتے ہی جس کے مر گئے ہم
اپنا تو نباہ کر گئے ہم

کے منظور تھا یوں تلخ کیجے زندگانی کو
بصد خون جگر یک نظرہ مڑگاں تک پہنچا ہو
وے کیلئے کچھ حسرت بلائے ناگہانی کو
نہ بے بربادیوں لے چشم اشک از غوانی کو

تصور نے ترے ظالم ہیئت تک تفرقہ ڈالا
کہ ملنا ہو گیا دشوار اب مڑگاں سے مڑگاں کو

جوں لالہ بہار کر رہا ہے یہ سینہ داغدار اپنا

سارباں محل لیلیٰ کو اُدھر تک لے چل خاک مجنوں کی بھٹکتی ہے ریا باں کے پنج

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیدا کر دے
دل لینے کو اوروں سے بھی کہہ دیکھو بھلا کچھ
بے خوابی و حیرانی و طغیانی گر یہ
تاراج کیا صبر و دل و جاں پھر آگے
کہد یو صبا تک تو جو امان چمن سے
لو دل تمہیں ہم دیتے ہیں کیا یاد کر دے
لاویں گے بجا ہم تو جو ارشاد کر دے
سب آنکھوں پہ ہم نہیں گے جو امداد کر دے
کیا خاک ہے مجھ میں جسے برباد کر دے
فرصت ہے کسی دل کو اگر شاد کر دے

پانی کریں پتھر کو بھی حسرت کی یہ آہیں دل اپنا تباہ کب تنہیں فولا دکر وگے

ہر آن میں مڑگاں پر پختِ جگرِ تازہ یہ نخلِ محبت کا دیکھا مڑتا زہ
ہر دمِ دل سوزاں کا احوال ہر کچھ کا کچھ جو قاصدِ اشک آیا لایا خبرِ تازہ

کوڑیوں کے مول بچا مصر میں تو نے فلک ہائے اس لوحِ سیف کو جو تھا سارے کنگاں کی نشا^ط

ترے سامنے ہو یہ دل جان کیا ہے غضب ہی بلا ہے تری آن کیا ہے
کہا کرتے ہیں پھر نہ ملے گا اُس سے پر اس سے نہ ملنے کا امکان کیا ہے

(۵) حجام

عنایت اللہ حجام، مولدش قصہ سہارنپور پور^(۱)یہ است از مدت مدید در شاہجہاں
آباد پیشہ سرتراشی باقیاز بسری برو یعنی از بازار گردیدن و بردوکان نشستن مثل
سرتراشان دیگر عار کلی دارد و ہمیشہ خانہ نشین می باشد۔ چوں طبعش از ابتدا موزوں
افتادہ بود با وجود کم علمی شعر نمدی را بخوبی سرانجام می دهد و معنی ہائے نازک تر
از موسیٰ می یابد، چنانکہ در اکثر مشاعرہ ہامور و حسین و آفریں یاران بودہ۔ و در
مقطع ہر غزل رعایت پیشہ خود را از واجبات می شمارد و سامعان را بداراں مخلوط
می کند۔ وضع و شرف شاہجہاں آباد اورا بسیار دوست می دارند۔ ازیں جہت
ہمیشہ فخر شاگردی مرزا رفیع سودا می کند۔ و فخر دیگرش انیکہ دست بیعت بہ سلسلہ
چشتیہ پیش قدوۃ الاولیا و زبدۃ الاصفیا مولوی فخر الدین صاحب گزاشتہ، در حین
(۱) بساط دن خ، (۲) لکھنؤ کے نسخے میں یہ لفظ نہیں ہے۔ (۳) معنی ہائے تازہ (۴) ہمیشہ نثار و دن خ

حیاتِ آں بزرگ اکثر بہ اصلاحِ خطِ مبارک و بستنِ خضاب و تعطیلین یعنی روزِ شنبہ و جمعہ صاف
 می شد و از نِ زمان کہ ایں سعادتِ عظمیٰ از صحبتِ کیمیا فاصیتِ ایشان حاصل کرده بود
 قامتِ حالِ خود را بلباسِ مشائخانہ یعنی پیراہن و تاج آراستہ دار و ہم ازیں جہت
 در محلہ شہرچی گفتہ می شود و در مجلسِ سماع ہمیشہ در وجد و حالِ شریکِ یاران است و
 یکے از نظر کردہ ہائے آں وحیدِ زمان است بانہی از مدتے آشنائی داشت و بیا بفر
 پیش می آمد۔ عمرش تخمیناً از سی و پنج متجاوز باشد۔ قشش سال شدہ کہ در شاہجہاں آباد
 درگزشتہ از دستِ طرحی مشاعرہ فقیر در وہلی۔

ہر دم نظر آتے ہیں نئے یار تمہارے
 اک روز نصیبوں سے کہیں ہاں ہیں پنہوں
 ہول میں کہ اک ذرا آن آنکھوں سے یہ پوچھوں
 اُس شوخ کے کوچہ میں نہ جایا کرو حجام
 ہم جی چلے گریں یہی اطوار تمہارے
 پھر سر ہے مرا اور درو دیوار تمہارے
 جیتے نہیں کس واسطے یہاں تمہارے
 چھن جائیں گے اک دن کہیں تھیا تمہارے

فلک کے جوئے کے مائے ہوؤں سے یہ کوئی پوچھے
 رقیبوں پر میاں پڑتا ہوتا سو سو گھڑی ہاتی
 کہ ہوز ریز میں بھی دکھ میں یا آرام کرتے ہو
 بلا حجام کو جس روز تم حمام کرتے ہو

روزِ رخسار کے لیتا ہر مزے خوبیوں کے
 بہتر اس سے کوئی حجام مہر کیا ہوگا

اب تو حجام شیخ کی وارطھی
 تابہ موئے زہار گذری ہے

بسانِ ناقہ لیلیٰ کے اک دو گام غلط
 خدا کرے کہ ادھر بھی ترا سمندر کے

حجام پڑا سخت جیاناں کے پالے
کچھ اور تو کیا بات کہ وہ منہ سے نکالے
لگ چلتا ہوں اس شوح سے رستہ میں تو مجھ کو
جھنگلا کے یہ کہتا ہے کہ چل دو درجہ جالے

دیکھ عاشق کی ترے رسوائیاں
عشق کی یاروں نے قسمیں کھائیاں

(۶) خریں

از نامش خبر ندارم از دوریہ فردوس آرامگاہ کسی خواہد بود سے شعرش از عالم کتب
نشینی بیا دماندہ است

اس بی وفا کے عشق میں کچھ ہم کو جس نہیں
پاؤں تلک بھی اُس کے ہر ستر نہیں
دیراں ہوا خزاں سے چمن یہاں تلک کہ ہم
چاہیں کہ چل مریں تو کہیں خار و خس نہیں
اس قفلِ گل میں کیوں نہ گریباں کو کچھ جاگ
جاتی ہو یوں بہارِ حزیں ہائے بس نہیں

(۷) حیرت

میر مراد علی حیرت، طغش مراد آباد است فقیر اور اور آوان آباد می کٹیھر روئے
در آتولہ زیدہ بود۔ شعر را یہ پاکیزگی می گفت در یہاں ایام شنیدم کہ بطرف کوہ برے
کارے حسب ایامے رستے رفتہ بود کہ آفتاب زندگیش در یہاں کوہ رو بغروب نہادہ
از دست۔

نظر آیا یہ جہاں نقش بر آب آخر کار
تاج سر پرے گرا مثلِ جباب آخر کار
سادہ رویوں کی دلاہر و فاپرت بھل
منہ پر دیویں گے تجھ صاف جواب آخر کار

بجھ کے دیکھا تو بجا ہے سب گلا دل کا
کہ چشم تر نے ڈبویا معاملہ دل کا

یہ اشک و آہ ہر شورِ جنوں ہر وحشت ہر عجب جلوس ہر جاتا ہے قافلہ دل کا

یہ قافلے یاروں کے اگر کہیں ٹھہری ہیں آواز جبرس کم ہر یا کچھ نہیں بہرے ہیں

(۸) حاتم

شیخ ظہوالدین حاتم کہ شاہ حاتم گفتہ می شد، مولدش شاہجہاں آباد است۔ تاریخ تولدش بقولے از حرف ظہور می آید۔ ہمیشہ عمدہ معاش بودہ و اوقات بخوبی گزرانیدہ مرد سپاہی پیشہ از ہندوستان زایان قدیم بود۔ روزے پیش فقیر نقل می کرد کہ در سن دویم فردوس آرامگاہ دیوان ولی در شاہجہاں آباد آمدہ و اشعارش بر زبان خود و بزرگ جاری گشتہ باد و سہ کس کہ مراد از ناجی و مضمون و آبرو باشد بنائے شعر ہندی را بہ ایہام کوئی نہادہ واد معنی یابی و تلاش مضمون تازہ می دادیم۔ غرضکہ از شعرائے متقدنین است۔ در ایامیکہ فقیر در شاہجہاں آباد طرح مشاعرہ انداختہ اکثر بعد مغرب در مشاعرہ قدم رنجہ می فرمود و در مجلس نشستہ زمانہ سابق خود را می ستود۔ الحال کہ در دورہ از زبان ریختہ بسیار بہ پاکیزگی و عمدگی رسیدہ مشاراً الیہ ہم مرتبہ سخن تازہ گوینان نہمیدہ دیوان قدیم خود را از طاق دل افکندہ دیوان جدید بر زبان ریختہ گوینان حال ترتیب دادہ و دیوان زادہ نامش گزاشتہ اما بسبب طوالت عمر بعض مروج و در دست را کہ اشتباہ حاتم دویم می افتاد بر طرف کرد و بخود اشعار را ہم جدا جدا از سرخی بر سر غزل نوشتہ و ایں ایجاد اوست۔ و از نیکہ در درازی عمر و قدامت شعرا ز ہمہ پیشتر است۔ نغمہ سنجان حال و ضعیف و شریف اورا استاد مسلم الثبوت میدانند بلکہ او خود سامی کسانیکہ از اول تا آخر استفادہ شعرا ز و گرفتہ

اند۔ بر دوسہ ورق بطریق نہرست بر پشت سر لوح دیوان خود نوشتہ چنانیدہ تا معلوم کن
 گردد کہ حاتم این قدر شاگرد داشت و در آنجملہ اسم مرزا رفیع سودا ہم کہ باتفاق ہمہ یکے
 از سر آمد شعرائے ہندی گویان این دیار گزشتہ مسطور است و الحق کہ دروغ نیست۔
 قیاس استادش از نیجا باید کرد و نیز نابراں میر محمد تقی میر کہ شاعرے است جادو کار
 اکثر اورا در شاعرہ بطریق ظرافت و اہ الشعر امی گفت چوں دو چار جزو سودہ شعرا سی
 ہم بطور صائب داشت لہذا پیشتر ازین در تذکرہ فارسی احوال او معہ تاریخ خلقتش
 صورت تحریر یافتہ۔ عمرش قریب بہ صد رسیدہ بود و دوسہ سال است کہ در شاہجہاں آباد
 و ولایت حیات سپردہ خدایش بیا مرزا د۔ از دست۔

مضمون خطا کو دیکھ کر ہم بہت ڈرے
 پیری میں حاتم اب نہ جوانی کو یاد کر
 جتنے مسوئے تھے رہے طاق پر دھرے
 سوکھے درخت بھی کہیں ہوتے ہیں پھرے

رات میں خواب میں اس لف کو بچاں دیکھا
 نظر آئے ترے دندان مستی آلودہ
 صبح دم حال دل اپنے گاہ پریشاں دیکھا
 کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلمان دیکھا
 کوئی کافر نہ کوئی ہم نے مسلمان دیکھا

تو صبح دم نہ تھابے حجاب دریا میں
 پڑے گاشور کہ ہے آفتاب دریا میں

تو اذیت پیشہ دشمن سے بغل میں دل نہیں
 عکس سے ہے خون عاشق کے فلک و شفق
 دور ہو پہلو سے صحت کے مری قابل نہیں
 یہ تاشا ہے کہ رنگیں دامن قابل نہیں
 کس کو ٹانگے دیئے اور کس کا مرہم نہیئے
 کون ہر جو تیغ کا تیری سیاں گھائل نہیں

خوش حال اُن کا جن کو ہوئی رخصتِ حین ہم جہانک جہانک رختہ دیوار رہ گئے

تم تو بیٹھے ہوئے پہ آفت ہو اٹھ کھڑے ہو تو کیا قیامت ہو
دل تو چاہِ زرخ میں ٹوب موا آشنا تھا غسریں رحمت ہو
مفلسی اور دماغ اے حاتم کیا قیامت کرے جو دولت ہو

مجھے تو دیکھ کر کیا تک رہا ہے ترے ہاتھوں کلیجہ پک رہا ہے
خدا کے واسطے اس سے نہ بولو نشہ کی لہر میں کچھ بک رہا ہے

(۹) حشمت

مختتم علی خاں حشمت پسر میر باقی اصلش از شاہجہاں آباد است بشرفارسی را بیا
بہ لطافت می گفت و گاہ گاہ خیال ریختہ ہم داشت۔ ایں مطلع دلیل بر لطافت طبع است۔
نگہت گل نے جگایا کسے زندان کے پنج پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے پنج

گور کے سوتے دو انوں کو جگاتی ہے بہار شورِ غل ہے قیامت مست آتی ہے بہار
حشمت اپنا درد دکھ تو اس برس منظرِ سوا کہ ہم نے کی ہے تو بہ اور دھومیں مچاتی ہے بہار

(۱۰) حیف

میر چراغ علی حیف شاگرد میر شیر علی افسوس، جوان خوش خلق و باتواضع است
ایں چند اشعار از دوست۔

ملنے بھی نہ پائے اُس جوان سے حسرت زدہ ہم چلے جہاں سے

گو آپ نہ آئیے و بس کن
 کافی ہے ترا ہی دید^(۱) ہم کو
 ہر دور شراب بیکہ ساتی
 لے راہرو و مری زبانی
 رستے میں تھکا ہوا پڑا ہے
 کیا پوچھے ہر حیف کی حقیقت

اقرار تو کیجے زباں سے
 کیا کام بہار و بوتاں سے
 ڈرتا ہوں میں دورِ سماں سے
 کہنا یہ پیام کا رواں سے
 اک شخص تمہارے ہر ماں سے
 ناشاد کیا وہ اس جہاں سے

وہ ہر جہاں تاب اگر بام پر آوے
 کہتا ہے اسے بال کوئی کوئی رگ گل
 ہر اپنے تو نزدیک و فاقوب^(۲) و لیکن

تا بندگی تیرا عظم نظر آوے
 کچھ میں بھی کہوں تیری کمر و نظر آوے
 ہو خوب جو تیری بھی طبیعت اُدھر آوے

(۱۱) حضور

لالہ بال مکند حضور تخلص شخص کہنہ مشق است۔ ہمیشہ در مشاعرہ ہائے شاہجہاں آباد
 حاضری شد۔ حلقہ شاگردی خواجہ میر درد و گردن دار و فقیر اور ایک دو بار در لکھنؤ
 ہم دیدہ نقل است کہ رونے در شاہجہاں آباد بجانہ لطف علی خاں ناطق مشاعرہ بود
 غزل طرحی میر صاحب کہ رویش بعد قافیہ حرف اور معنی طرف تقرر داشت۔ و ازین جهت
 بعضی از فصحا اور اخلاف اردو و ثمرہ پرورش نکردند و اکثرے اطاعت استادش کردہ
 اشہب فکر را در میدان خیال دو انیدہ۔ مشاء^(۳) الیہ کارے کردہ کہ پیش ہر دو گر خفت
 عقلش عاید حال نگشتہ یعنی در آل غزل طرحی شعرے طرف خواندہ و آل اینست
 رکھتا ہوں میر صاحب و قبلہ سی میں^(۴) بند

یہ جانتا نہیں کہ زباں ہی کہاں کی اور

(۱) مجھ کو دن (خ) (۲) داو ندارد دن (خ) (۳) لطف دن (خ) (۴) نہ کروہ بودند دن (خ) (۵) بند دن (خ)

وفا کو تم جفا سمجھے، ستم کو ہم کرم سمجھے اُدھر کچھ دل میں تم سمجھے اُدھر کچھ دل میں ہم سمجھو

چلے ہو تم جواب اُس بت کو ساز کرنے کو حضور پاس بھی کچھ ہے نیاز کرنے کو

حکیم (۱۲)

محمد پناہ خاں حکیم کہ پیش ازین نثار تخلص میکرد و حالا از چندے تبدیل تخلص کرده بجای نثار حکیم قرار داده ولد سید محمد شریف خاں لک بخش بقولش سید صبح النوب است از حضرت ظل سبحانی در سنہ سہ بخطاب خانی منصب ہزاری سرفراز شدہ۔ جوان خوش خلق و خوش اختلاط و عاشق پیشہ و دل برد در سیدہ دیدش تاکہ در شاہجہاں آباد اقامت داشت اکثر در مشاعرہ ہائمی آمد۔ بلکہ در سفر لکھنؤ با فقیر ہم سفر و ہم قافلہ بود۔ باز بہ شاہجہاں آباد رفت و باز گردید۔ در علم موسیقی و عمل تکبیر و عبور کتب تواریح و طب و سیر و دوا وین اساتذہ و تذکرہ ہائے سلف یگانہ روزگار است۔ از آنجا کہ بہ شاگردی خواجہ میر درد نسبتی دارد شعور و روح می گوید و تلاش عاشقانہ می کند۔ از دوست۔

یہ دل کیا ہے جو تیرے قربان جاوے	سعادت ہوا اپنی اگر جان جاوے
خلل شیخ نے ہم میں آکر کیا ہے	الہی یہ مجلس سے شیطان جاوے
حکیم اُس کے کوچہ میں پوشیدہ جانا	مبادا کوئی تجھ کو پہچان جاوے

پوچھتے کیا ہو حکیم جگر افکار گھر ایک تکیہ سا ہوا اس شوخ کی دیوار کے پاس

یہ کیا ہے آپ بھی شاید کسو کو چاہیں ہیں کہ اشک بھیس ہیں آنکھوں سے ہر دم آہیں ہیں

واشد سرجو گویائی پہ وہ غنچہ دہن تھا
پامال جو تم کرتے ہو دل ایسی روش سر
خواہید کی طالع کہوں کیا کہ شب وصل
کیونکہ نہ جلے حال پہ دلی کے دل اپنا

گل جھڑتے تھے ہر بات میں یہ لطف سخن تھا
اے سرقداں آگے بھی کیا بڑھیں چلن تھا
میں قصہ دل کہتا تھا وہ نیند میں غن تھا
یارو یہ خرابہ کبھی اپنا بھی وطن تھا

گرفتار اس کے ہر مو میں دل گبر و سلمان ہے
یہ کھلایا ہوا سنبل ہر یازلف پریشاں ہے

آنکھوں سے نخت دل یوں آنسو نکال دے
مرے کو جس طرح سو پانی اُچھا لے دے

تیرے لئے خلق در بدر ہے
یہ کیونکہ کہوں کہ آئے یہاں
جو اس کے ستم اٹھائے ہر تو
اے خانہ خراب تو کدھر ہے
تشریف جولائے تو گھر ہے
تیرا ہی حکیم یہ جگر ہے

نہ ہم ہی غم سے جل اس شعلہ رو کے خاک ہوئے
ہر شک دستہ گل کیوں یہ آستیں تیری
بہت دنوں میں ملاقات ہوئی جو اس حکیم
اجل رسیدہ ہزاروں یوں ہی ہلاک ہوئے
سر شک خون تباکس کے اس سو پاک ہوئے
سنیں تو ہم بھی کہ کیا کیا بہم تپاک ہوئے

جمعیت عالم ہر پہنے میں بندھی جس کے
کہتے ہیں حکیم آیا منجانہ سے مسجد میں
آفت ہوا اگر یارو وہ زلف پریشاں ہو
ہم کو تو تعجب ہے وہ گبر مسلمان ہو

دے چین ٹک توجان کو جوش شکست زنگ خاطر یہ پہاں گراں ہر خروش شکست زنگ

جی ہی جانے کی یہ علامت ہے دل کا لگنا نہیں قیامت ہے
ہم تو کیونکر کہیں کہ بوسہ دو گر عنایت کرو کرامت ہے
دور مت کیجئے حکیم کے تئیں اس کو مشفق بڑی قدیمت ہے

ملک عدم کے یاروں کا احوال نہ کچھ دریافت ہوا
پوچھی خبر کہلا بھی بھیجا سینکڑوں آتے جاتوں سے

(۱۳) حقیقت

میر شاہ حسین التخلص بحقیقت شاگرد جرات وطن اجدادش بلخ و خوست است
و خود در بریلی تولد یافتہ و بہ لکھنؤ بہ بن تیسر رسیدہ۔ یکے از اجدادش تعلیم کو دکان نواب
محبت خاں اشتغال دارد، غرضکہ ملا زادہ و خوستی بچہ است پیش ازیں در ترک
سواران نوکر بود در آل روزہاے امروی و نوشتی اکثر بہ کتابتہاے غزلہاے استاد
خویش کہ بہ سبب کوری از نوشتن معذور است مصروف می ماند۔ چوں رسالہ ایشان
بر ہم خورد امام بخش خاں کشمیری کہ با وصف جاہلی از مدتے خیال جمع کردن اشعار اساند
در سرداشت روزے از جرات درخواست شخصے کرد کہ ہم تعلیم کو دکان متوجہ شود
و ہم بہ نوشتن تذکرہ مصروف باشد۔ مشار الیہ اور آوردہ روبرو کرد و منت بر طرفین
گذاشت۔ غرضکہ حسب الاشارہ مومی الیہ و بہ پشت گرمی کو رصولی کہ بہ سری من
می میرد و در باطن ہمیشہ تخم کنیہ می کار داد ہم تذکرہ نوشتہ درست ساختہ است اما

طرفہ انست کہ خان مذکور پیش ازیں روزی بر مکان فقیر آمدہ بالبحاح تمام مسودہ خام تذکرہ
 مرا کہ دریں مدت بہ بیچ کس نہ نموده بودم از من طلب نمود۔ من ساوہ دل غافل از فطرت
 و بد ذاتی کشمیران سابقہ معرفت شاہجہاں آباد آدمیت را کافر مودہ اجزائی مسودہ تذکرہ
 خود را حوالہ کردم۔ در عرصہ یک دور روز خفیہ از من اشعار و احوال شعرائے دہلی و غیرہ
 کہ من بہ محنت تمام آنہا را بہم رسانیدہ بودم از دست حقیقت بے حقیقت نقل کنانید و
 دیگر یاض و چنگ^(۱) مرزا جہاندار شاہ کہ بعد فوت ایشان پیش او مانده بود چیزے از و چیزے
 از جاسے دیگر اخذ نمودہ ہر گاہ مسودہ تذکرہ بے مغزش کہ آنرا ہیج و امانہ پسندونی اچلہ
 صورت گرفت۔ روزے یکے از آشنایان جز و اول آل مجموعہ آوردہ من نمود غافل ازین
 مقولہ کہ گفتہ اند شعر پیہ آب دادن نشاید پیش + کہ بنید در قطرہ خون خویش۔ چوں رو
 نظر کردم دیدم کہ ہمیں تخلص آفتاب و آصف بطور تذکرہ من در نوشتہ است۔ بسیار بہم
 شدم تفحص احوال کردم۔ اشارت الیہ حقیقت تذکرہ نویسانیدن امام بخش خاں بکوش من
 رسانیدہ اگرچہ مراد راوی النظر از حرکت ایں اصحاب^(۲) ثلاثہ آزدو گئی کمال بہر سیدہ بود^(۳)
 قریب بود کہ ہجواز من سر زندا ماچوں بعبارت پوچ و غلطی احوال و اشعار شعرا کہ در آل
 جریدہ سمت تحریر یافتہ نگاہ کردم آسودہ شدم و در گزشتہم و برہیں قطع طبع زاد خود یک بیت
 مولانا نظامی اکتفا کردم

قطرہ

جانتے ہیں سب کہ اک مدت سوہاں
 تذکرہ یہ جو حقیقت نے لکھا
 مصحفی کے تذکرہ کا شور ہے
 بے حقیقت مصحفی کا چور ہے

(۱) چنگ بجنہ (ن خ) (۲) "درو" ندارد (ن خ) (۳) ازیں حرکت بجائے از حرکت (ن خ) (۴) ایں اصحاب
 ثلاثہ "یہ عبارت ندارد (ن خ) (۵) بود ندارد (ن خ)

اگر بفروزی چومہ صد چراغ ز خورشید باشد بر و نام دانع
 فرض کنکہ جائے علی قلی خاں خالی است۔ از دست۔
 کس کے میں انتظار میں آنکھیں جو کھلی ہیں قرار میں آنکھیں
 نہ خفا ہو جو تک رہوں پیالے کہ نہیں اختیار میں آنکھیں

کیا ترے عشق میں لے عہدہ جو ہاتھ لگا زیت سے ہاتھ بھی دھویا پہ نہ تو ہاتھ لگا

ہجر میں کیوں نہ کروں یاد ملاقات اسکی کہ بہلتا ہوں دراصل کی تقریر سے دل
 سخت اس کا ہو تعجب کہ حقیقت اس کا نرم ہو جائے مری آہ کی تاثیر سے دل

غم عشق دل کو جلائے گیا اک آتش سی تن میں لگائے گیا
 حقیقت وہ کھینے جدھر تیغ تھا ادھر میں بھی سر کو جھکائے گیا

حرفِ انا

(۱) خاکسار

میر محمد یار خاکسار تخلص کہ الحال بہ شاہ خاکسار شہرت دارد در روشی است قلندر
 وضع و آواز ادبش در شاہجہاں آباد متصل قدم شریف در چوراہہ می باشد فقیر اورا گاہ
 گاہ ہے از دور دیدہ۔ عالی دماغی از بشرۂ اولوہ ظہور میدہد۔ از ہندی گویان قدیم
 است۔ گویند کہ میر تقی میر در عالم شباب منظور نظر او بودہ۔ چوں زبان خوشی دارد
 چند اشعارش از تذکرۂ میر حسن صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ نوشتہ شد۔ از دست۔

تیغ قاتل سے رہے محروم بے تقصیر ہم روزِ محشر کے اٹھیں گے گورے دلگیر ہم

قیامت بھی ہوگی تو میری بلا سو مجھے داد خواہی کی طاقت کہاں ہے
شانہ اُس پر نہ کیجیو حجام تار اُس زلف کا رگ جاں ہے

رونے سے خاکسار کے سوتا نہیں کوئی اس خانہ خراب کو چنگا خدا کرے

(۲) خلق

میرا حسن خلق خلفِ میرن صاحب، جو انے است خوش ظاہر و باہم و حیا بختِ بخت
موز و فی طبع کہ موروثی است کم کم خیالِ شعری کند و از نظر پدید بزرگوار خود میگذرانند۔
عمرش تا امروز تودہ سالہ است۔ از دست۔

دل میں تھا آتے ہی اُسکے جائیں لگا غوش ہم جب وہ آیا سامنے تب ہ گئے خاموش ہم

عجب عالم میں بے ہوشی کے وہ مجھ کو نظر آیا کہ اتنا بھی نہ آیا ہوش جو پوچھوں کہ ہر آیا
گلی میں اس کی ہیں کس کس توقع پر گیا لیکن نہ دیکھا جا کے وہاں اس کو تو آہ سرد بھرا آیا

دل لگاتے تو لگایا یہ نہ تھا کچھ معلوم جی یہ کیا گذرے گی اور جان یہ کیا ہو دیکھا
بے قرار می ہیں کٹی رات تو یہاں اپنی تئیں چین سے زلف میں دل کیونکہ رہا ہو دیکھا

اک بار اس کے کوچہ میں جانا ضرور ہے یہ حال اپنا اُس کو دکھانا ضرور ہے

مدت سے تیرے طالب دیدار میں صنم کھڑے سے ٹک نصاب اٹھانا ضروری

وہ ہلال ابرو کل کر بام سے جاتا رہا
گل کے آنے کی خبر بھی اب صبا لاتی نہیں
اک جھلک دکھلا کے مجھ کو شام سی جاتا رہا
موسم گل شاید اس ایام سے جاتا رہا

مزا ہوئے ابھی گردہ ادھر ادھر سے آنکھ
نہ وہ آتا ہر میرے ہاں نہیں جا سکتا ہوں تک
کچھ ایدھر سے گلانے کچھ ادھر سے گلانے کھلے
دل ناشاد کی حسرت کہو کیونکر بھلانے کھلے

رباعی

آئے ہیں عدم سے چپکے روتے ہیں پٹے
لے خلق خوش احوال انھوں کا جو وہ
دودن کی یہ زیست سوکھوتے ہیں پٹے
آرام سے زیر خاک سوتے ہیں پٹے

(۳) خلیق

میر حسن خلیق برادر خور و میر حسن نیز از شانزدہ سالگی شوق شریذ پیدا کردہ چیزے خیال
خوش موزوں می کرد و درست و نادرستش را والد بزرگوارش برائے پاس خاطر سپرد
کردہ میداد اما آنہم در عالم خوردی زیادہ از ذہنش معلوم می شد چوں در آں ایام فقیر
تازہ دار و ایں شہر بود مشاڑ الیہ بعد ملاقات چند بسیار مخطوط شدہ پراسے از دیاد بنائے
خلت و و داداں عزیز را پیش من فرستاد و آموختہ کرد کہ ایشان دریں فن نظیر ندارند^(۱)
اکنون کہ فرصت وقت است تا میتوانی چیزے از ایشان بیا موز۔ مومی الیہ اتقیا و امر
والد ماجد را واجب شمرده بر ہمنوی شوق روز افزوں اکثر حاضر می باشد و مشورہ شعر
از من میگرفت۔ بندہ مناسب طبعش شعر در یافتہ در ہاں ایام گفتہ بودم کہ اگر زمانہ

(۱) یک دن (خ) (۲) بعد شدہ "لفظ بود" (ن خ) (۳) بے نظیر اند و نظیر ندارند (ن خ)

فرست خواہد داد خوب خواہد گفت - از دست - (اشعار ایام خوردی - ر)
 جس گھڑی تم کو نہیں پاتے ہیں ہم
 جی ہی جی میں اپنے گھبراتے ہیں ہم
 سر جھکا لیستاب لالہ شرم سے
 جب جگر کا داغ دکھلاتے ہیں ہم

اشک جو چشم خوں قشاں سے گرا
 تھا ستارا کہ آسماں سے گرا
 آتش گل پہ جل کباب ہوا
 رات بلبیل جو آشیاں سے گرا
 شیشہ دل تو چور ہو جاتا
 کوئی پتھر نہ آسماں سے گرا
 میں نے آنکھوں سے لے لیا اس کو
 پھول جو دست باغیاں سے گرا
 ہنس دیا یار نے جو رات خلیق
 کھا کے ٹھوکر اس آستاں سے گرا

کہا جو میں نے اسے گل کچھ وفا کر
 تو وہ ہیں ہنس پڑا وہ کھل کھلا کر

نزع میں گرمی بالیں پہ تو آیا ہوتا
 اس طرح اشک میں آنکھوں میں نہ لایا ہوتا
 میرے خورشید نہ ہوتا یہ مرا روز سیاہ
 تو نے گرزلف میں مکھڑا نہ چھپایا ہوتا
 باغِ حنت میں بھی کیا خوب گذرتی میری
 وہاں بھی سر پہ جو تری زلف کا سایا ہوتا
 ناصحا چاک گریساں کے سلاتے کا حصول
 چاک آنکھوں کا مری تو نے سلایا ہوتا
 پھول پڑتا نہ خلیق آتش گل سے اس پر
 آشیاں ہم نے ٹک ادنچا جو بنایا ہوتا

گر برامانے نہ تو کہدوں کہ کیا تجھ میں نہیں
 اور سب باتیں ہیں لکین اک و فاتحہ میں نہیں
 بے مروت ہو تو کیا جانے تو ظالم کیا کرے
 اس مروت پر تو پاس آشنا تجھ میں نہیں

کل جو جا بیٹھا میں اسکے پاس اٹھ کر خلقی ترک کے بولا آدمیت اک ذرا سمجھ میں نہیں

کمر باندھی ہو ہر نقد نے تیری دلربائی پر تصدق جان میری اس تری دست خانی پر

حرف اللّٰل

(۱) درو

خواجہ میر درو تخلص خلف الرشید شاہ محمد ناصر مصنف کتاب نالہ عندلیب در عہد درو
آرام گاہ سپاہی پیشہ بود۔ آخر آخر ترک روزگار کردہ بر سجادۂ درویشی نشستہ در علم و
فضل یگانہ روزگار است۔ گاہے در تمام عمر از شاہجہاں آباد با وجود چندین تفرقہ کہ عالم
را ازاں دیار غیوتشاں آوارہ اطراف و جواب ساختہ پاسے بیروں نہ گزاشتہ چوں در
علم موسیقی ہم بہارت تام داشت اکثر از استادان این فن بوسیله بیعت حاضر مجلس اومی
گشتند۔ اگرچہ سلسلہ آں بزرگ نقشبندیہ است اما واردات درو کہ نسخہ الیت مختصر از
تصنیف او برائے ہدایت مریدان خویش حرمت غنارابہ طوریکہ بہت گزاشتہ باوجود کہ
گاہ گاہے مرتکب ایں امر می شد گناہ آں بر ذمہ خود گرفتہ طلب آمرزش از ایزد بہمال
خواستہ۔ تا مرغ روحش ز مزمہ سنج باغ ہستی بود در ہر ماہ بتاریخ دویم بر مزار پدر خود
مجلس غناتر تیب میداد۔ آن روز ہمہ خورد و بزرگ شہر حاضر مجلس اومی شدند مغنیان
چاکہ دست و بین نوازان بے کاسہ مست داد قانون نوازی و نغمہ پرداز می میداد
بعد سے پاس روز مجلس برخاست می شد۔ غرض کہ جامع جمیع فنون غریبہ بود و در فقر و
توکل و استغنا نظیر نہ داشت۔ شمع بیان بے پردائیش اینکہ روزے حضرت ظل سبحانی

برائے زیارت ایساں آمدہ بودند بعد نشستن و مجلس عذر و در میان آدرودہ اندکی پارا
 دراز ساختند۔ مشارالیه از شاہدہ ایں حالت منقض شدہ ایں قاعدہ را خلاف معمول
 دانستہ خود ہم بطرف بادشاہ پادرازا ساخت۔ علم الکتاب از تصنیف او بر صفحہ روزگار یادگار
 است۔ و شعر ہندیش از بس شہرت تمام مشہور ہر دیار اگر چہ شعر فارسی ہم دار و فقیر تاکہ
 در شاہجہاں آباد بود بعد سالی و ماہی پیش آں بزرگ بے غرضانہ می رفت۔ یک سال
 است کہ در دیوچوریش شفا یافتہ و بہ شافی علی الاطلاق واصل گشتہ۔ از کلام اوست۔

مژگان تر ہوں یار گ تاگ بریدہ ہوں
 ہر شام مثل شام رہوں ہوں سیاہ پوش
 جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت سید ہوں
 ہر صبح مثل صبح گریباں دریدہ ہوں
 لے در و جا چکا ہے مرا کام ضبط سے
 میں غمزہ تو قطرہ اشک چکیدہ ہوں

جاؤں میں کہ ہر جوں گل بازی مجھ گردوں
 جانے نہیں دیا ہر ادھر سے نہ ادھر سے

نزع میں تو ہوں دے تیرا گل کرتا نہیں
 عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
 دل میں ہو دو ہی و فاریجی کہا کرتا نہیں
 درو مرتا ہر کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

کہیں ہوا ہر سوال و جواب آنکھوں میں
 یہ بے سبب نہیں ہم سہ حجاب آنکھوں میں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
 زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

نزع میں ہوں پڑ ہی نالہ کئے جاتا ہوں
 مرتے مرتے بھی ترے غم کو لے جاتا ہوں

کچھ کام نہیں وہ بت خود کام کہیں ہو
پراس دل بے تاب کو آرام کہیں ہو

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں ہوں ستم دیدہ
اے شور قیامت رہ اودھری میں کہتا ہوں
اوروں سے تو ہنستے ہوں نظروں سے ملا نظریا
مجھ پر بھی یہ عقدہ نکٹے کھول صبا باکے
بد خواہ سبھی عالم گو ہو دیں تو ہوں لیکن
کرتا ہر جگہ دل میں جوں ابرو سے پیوستہ
گردل ہوں تو آزر وہ خاطر ہوں تو رنجیدہ
چونکے ہوا بھی یہاں سے کوئی دل شوریدہ
ایدھر کو نگہ کوئی ٹھپس نہ ہو تو زردیدہ
زلفوں نے کے بھیجا یہ نامہ سچیدہ
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن دل دیدہ
اے درد ترا تو یہ ہر مصرعہ چپیدہ

روندے ہر نقش پا کی طرح خلق یہاں مجھے
لے گل تو رخت باندھا اٹھا دن میں آشیاں
کچھ اور کج غم کے سوا سو جھٹتا نہیں

ہم چنی ہو دشت کو مری چشم شررے
لے ہو طنان اس کے یہ غربت نہ وہ کیوں ہیں
آتی ہو نظر پر ہی غائب ہو نظرے
پھرنے کا نہیں عمر کی مانند سفرے

گر باغ میں خنداں وہ مال بٹکراؤ
قاصد سے کہو پھر خبر اودھری کو لیجائے
کہتے ہیں کہ یک دست تری تیج چلی ہو
گل سانسے دامن سے منہ ڈھانپ کر آؤ
یہاں بے خبری آگئی جت تک خبر آؤ
تب جانے جب یکے وقدم چل اودھراؤ

کبھی خوش بھی کیا ہو دل کسی نذر شرابی کا
بھڑکے منہ سے منہ ساتی ہمارا اور گلابی کا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرمانہ دیکھا	برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا
اذیت مصیبت ملامت بلاتیں	تمے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
کیا مجھ کو داغون نے سر و چراغاں	کبھی آکے تو نے تماشانہ دیکھا
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے	ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا

تو ہی نہ اگر ملا کرے گا	عاشق بھر جی کے کیا کرے گا
کہتے ہیں یہ تیرے ڈھنگ ظالم	دیکھیں گے کوئی دفا کرے گا

لیتا نہیں کبود کی اپنے غماں ہنوز	بھرتا ہر کس تلاش میں لے آسماں ہنوز
ہے بعد مرگ بھی یہی آہ و فغاں ہنوز	لگتی نہیں ہر تالو سے میری زباں ہنوز
سو سو طرح کی ہجر میں ہوتی ہر جاں کنی	مرا نہیں ہوں تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز

کام مردوں کے جو ہیں سوہی کر جاتی ہیں	جان سواپنی جو کوئی کہ گذر جاتے ہیں
موت کیا آکے فقیروں سے تجھے لینا ہر	مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنی شب و روز	لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
تا قیامت نہیں مٹنے کا دل عالم سے	دروہم اپنے عوصن چھوٹے اتر جاتے ہیں

رہا ہر ناز بیتاں کو تو میری جان کے ساتھ	جی ہو وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ
اپنے ہاتھوں کے بھی میں نہ ورکا دیوانہ ہوں	رات دن کشتی ہی رہتی ہر گریبان کے ساتھ
دروہر خپ میں ظاہر میں تو ہوں موثر ضعیف	زور نسبت ہر دے مجھ کو سلیمان کے ساتھ

ہر دم بتوں کی صوّت کھتا ہر دل نظر میں
ہوتی ہر بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

اگر میں نکلتے رسی سے ترا دہاں پاؤں
یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پر روانہ
مگر کو چاہوں تو اُسکے تئیں کہاں پاؤں
کہ حالِ دل کہوں گرجان کی اماں پاؤں

جی میں ہر سیرِ عدم کیجئے گا
مور و قہر تو یہاں ہم ہی ہیں
یک بیک خلقِ سوزم کیجئے گا
اور کس پر یہ کرم کیجئے گا
سخت بیباک ہر یہ خامہ شوق
اپنے ہاتھوں کو تسلیم کیجئے گا

تو اپنے دل سے غیر کی الفت نہ کھوسکا
دشتِ عدم میں جا کے نکالوں گا جی کا غم
میں چاہوں غیر کو سو یہ مجھ سے نہ ہو سکا
کنج جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا
گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

سینہ و دل حسرتوں سے چھپا گیا
بس ہجومِ یاس جی گھبرا گیا

رہو ایساں اٹھائیں جو روعتاب دیکھا
عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پھرتی ہر خاک میرے لئے در بدر صبا
پر منہ پھر اس طرف نہ کیا اس نے جو گیا
لے چشمِ آشکبار یہ کیا تم کو ہو گیا

ناصح میں دین و دل کے تئیں اتو کھو چکا
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا

ایک تو ہوں شکستہ دل، تپہ یہ جو راو جفا
سختی عشق واہ واہ، جی نہ ہوا ستم ہوا

اس کو سکھلائی یہ جفا تو نے
کیا کیا اس میری وفا تو نے
بکیسی کو عبت کیا بے کس
قتل کر مجھ کو کیا کیا تو نے
درو کوئی بلا ہے شوخ مزاج
اُس کو چھڑا برا کیا تو نے

فرصت زندگی بہت کم ہے
مغتم ہے یہ دید جو دم ہے
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
تیری خاطر ہمیں مقدم ہے
درد کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہی رونا ہر نت وہی غم ہے

نہیں کچھ محتسب سرجان کا مجھ کو تو اندیشہ
کہیں ایسا نہ ہو فے ہاتھ سے چھین کر شیشہ

جگر پہ دافع نے میرے یہ گل فشانی کی
کہ اُس نے آپ تماشے کو مہربانی کی

مراجی ہے جتنک تری جستجو ہے
زباں جب تلک ہے یہی گفتگو ہے
تنتا تیری ہے اگر ہے تنہا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے
کیا سیر سب ہم نے گلزار دنیا
گل دوستی کی عجب رنگ بو ہے
نظر میری دل کی پڑی درد کس پہ
جدھر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہے

صورتیں کیا کیا ملیں ہیں خاک میں
ہے فینہ حسن کا زیر زمیں

درود ویش ہوں مری تعظیم کرتے ہیں لوگ کہہ کے یا اللہ

(۲) داغ

میر ہدی داغ کہ پیش ازیں آہ تخلص میگرد میر سوز جوان ملیح و خوش روی
و خوشنود با وجود شاہدی قدم در راہ شاہد پرستی گزاشتہ بر زنی اہل سوق وارفہ بود
غافل ازیں کہ فراق این قوم فریبندہ اگر آدم را بہ کشتن و ہد میر موسے رحم بکالتش نہ کند
قصائے کار بعد از انقضائے چندے مہاجرت در پیش آمد۔ خو کردہ وصال تاب
جدائی نیادردہ بریستہ بیاری افتاد۔ دریں اثنا خطی از مطلوب رسید، ایام و فاقش قریب
رسیدہ بودند کہ در خط جواب این شعر حسب حال خود نوشتہ رواں کرد و بعد آں جان
شیریں بہ جانان سپرد۔ شعر این است ۵
از جان رفتے بود کہ مکتوب تو آمد
دیگر چہ نویسم خبرم خوب گرفتی
از دوست۔

رباعی

یہ چاہ نہیں بھلی بُری ہوتی ہے
جی لیتی ہے دوستی بُری ہوتی ہے
لگتا ہی نہیں ہے جی کہیں اُس برآہ
سچ کہتے ہیں یہ لگی بُری ہوتی ہے

حرف الذال

(۱) ذوقی

شاہ ذوقی، ذوقی تخلص، درویشی است خانہ بروش۔ شعر را بطور بازاریان
می گوید۔ از دوست۔

جلد آمل جو تجھ کو آنا ہے ورنہ کوئی دم کو دم روانا ہے
تجھ کو ڈھونڈھے کوئی کہاں دیتی نہ ترا ٹھور ناٹھکا نا ہے

اُس کا شکوہ نہ گاہ کیجئے گا جس طرح ہونساہ کیجئے گا
اپنی یہ چاہ اُس کی وہ صورت لے عزیزاں نگاہ کیجئے گا
اپنے ذوقی کے گھر میں مشفق من گر کرم گاہ گاہ کیجئے گا
اُس کے دیوانہ پن کے عالم کو دیکھ کر واہ واہ کیجئے گا

حرفِ الرّا

(۱) رضا

مرزا محمد رضا، رضا تخلص شاگرد مرزا محمد رفیع، صاحب دیوان است۔
یقین ہے کہ اس کی موت آئی ہو جس کو ملتا ہے یار ہر جاتی
ہجر کی رات کیونکے گذر ہوگی یہ تو ساتھ اپنے آفتیں لائی

یارب یہ آرزو کہیں پائے نہیں دل نہ جائے جب تک کہ یار آئے یہاں دم گل نہ جائے
کس کس کا جو رو ناز اٹھایا کرے یہ دل چھوٹے اگر مرثہ کجی آنکھوں کا بل نہ جائے

شام ہجراں گر نہ بتیابی کرے دل کیا کرے و بدم ہوتی ہو آفت سر پہ نازل کیا کرے

جواب یہاں سے تشریف لیجائے گا
 یہ دل ہل رہا ہے ترے ساتھ پیارے
 چلا جب کہا میں نے کیا حال میرا
 وہ ہر چند دھڑکا ہے پر اس کو پیارے
 رضایہ زمیں ہے نہایت شگفتہ
 ترے در سے پیارے اگر جائے گا
 نہ کہے کہ عاشق نہیں جان دیتے
 سنا کسی کا نہیں خوب ہرگز
 سمجھتے ہو تم خوب غیروں سے ملنا
 کبھی اے عزیز و قدم رنجہ کر کر
 رضا مرچلا ہے جدائی میں تیری

ہیں بھی کبھی یاد فرمائے گا
 بھلا کس طرح اس کو بھلائے گا
 لگا کہنے تجھ کو بھی بلوائے گا
 یہاں تک کسی طرح سے لائے گا
 غزل در غزل اس کو کہلائے گا
 بہت دل کے ہاتھوں سے دکھائے گا
 تاشا تمھیں یہ بھی دکھلائے گا
 عزیز و یہ بات اس کو سمجھائے گا
 کئے کو بہت اپنے پھٹائے گا
 اگر اس کے کوچہ ملک جائے گا
 مرا یہ پیام اس کو پہنچائے گا

(۲) رقت

مرزا قاسم علی رقت^۱ قوم مغل ملقب بہ عراقی وطن اجدادش مشہد مقدس کاشغر
 بزرگانش در خطہ کشمیر بمقامت داشتہ اندام مولدش شاہجہاں آباد است و در فضل آباد
 بن تیسر رسیدہ طبعش از چہار دہ سالگی بطرف شرمیلان تمام داشت۔ آخر گفتہ گفتہ برگوشد
 و در آں ایام مشق سخن از میاں قلندر بخش جرات کردہ لیکن زبانش خنیں است کہ من از
 جعفر علی حسرت کہ استاد جرات است استفادہ کردہ ام خیر سرچہ باشد بیک سلسلہ است
 عمرش سی سالہ خواہد بود۔ از دوست۔

خط وہ بھیجے رقیب کا لکھا یہ بھی اپنے نصیب کا لکھا

(۱) مل ان خ، (۲) تیرا دن خ، (۳) رقت کے بعد لفظ تخلص دن خ، (۴) زبانش دن خ،

ہمارے سامنے مت ابر بار بار برس جو ہم سے ہو سکے تجھ سے نہ ہو ہزار برس
جوان تم ہوئے نام خدا پہ رقت تو گھٹا کے دیکھے ہر ایک بھی تین چار برس

نہ کر گھنڈ رقیب اُس سے گر ہوا اخلاص کسی زمانہ میں ہم سے بھی نہیں تھا اخلاص

چھٹ جائے کسی سے نہ ملاقات کسی کی اللہ بگاڑے نہ بنی بات کسی کی

دولے اس پہ پناہ دان دانشمند ہوتے ہیں یہ عالم اُس کا دیکھا ہو کہ رستے بند ہوتے ہیں

دیوارِ گلِ رخاں کا سایہ مگر پراہو زاہد بتا تو مچھو طوبیٰ میں شاخ کیا ہے

(۳) رنگین

سعادت یارِ خاں رنگیں سپرِ طہاست یگِ خاں تورانی کہ مشائراۓ در عہدِ نواب
نجف خاں مرحوم اقدار کلی داشت۔ جوان فہیدہ و سنجیدہ در فنِ سپاہ گری و سواری آپ
بے نظیر و در فکر سخن خامہ خیالشن بسیار خوش تحریر۔ ہر چند چنچاں بہرہ از علم نثار و اماؤ کاوت
طبعش بر صاحبِ علمان غالب۔ در ایام آغاز شوق شعر تا در دہلی بود شعر خود را از نظر شاہ
حاتم علیہ الرحمۃ می گزرا نید۔ حالاکہ بفضلِ الہی در نظم کلام ترقی و امتیاز تمام پیدا کردہ از
راہ انصاف دیوان خود را از اول تا آخر بہ نظر مؤلف در آوردہ۔ کلامش بسیار کم اصلاح
برآمدہ و چوں مزاجش عشقبا ز افتادہ اکثر قطعہاے خوب خوب و غزل و نامہ ہائے تہنیر
بہ سلکِ نظم کشیدہ۔ ہمیشہ بحضورِ مرشد زادۂ آفاق مرزا محمد سلیمان شاہ بہادر و دامِ اقبال
حاضر می باشد و تقرب و امتیاز تمام واروہ۔ ایں کلام از دیوانِ دوست

دل تھا جو بساط اپنی سو گزراں چلے ہیں
 مست چوک ادھر دیکھ یہ ہر مفت کا سوا
 سو بار کہا آؤں گا اور آئے نہ ہرگز
 پھر حل نہیں کچھ فائدہ بس سونے دے نکلیں

جی نذر کریں جی میں یہ اٹھان چکے ہیں
 اک بوسہ پہ دین ڈل وایاں چکے ہیں
 بد عہد ہو تم ہم تمہیں پہچان چکے ہیں
 وہ منہ پہ دوپٹے کے تئیں مان چکے ہیں

یک بیک چونکے وہ کہنے لگے رات نہیں
 ہاتھ میں ہاتھ ہو رہے ہیں لے سکتے
 رات دن یا تو رہتا ہوں اسی کے گھر میں

روک مت جانے دے گھر ہم کو یہ کچھ بات نہیں
 دست رس اتنی بھی ہرگز نہیں سہیات نہیں
 کون کہتا ہے کہ زمیں پہ عنایات نہیں

قسمیں کر دوڑ جس نے ملنے کی کھائیاں ہوں
 زکس کو وہ پس میں کیا بھڑگاہ دیکھو

یہ سوچ رہا بس کیونکر صفائیاں ہوں
 وہ اکھڑیاں نشلی جس کو خوش آئیاں ہوں

تجھ سے جس وقت کہ خالی یہ مکان رہتا ہوں
 شکوہ ہم کرتے ہیں کیوں رسم ہر دنیا کی کیا
 حوترے پاس سے آتا ہوں پوچھوں موت ہی
 پنکھڑی غل کی جو کروٹ تے تے آئے
 اس سے تکرے ہمارے جو کسی نے پوچھا ق
 تو کچھ اک تاؤ سا کھا چیں جبیں ہو کے ہیں

مجھ کو نہائی میں بہروں خفتان رہتا ہوں
 دل جو لگتا ہے تو پھر پاس کہاں رہتا ہوں
 کیوں جی کچھ ذکر ہمارا بھی وہاں رہتا ہوں
 نازک اتنا ہوں بدن اس کا نشان رہتا ہوں
 کوئی زنگین بھی ترے کوچہ میں یہاں رہتا ہوں
 گالی دے کر یہ کہا اس نے کہ ہاں رہتا ہوں

انہی ہر اک مڑہ سے اٹک جھڑتے ہیں اس قماش سے
 تجھ کو جو چاہتے ہیں یا کیوں نہ وہ کٹیں مٹا

لوگ چھڑکتے ہیں گلاب جسے گلاب پاش سے
 نکلا ہر سبج بدل کے تو آج غضب تراش سے

دیکھنا نہ آکھ بھی اٹھا مان کے غیہ کر کہا
دامن اٹھا گزر گیا بیچ کے ہماری لاس کے

مچک جو گالی دیتے ہو کیا یہ کچھ بھلنسی ہر
کون تھا وہ استاد تختی کم کو بس فریجانی ہر

نشہ حسن نے جس وقت وہ مجھ پر ہوئے
ہاتھ سے اُن کے کئی شیشہ دل چور ہوئے
بدگماں اتنا ہوں گدے مجھے لاکھوں ہی خیال
تم جو نظروں سے مری ایک گھڑی دور ہوئے

اب ہم کو سفر دور کا درپیش ہے جانی
دے ہاتھ کا چھلاتو مجھے اپنی نشانی
خیاط نے دامن کا کیا گھیس نہ یاد
ڈرتا ہوں کمر بند کرے اُس کی گرانی
جل بل کے ہوا خاک ترے ہجر میں پونے
افسوس کہ رنگین کی میاں قدر نہ جانی

جی بیچ کے عیش کا خیال خسریدا
اُس عین کو کھو ہم نے عجب مال خریدا

عبث ہے قصد دلا اُس سے چاہ کر نکلا
نہ ہوئے جس میں سلیقہ نباہ کرنے کا

تجھ کو اپنے سے یار کرنا
ہے حیر کو اختیار کرنا

ایسے ظالم کو دل دیا ہم نے
آہ اللہ! کیا کیا ہم نے

دل ہو خون اور خنا کو بھاگ لگے
اس تری منصفی کو آگ لگے

باغ میں جس دم کہ تو چلتا ہواے گل ناز سر
سرود کو کہتا ہوں میں ہٹ جا بلند آواز سر

بھلا کرنے آئے بُرا کر چلے
ہم آئے تھے کیا کرنے کیا کر چلے

جو کوچہ میں اُس ناز نہیں کے نہ ٹھیرے
تو پھیر یہ کہو، ہم کہیں کے نہ ٹھیرے

اے دست جنوں چل تو گریاں کی طرف ٹھی
اور جی میں تے آئے تو داماں کی طرف ٹھی

شب کو جو آپ اُٹھ گئے، نیند مری اُچٹ گئی
تاسے ہی گئے گئے پھرات و ہاری کٹ گئی

غم سے تیرے دِل و چار دیکھو کب تک ہے
ہم سے تو دور دور یا روکھے کب تک ہے

ہر صبح میاں رنگیں جنسا کے نہانے کو
کیا نیل کے کٹرے سے انسان نکلتے ہیں

میں نے چاہا جو اُس کو اے رنگیں
تو تے جوڑتی ہے کیا کیا خلق
مجھ سے ہر ایک بدگماں ہوا
جی لگانا بلائے جاں ہوا

جب میں نے کہا کہ مچھکو تم سے
یک بار وہ کھل کھلا کے رنگیں
ملنے کا ہر اشتیاق بچد
بولے کہ چہ خوش چرانہ باشد

(۴) رفاقت

مرزا مکھن رفاقت تخلص، شاگرد جرأت خوش خالق و خوش تقریر بود۔ بزم بست و دو

ساگی برضِ دق در گزشت - از دست

کہتے ہو تم نہ گھر میرے آیا کرے کوئی
وہاں کیونکہ رستے کہ منادی جہاں پہ ہو
لے فرش گل یہ غیر کو بٹھیا وہ اپنے پاس
برسوں کی ایک دم میں فاقہ جو چھوڑا
گر دل نہ رہ سکے تو بھلا کیا کرے کوئی
زانو پہ سر کو دھر کے نہ بیٹھا کرے کوئی
منظر ہے کہ خاک پہ لوٹا کرے کوئی
کیا ایسی زندگی کا بھروسہ کرے کوئی

خوف سحریرے نہیں بولتے اغیار سحریم
ورنہ بھڑ جانے کو موجود ہیں دو چار سحریم

(۵) رضا

میر رضا علی طغرائیس کہ رضا تخلص دارداگرچہ درسلکِ شعرا نیست اما شعر
تصنیف خود کہ رو بردے ایں جانب خواندہ بسیار آید راست - از دست
ہدف یار جو کل سینہ کا صندوق ہوا
تیر جو دل میں لگا سولب معشوق ہوا

رہا عالم یہ شب اپنا کہ اُس بن دل جو گھبرا
یہ دایم سبزہ رنگ اس مرغِ دل کو آہ چھنسا
کہہ تو کیہ یہ سر ٹپکا کبھی ٹپی سے ٹکرایا
سیہ بختی نے کیسا مچھکوا باغ سبز دکھلایا

کچھ ان دنوں جو ایسا بے ربط ہو گیا ہے
شاید رضا کو یا رو کچھ ضبط ہو گیا ہے

ستم زمانہ سحر مجھ پہ دن برے اکیلا ری یہ پڑ گئے
کبھی آئے آکے خفا ہوئے جو گئی تو جب کے بلالیا
وہ جو آشنا تھ سو گئے وہ دست تھے سو چھڑ گئے
کبھی لٹے لٹے محل گئی کبھی بیٹھے بیٹھے گھر گئے

(۱) رہا یوں عالم شب اپنا اس بن دل جو گھبرا یا " (نخ)

مست پوچھو رضا کا کچھ حالِ غم تنہائی اک دل تھا سو کھو بیٹھا اک سر سو سودائی

ستم زمانہ سو مجھ پہ دن بُے ایک باری پڑ گئے وہ جو آشنائے سولہ گنہ وہ دست تھو سو پڑ گئے
کبھی آئے آکے تھا ہوتے جو گنو تو جا کے بلایا کبھی لٹے لٹے چل گئے کبھی بیٹھے بیٹھے بڑ گئے

جس دل کو قلق نے آہ گھسیلا ہوگا رباعی آنکھوں میں پھر اس کی اک اندھیرا ہوگا
کیوں گردے اپنے تئیں بچاتا ہے رضا اک خاک میں آخرش بسیرا ہوگا

گر غصہ یہ غصہ یونہیں دل کھاوے گا دیگر گھبرا گھبرا کے دم بھل جاوے گا
اُس شوخ کے غم میں آکھا مان رضا اتناست رو و گرنہ مر جاوے گا

جو کیسا رہی دیکھنے تجھ کو پاؤں بلانیں میں لے لوں تصدق بھی جاؤں

(۶) رند

نواب مہربان خاں رند تخلص کہ در زمانہ اقبال خود بہ علم موسیقی و شعر و مرثیہ شوق تمام
داشت ہزار ہا دریں کار بر باد وادہ و در نیکنامی بر روئے خود کشادہ۔ اگرچہ شخص جاہل
بود اما سلیقہ صحبت شعرا اور اہم بہ عرصہ قلیل بہ مرتبہ والاے شاعری رسانیدہ فقیر حسب
اتفاق رونے برائے دیدن آن بزرگ ہمراہ مرزا قتیل در رستم نگر بر مکانش گزرا فلکندہ بود
مخرج زبان ہم درست نہ داشت آخر ہمیں جادوگر گزشت۔ از دست۔

یارب کہیں سے گرمی بازار بھیج دے دل بیچتے ہیں کوئی خریدار بھیج دے
میتے ہیں عقد حسن میں عاشق عرویں جاں آتا نہیں جو آپ تو تلوار بھیج دے

ہم کو نہ کچھ سیم و نہ زر چاہئے لطف کی اک تیری نظر چاہئے
کس لئے تلوار خریدی میاں باندھنے کو بھی تو کمر چاہئے

مجھ کو صدقے تو یار ہونے سے آپ پر سے تیار ہونے سے
 میری چھاتی پہ رکھ کے برچی کو نہ اٹھا دل کے پار ہونے سے
 ہر تری جان کا یہی دشمن زند اس دل کو خوار ہونے سے

(۷) رسوا

آفتاب رائے رسوا۔ گویند جوہری سپرے بود از قید مذاہب برآمدہ سر سودا
 بر آوردہ سیاہی تا بہرہ و مالیدہ و در دلی نشستہ در کوچہ و بازار می گردید و تو وہ خرم ہوا
 پیش خود داشتی۔ عوض یک خرمہرہ یک سرخنگ از دست طفلان وغیرہ بخوشی تمام می خورد
 و نیز بہ شرب خمر پر مصروف بود این بیت در زبان داشت۔ بیت
 رسوا ہوا خراب ہوا در بدر ہوا اس عاشقی کے پنتھ میں جس کا گزر ہوا
 نقل است کہ مقتضائے شوریدہ سہری چندے برائے سیر تا قبضہ امروہہ آمدہ بخانہ
 کے از سادات آنجا فروکش شدہ۔ چوں در آن زمانہ باطراف و الکاف شاہجہاں آباد
 مروج شاہجہاں آباد را عزت بیشتر بود خصوصاً کسی کہ قابل و دانا باشد، صاحب خانہ
 رسم مہانداریش خوب ترین و جہی بجامی آورد۔ چوں مومی الیہ بے شرب شراب یک
 ساعت آرام نمی یافت میربان روزے یک طفل را برائے آوردن شراب بہ احمد نگر
 کہ محلہ بیرون شہر واقع شدہ فرستاد چوں آمدنش دیر کشید بایشاں گفت کہ بیا یدتا شراب
 آید اندکے سیر باغ کنیم بدیہ از زبانش برآمدہ۔ شعر لڑکا گیا شراب کو کا ہے کی سیر ہو۔
 ہم گدے اس شراب سے لڑکے کی خیر ہو۔ دوستے نقل میگرد کہ ہر گاہ وقت حلقش در
 رسید وصیت کرد کہ مرا بہ شراب غسل دہند چنانچہ دوستان ہیں کہ دندہر گز کفن و میتش بہ
 شراب نہ داشت۔ و در روایت دیگر چنین است کہ بر جوہری سپرے کہ شیفۃ او گردیدہ
 سودا بہر سانیدہ بود، در سیر باغ از ست او بہ شیر کشتہ شدہ واللہ اعلم بالصواب۔

از دوست -

وصل میں بے خود ہو اور ہجر میں بیتاب ہو اس دوائے دل کو رسوا کس طرح سمجھائیے

کوئی جا نہیں زمین میں کہ اشکوں سے غم نہیں رسوا بھی اس زمانے میں مجنوں سے کلم نہیں

حرف الزار

(۱) زار

میر جویں زار اصلش از کشمیر است دوش در شاہجہاں آباد نشو و نما کردہ اکثر در
مشاعرہ ہائے دہلی داخل صحبت می شد۔ جوان چمپا رو و شورش طلب است پیش
ازیں سودائے بہرسانیدہ بود۔ بندہ اور ادر دہلی وچہ در لکھنؤ مکر ویدہ ام۔ عمرش
از سی متجاوز خواہد بود۔ از دوست

شب جھڑے آنسو میں یوں بخت جگر بھیگے ہوئے گل جھڑیں شبنم سے جو وقت سحر بھیگے ہوئے
موسم برسات ہی ساقی شابی دے شراب مینہ میں آنکھیں ہیں تم بھی تیرے گھر بھیگے ہوئے
کس سے ہو لی کھیل کر آیا ہواے رشک بہار رنگ میں کپڑے ہیں سائے تر بھیگے ہوئے

ایک دن آگے ہی دنیا سے اٹھانا ہم کو (۱) شبِ فرقت پہ الہی نہ دکھانا ہم کو

فصل گل کی کچھ ہوئی آمد جو اس لگتی (۲) شور و غل طفلوں کا اور ست جنوں جانے لگا
ایک تجھ کو زار کے احوال پر آیا نہ رسم (۳) ورنہ ہر اک حال اس کا دیکھ غم کھانے لگا
(۱) انخ و میں اشعار اتا ۱۱ مظہر علی زار کے نام درج ہیں۔

حق نہ رکھے دور یار و یار کے تئیں یار ہو (۴) کوئی مرض مہلک نہیں دنیا میں اس زار کو
لا سکو اس کو تو اس سے اور کیا بہتر ہو آہ (۵) بات یہ بھی پوچھنے کی ہو بھلا تکرار سے
ان دنوں میں زار سچ کہہ کیا ہوا تیر تئیں (۶) کچھ مجھے مغموم پاتا ہوں میں دن و چار ہو

یہ وہ ہر عشق لاندہب نہ جس کا دین ایماں ہے (۷) نہیں پوچھے ہر اتنا بھی تو کافر یا مسلمان ہے

لے جاؤ گے تم اُس کی گلی سے جہاں مجھے (۸) آرام جو یہاں ہو نہ ہو گا وہاں مجھے
فصل بہار تجھ کو مبارک ہو عندلیب (۹) بن یا ایک سی ہو بہار و خزاں مجھے
بن دیکھے اُس کے ایک بھی دم آہ رہ سکوں (۱۰) اتنی تو ناصحا نہیں تاب و تواں مجھے
رہتی نہیں ہر ذکر کئے بن تو یار کا (۱۱) رسوا کرے گی زار یہ تیری نیاں مجھے

(د) زار

میر مظہر علی زار بہ سرکار احمد علی خاں شوکت جنگ علاقہ روزگار دار دو گاہ
گاہ ہے خیال شعر کردہ و میکند۔ ازوست۔
تیری ہی قسم تجھ بن کچھ اور جو بھاتا ہو (۱) کافر ہو اگر اس میں کچھ بات بناتا ہو

اب ہائی نے کیا اور پریشاں مجھ کو (۲) خوب تھا اس سے وہی گوشہ زنداں مجھ کو

اگر کچھ پس ہی ہو اپنا تو کا ہو کو یہ خواری ہو (۳) نہ چاہیں اس کو الے صاحب جو الفت اختیار ہی ہو
قسم ہے جی سے کہتا ہوں ساؤ جس قدر چاہو (۴) خوشی اپنی بھی دہی ہو خوشی جس میں نہا رہی ہو

(۱) ن خ میں اشعار آتا ۶ میر جیون زار کے نام درج ہیں۔ (ن خ)

چھوٹ جائیں غم کے ہاتھوں سے جو کلو کم کہیں (۵)، خاک ایسی زندگی پر تم کہیں اور ہم کہیں

وہ وعدہ وہ تپاک وہ اتسار ہو چکے (۶)، بس وہی دن کے دیکھ لیا یا رہو چکے

(۳) زمان

سید محمد زمان زمان تخلص از سادات عالی تبار تھبہ امروہہ جوان منحنی و بیار قاب
وقابل دوست بود مومی الیہ درایا میکہ نظریہ بے وفائی دنیا کردہ تبدیل لباس نمود
در باغیچہ تنہا شستہ می ماند فقیر همراه استاد خود روشے در عالم کتب نشینی وابتدای
شوق موزونی صحبت ایشان رسیدہ بود اگرچہ چندان تجیال شعر سر و کار نہداشت اما
اگر گاہے چیزے موزوں مے کرد بسیار سنجیدہ چنانچہ اس مطلعش دلیل بر ذکاوت
طبع اوست۔

عارض ہر گل کا صاف و لیکن جھلک نہیں زگر کی چشم ہے یہ کٹیلی پلک نہیں

حرف سین

(۱) سائل

مرزا محمد یار بیگ سائل، قوم ازبک ہندوستان زاد پاہی پیشہ، در ابتدا شاگرد
شاہ حاتم و بعد ازاں رجب بہ مرزا محمد فیض سودا کردہ شخص کہنہ مشق است اس
شعر او دلیل بر صدق اس مقولہ اوست۔

حاتم کی تو خدمت کرتا فیض بہت بھگو سودا کی دے صحبت اکیس نظر آئی

(۱) دنیا تبدیل لباس کردہ، دنیا کے بعد نفاذ کردہ زائد ہو اور نمودہ کی جگہ کردہ ہو (نسخہ)

آشنائی کا تری مجلوگماں بو نہیں ہے اس میں کچھ جھوٹ نہیں سچ ہر میان بو نہیں ہے

حرزِ جاں لیتے ہی اُس کی چشم نے ابرو کیا
وہ حائل ہو گیا دستِ شکستہ کی طرح
شیر کے ناخن کو گویا بیکل آہو کیا
آہ جس کو میں نے اپنا قوت بازو کیا

اٹھ گیا جب کہ تعین تو جہاں اپنا ہے جس جگہ بیٹھ گئے پھر وہ مکاں اپنا ہے

(۲) سوز

محمد میر سوز سوز تخلص کہ بطرِ خود اُستاد است و وضع خواندنِ شعرش دیگرے
راکم یاد۔ گویند اول میر تخلص میگرد چوں در آں ایام میر محمد تقی ہم شہرت بہ میر دشت
لہذا از آں درگزشتہ بجائے میر سوز قرار دادہ۔ کمالیات ایں بزرگ ماورائے
کمال شاعری و درویشی بسیار اند، چنانچہ در تیر اندازی و سواری اسب و نوشتن
خط نستعلیق و شفیعا و نازک بندی و زاکت فہمی شعر و آداب صحبتِ ملوک و سلاطین
و ظرافت طبع و خندہ روئی و ندامت پیشگی و تحصیل معاش و گفتن کلامِ خیر و حق و دیگرے
و با ایں ہمہ استغنائے مزاج کہ خاصہ شعر است نظیر خود ندارد۔ گاہ گاہ ہے کہ ہفتیر
ملاقات میشود بسیار مہربانی می فرماید و غائب و حاضر ازین^(۳) بیخ بدان حظ دانی برداشت
بے تکلف در ستایش و ستانہ می افزاید۔ عمرش از ہفتاد متجاوز خواهد بود حق تعالی
بایں شفقت بزرگانش دیر گاہ سلامت دارد۔ از دست۔

اشک خوں آنکھوں میں آ کر جم گئے دور کے بھی دیکھنے سے ہم گئے

(۱) یاد کا لفظ زائد ہے۔ (۲) کمالیات۔ (۳) حاضر از مزخرفات ایں سمجھان۔ (۴) بزرگانہ

سلامت دارد "ش" اور لفظ دیر گاہ ندارد (ن خ)

شبِ نیم آس گلشن دنیا میں آہ سوز ہم با دیدہ پر نم گئے

کشورِ دل میں نہیں کوئی کہ آباد ہے یوں اجاڑا ہو اُسے تم نے بھلایا دے

شہد میں جیسے گس ہم حرص کے پابند ہیں
 رزق کا ضامن خدا، شاید کلام اللہ ہی
 مقبروں میں دیکھتے ہیں اپنی ہم آنکھوں سے رو
 تو بھی رعنائی سے ٹھوکر مار کر چلتے ہیں یار
 جب تلک آنکھیں کھلی ہیں دکھ نہ دکھ دیکھے کایا
 وائے غفلت اس سیرِ ندائ میں یوں خرمند ہیں
 تو بھی اپنی صورتوں کے روزِ جاہتمند ہیں
 یہ برادر یہ پدر یہ خویش یہ فرزند ہیں
 سو جھٹاتا نہیں ہم خاک کے پیوند ہیں
 منگائیں جب آنکھڑیاں تب سوزِ سب اند ہیں

زندگانی میں کسے آرام حاصل ہوئے گا ہائے آسودہ جہاں میں کونسا دل ہوئے گا

تو ہم سے جو ہم شراب ہوگا عالم کا جگر بے آب ہوگا
 ڈھونڈے گا حساب چھپنے کوہر جس وقت تو بے نقاب ہوگا

اہلِ ایمان سوز کو کہتے ہیں کافر ہو گیا آہ یارب رازِ دل ان پر بھی ظاہر ہو گیا

مُسے ہے سوز! تو ملنے کا قصد مت کرایا اٹھا سکے ہر تو کب نازِ بے دماغوں کا

مروت دشمن، غفلت پناہ اُدھر بھی دیکھ لیجوڑ کے آہا
 (۱) جس روز وہ بے نقاب ہوگا (ن خ)

خداوند اے کریم، بادشاہ
فَاہَا، ثُمَّ اَہَا، ثُمَّ اَہَا

کئی اوقات سب بطلاں میں میری
صَرَفْتُ الْعُمَرَ فِي لَهْوٍ وَلَعِبٍ

تو دل ان بی وفاؤں کو کوئی میں انہی بس دیتا
تو جی دیر ہوئے بھی صوت اُس کی فکیر میں دیتا

مجھے گرج حق تعالیٰ عشق میں کچھ دسترس دیتا
قسم ہے سوز گردہ قتل کرتا اپنی آنکھوں سے

تو سحر دل مجھ دیدار خیال یار تھا
وہاں تجھے کیا تھی کمی یہاں تجھ کو کیا دکھ تھا

رات آنکھیں تھیں مندیں پرخت تک بیدار تھا
سوز کیوں آیا عدم کو چھوڑ کر دنیا میں تو

حرم کے در پہ ورنہ بار بار سر مار آیا

اگر کچھ سوز نے پایا تو میخانہ کی خدمت سے

دل جواب بے قرار ہی کیا ہے
یہ خزاں یا بہار ہے کیا ہے
آہ ہی شرار ہے کیا ہے
دل ہی یا نوک خار ہے کیا ہے
سوز ہی یا شکار ہے کیا ہے

نغم ہے یا انتظار ہی کیا ہے
وائے غفلت نہ سمجھے دنیا کو
نفس تن تو جل کے راکھ ہوا
کچھ تو پہلو میں ہی خلش دیکھو
کھینچ کر تیر مار بیٹھے بس

اُس نے کیا کیا ستم سہا ہوگا
رو برو تیرے آگیا ہوگا

جس کا تو آشنا ہوا ہوگا
تھر تھراتا ہوا اب تلک خورشید

وے کہاں جن کے جدا ہونے سے ہم ناشاد

بستیاں بستی ہیں اور اجر بڑے نگر آباد ہیں

مسی پر سرخی پانڈ کچھ میری عقل بھولی ہے کہ ہو خورشید تاباں تپا یہی شام بھولی ہو

امیدیں ل کی ساری ہی بھریائیں میں نے آہ دامن کشاں وہ لاش پہ آکر مجھے کہے
اے سوزِ بعدِ مرگ تو اب دعا ہو یہ ہے ہے کسو کے پیچھے ترستا ہوا ہو یہ

منہ لگانے سے مئے کیوں تو خفا ہوتا ہو جانِ من بوسہ کے لینے سو تو کیا ہوتا ہے

پرکار کی روش چلے ہم جتنی چل سکے روزِ ناہمی مٹم گیا ترے غصہ کے خوف سو
اس گردِ شِ فلک سے نہ باہر نکل سکے تھی شہم ڈبڈبائی یہ آنسو نہ ڈھل سکے
منہ دیکھو آئینہ کا تیری تاب لا سکے خورشید پہلے آنکھ تو تجھ سے ملا سکے

یوں تو نکلی نہ مرے دل کی اپاہی گاہی سو ز سے ایک نے پوچھا کہ صنم سے اپنی
لے فلک بہرِ خدا نصبت آہے گاہے اب بھی ملتے ہو بدستور کہ گاہے گاہے
دیکھ کر منہ کو گھڑی ایک میں بھر کر دم سرف یوں اشارت سے بتایا سر آہے گاہے

غم عاشق سے کون محرم ہے محرمِ عشق خلق میں کم ہے
لختِ دلِ مست نکل ابھی باہر پرہنِ اشک سے مبرا نم ہے
پھلجھڑی کی طرح سو جھڑتا ہے اشک کا بھی تو زورِ عالم ہے
نتھ کے موتی پکارتے ہیں پٹے تیرے عاشق کا ناک میں دم ہے
کیسی کیسی یہ باتیں کرتا ہے سوزِ ہوا کہ جان آؤ تم ہے

(۱) (ن) نہیں ملے ہے مرے دل کی اپاہی گاہے۔ (۲) عالم (ن) خ

چین نادن ہر آنکھوں کو نہ شب آرام ہر
لوگ کہتے ہیں مجھے یہ شخص عاشق ہے کہیں

شام سے تا صبح روزا صبح سے تا شام ہر
عاشقی معلوم لیکن دل تو بے آرام ہر

کسی طرح ترے دل سے حجاب نکلے گا

میرے سوال کا منہ سے جواب نکلے گا

یہ حال یا قیامت، یہ سن یا شرارا
جوڑا لپٹے جب تک روزِ حساب آخر
غرفہ کو جھانکیو تک کیسی جھپک ہر اللہ
کس کا بیکستان تیرے شہید پیارے
پوچھے ہے مجھ سے سنیو عاشق کب اپنے کیا
انتی جراحوں پر جتیا ہر سوزا ب تک

چلتا ہے کس جھپک سے ٹک دیکھو خدارا
بل بے تری بناوٹ لے خود ما خود آرا
یہ نور یا تجلی خورشید یا ستارا
زیر زمیں سے اٹھ اٹھ کرتے ہیں ہر نظر
کچھ جانتا نہیں ہے بھولا بہت بچارا
سینہ ہر یا کہ ترکش دل ہر کہ سنگ خارا

دامنِ ملک کو تیری کہاں دست سے مجھے
کیا آمد بہا ہے اس غل کو پوچھو

تیری گلی کی خاک بھی ہوں تو پس مجھے
لے لے سو جھپتا نہیں خاکِ نفس مجھے

تو جو پوچھے ہے کہ تیرا دل تبا کس نے لیا

بس حیا آتی ہر محکومت لگا کس نے لیا

سرِ شکِ شمع آخر شمعِ محفل ایک دن ہوگا
تجھے لے دلِ بغل میں محنتوں سے میں نے پالا تھا

یہ آنسو رفتہ رفتہ جمع ہوں ایک دن ہوگا
نہ جانا تھا کہ تو میری قاتل ایک دن ہوگا

آتا ہے وہ بھاجو تیغِ ستم کشیدہ

دامنِ بدست چیدہ ابرو بہم کشیدہ

صوت گر قصانے تجھ سانہ کوئی کھینچا
ہاں حسن ماہ کہئے سو ہے قلم شیدہ

غورِ حین ہے تجھ کو تو مجھ کو تمکیں ہے
اگر رحیم ہے تو میں بھی ایک عاصی ہوں
تو عشق ہے تو میں دل ہوں تو درد ہے تو میں سوز
تو سنگدل ہے تو میری بھی آہ سنگیں ہے
جو تیغ زن ہے تو میری طرف سے تھیں ہے
تو کو بہن ہے تو مجھ پان جان شیریں ہے

رباعی

بس سوز سنبھل یہ آہ وزاری کبتک
آپہی عاشق ہے تو اور آپہی معشوق
بس ہاتھ نہ مل یہ بقراری کبتک
پرے سے نکل یہ شرمساری کبتک

(۳) سعادت

میر سعادت علی سعادت تخلص از سادات قصیدہ مرویہ معاصر شعرائے ایہام کوئی
محمد شاہی است شعرا بطرزیکہ در آں زمانہ رواج داشت بسیار بخوبی و تلاش می گفت۔
گویند رونے در مجلسی دردانہ نام رقاصہ قص میکرو اتفاقاً کفش نوے ایشاں گم شد
ہر گاہ از مجلس برآمد کفش را نیافت نظراً بقصد بدیہ از زبانش سرزد ایں شعر سے
سعادت شب تماشا میں اگر تیرا نیا جوڑا
گیا تو جانے دے دردانہ کے بھڑووں کو سرحد

بے محابا زلف کے کوچہ میں جاگا بار بار
سر چڑھایا بہت تم فیماں شانے کے تنیں

(۴) سکندر

کہ در مرثیہ کوئی شہرت دارد شاگرد میاں ناجی است در ابتدائے فکر شعر پیشتر قصہ
خوانی میکرد آخر آخر طبعش بطرف نظم مرائی مائل افتادہ۔ شخص ذاکم الخمر و خوش طبع و ظرف

مزاج دیدش و طنش بہ طرف پنجاب است۔ عرش از پنچاہ متجاوڑ خواہد بود اکنوں ہم گاہ
گاہ فکر شعر بطور قدیم و جدید میکند۔ از دست۔

بکھی فرقت میں شب کو آنکھ میری گر جھپکتی ہے
اُسی دم روح کو چہ میں تیرے جا کر ٹھکتی ہے
سحر گزرا حین سے کونسا خورشید رویا رہا
کہ شبنم گل کے منہ پر اب تلک پانی چھڑکتی ہے
مبادا آگ لگ جائے مئے دل کی تیرے دلو
گھلے گھلے سوساں دل سوز کے چھاتی ٹھڑکتی ہے
کرے گی مجھ کو دیوانہ سکندر یا کہ متوالا
پری کی طرح صہبا پردہ مینا سے تکتی ہے

گرا ہر مانگ میں ل میرا آہ ڈھونڈوں کدھر
کہ آدھی رات اُدھر ہے اور آدھی رات اُدھر

نہ دیکھا ہو جو کسی نے جناب میں دریا
وہ دیکھ لے مری چشم پر آب میں دریا

رباعی

لے زائد و تم سے کیا جھگڑ کر لوں میں
ناحق میں دل اپنے کو کروں کیوں خوں میں
مینخوار و صنم پرست کہتے ہو مجھے
ہوں میں میں میں جو کچھ کہ ہوں میں میں میں

(۵) سوزاں

مرزا احمد علی خاں شوکت جنگ المتخلص بہ سوزاں خلیفہ نواب مرزا علی خاں مرحوم
چوں آباداب و امتیاز است طبعی رسا و ادا از دست۔

لیجانہ شب فراق جاں کو
کیا زندگی مجھ سے ناتواں کو
مجنون شکستہ پا ہے پیچھے
کہدیو پیام سارباں کو

مست دل لگاتوں سے کہنے پہ جاکسی کے
خوبی ہے کیا شکر اس ہفتہ دوستی میں
فرقت میں اس کی سواں ناحق کو جان ہی
ہرگز ہوئے نہ ہوں گے یہ آشنا کسی کے
اپنا کسی کو کیجے ہو رہے یا کسی کے
اُس لا ابالی کو غم مرنے سے کیا کسی کے

(۶) سرسبز

مرزا زین العابدین خاں عرف مرزا میتڈ و سرسبز تخلص از فرزندان نواب سالار جنگ
مرحوم جو انے است با علم و حیا و صاحب فہم و ذکا۔ ہمیش اکثر اوقات بہ مطالعہ کتب دینی
و مسائل فقہی مصروف و برخلاف خاندان خود طبعش از غنا و غیرہ محتجب بلسلہ پیش
در قوم مالک اشتر منتہی می شود و بزرگانش در عہد فرخ سیر بہ ہندوستان قدم گزاشتہ اند
و رتبہ عالی جاہی فائز شدہ ہمیشہ مقرب ملوک و سلاطین بودہ اند چوں مرزا کے مذکور
را بہ سبب موزونی طبع عشق شعر مندی از طفولیت دامنگیر حال بود رفتہ رفتہ بہ سن
ہفدہ سالگی رسیدہ دیوانے تریب دادہ فقیر پیش ازین مدت چار سال بصیغہ شاعر کی
ملازم و رفیق ایشاں ماندہ بسیار بہ عزت و دست میداشتند۔ حق تعالی سلامت
دارد۔ من کلامہ

قفس میں گدے کی کیا عندلیب و این
نے کی جس گھڑی ہواں نوں عالم گلستان

شمع جب چہرہ پر نور دکھاتی ہو مجھے
خندہ گل میں نکلتا ہو کہاں یہ عالم
اُس کے کوچہ کی طرف میں تو نہ جاؤں سرسبز
یا دعارض میں تے اور جلاتی ہو مجھے
ہائے کیا وضع تے ہنسنے کی بھاتی ہو مجھے
کشیش دل ہو کہ کھینچے لئے جاتی ہو مجھے

جو دوست مرا اس کو بیغام نہاتا ہے
وہ صاف اُسے یار و دشنام نہاتا ہے

سینکڑوں آنکھیں اٹھاتے ہیں
ہم سے اب آپ چھپاتے ہیں
ہم ادھر اپنا سر جھکاتے ہیں
روز ایک بار دیکھ آتے ہیں

دید کو تیری ہم جو آتے ہیں
بے تکلف تھے دل کے لینے تک
آپ ادھر کیجئے علم شمشیر
ہر طرح اپنے یار کو سر سبز

کبھی دوست دوست کرتے کبھی یار یار کرتے
اگر اس گھڑی تو ہوتا تجھے ہم دو چار کرتے

شب انتظار گزری ہیں انتظار کرتے
تیرا یار اس جگہ تھا نہ ہوا تو ہائے سر سبز

کچھ نگاہ ملک تو میرے تظار پر
اب تو نچوڑے مژدہ اشکبار پر
یہ کیا بلا پڑی دل امیدوار پر

بیٹھا ہوں میں تو کب سے سر راہ یار پر
کیا حال گر یہ پوچھے ہر ہدم سرک کہیں
سر سبز ہو کے سینہ میں افسرہ رہ گیا

میرے آنسو ہیں کہ کیا انھیں کر رکھتے ہیں

یہ جو کانوں میں تباں عقد گہر رکھتے ہیں

ہم ہاتھ اٹھانے کے نہیں دست دعا سے
منہ پھیر کے یوں کہنے لگا میری بلا سے

منہ موڑ لیا تم نے اگر ہر دو فاسے
میں نے جو کہا اُس سو کہ جاتی ہر مری جاں

رسوا ہوا کہ بر سر بازار مر گیا
سر کو ٹپک کے مرغ گرفتار مر گیا

کل کبک دیکھ تیری رفت مار مر گیا
صیاد نے خبر بھی نہ لی اور قفس کو بیچ

ترے گلشن سے کہہ جاویں کدھر ہم
نہ گذرا تو کبھی ایدھر سے ہو کر
ہماری آہ پر نہتا ہے کیا تو

کہ ہیں اے باغباں بے بال و پر ہم
گئے اس آرزو ہی میں گذر ہم
دکھا دیں گے تجھے اس کا اثر ہم

جگہ پاویں گے اتنی باغ میں اے باغباں ہم بھی
دماغ اپنا نہیں اس وقت حاضر ہم کو مت چھڑ
جہاں کے ہمنفیروں کو ہوئی ہر خانہ دیرنی

کبھو آکر بناویں گے چمن میں آشیاں ہم بھی
سناویں گے کسی دن تم کو انہی آستاں ہم بھی
اسی گلشن میں چھوڑ آئے تھو اپنا آشیاں ہم بھی

خبر لائی باد بہاری کسی کی
زینجا کو یوسف ہی کا دھیان گزرا
ترے ہاتھ سے بوسے مشک کی شائ
میں سر سبز روتا ہوں آتی ہر جگہ

دو چنداں ہوئی بقراری کسی کی
جو اس رہ سے آئی سواری کسی کی
مگر تو نے کاکل سنواری کسی کی
وہ صوت مجھے پیاری پیاری کسی کی

کب خوش آتی ہو ہمیں سیر گستاں تجھ بن
خواب میں ہی نظر آ جا کہ نشلی ہو مری
اپنے عاشق کی تو بایں یہ نہ آیا صدیف
چل تو سر سبز گستاں میں غزل خوانی کو

نظر آتا ہے چمن خانہ ویراں تجھ بن
پر شوش ہوں میں اے زلف پریشاں تجھ بن
جان دمی اس نے بصد حسرت حزن تجھ بن
بولتے وہاں نہیں مرغان خوش لہان تجھ بن

سیلیمان

مرشد زادہ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ سلیمان تخلص کہ محامد ذات قدسی آل

(۱) آتے ہیں (نخ)، (۲) خواب ہی میں (نخ)،

مهر و رخشان آسمان جلالت و ماه فردزان ببحر ایهت از تحریر و تقریر اقلام و السنه فصحا و بلغا
 مافوق است چون بفضل الهی در جمیع فنون دانشمندی یگانہ روزگار اند بمقتضای موردنی
 طبع که بادشاہان سلف را نیز بوده است اکثر ترش خیال را در میدان فصاحت می تازند
 و شعر خوب را از ہر کہ باشد دوست میدارند و رایا میکہ حکم ترتیب مجلس شاعرہ شدہ بود
 اکثرے از کاروانان این فن در حضور آمدہ حاضر می شدند۔ این فقیر حقیر ہم چون نسبت
 دیگران با وصف گوشہ نشینی درس کار زیادہ رسوائی داشت بگفتہ میراثا اللہ خاں
 حسب الطلب حضور با وصف کم بغلی و شکستہ حالی شریک مجلس یاران شدہ بود
 چنانچہ در ہمال تارخ بجلقہ ملازمان حضور درآمد و بعد چندے از کلام فقیر مخطوط شدہ
 در جائزہ قصائد مدحیہ کہ مشتمل بر تہنیت عیدین بودند بانعام تبریک مکرر سہرا حقرا از
 حسیض خاک باوج افلاک رسانیدند۔ و ہمچنین قلندر بخش جرات کہ پس از فقیر بعد سہ
 چہار ماہ دولت ملازمت حضور حاصل نمودہ بہ نوازش خسروانہ درآمدہ و نیز نوکر شدہ
 و میر سوز کہ سوت درویشی بہ قامت حال خود راست داشت در اوائل شاعرہ
 بانعام یک دو سالہ و یک پٹوسر فرازی یافتہ راہ خود پیش گرفت و میراثا اللہ خاں
 کہ بہ نائب و مختار حضور یعنی خاں صاحب و قبلہ خان زاد خان بہادر کہ ایشان در شعر
 فہمی و شرنو سی نظیر خود ندارند صیغہ اخوت خواندہ اند ہمیشہ مورد گوناگون الطاف خسرو
 می باشند و چند بار بانعام لائقہ قبا و گوشوارہ سرباہات برافراختہ اند حق تعالی این
 قدر شناس شعرا را کہ درس زمانہ دول قدر بخن با خاک یکساں شدہ بر تخت سلطنت و
 جہان بینی زو و سلطہ گرداناد و مراد دل دولت خواہان حضور کہ شب و روز دست
 بر دعا دارند زود بر آورد۔ آن زمان بیان داد و دہش بہت عالی کردہ خواہد شد۔ حالا
 کلام معجز نظام حضرت نوشتہ می شود و آل این است۔

آپ چاہیں تو ہمیں مل میں بلا سکتے ہیں
کوئی تقدیر کے لکھے کو مٹا سکتے ہیں
بواہوس اس میں کوئی آکے نہا سکتے ہیں
کوئی خورشید کو پرے میں چھپا سکتے ہیں
آپ چاہیں تو ابھی مل میں لا سکتے ہیں

ہم تو کب آپ تلک آپ سدا سکتے ہیں
جبہ سانی کا نشان جائے خبیں سے کیونکر
دھار ہے بحر محبت کی سروہی کی سی
اپنے کھڑے پہ دو سالہ وہ رکھیں گے تہ چند
تاج و تخت اپنے سلیمان کو یا شاہ خجف

جڑا جوں دھندگی پڑک رہی ہے
صبا وہاں اک مرا ہم تک رہی ہے
جہاں سے اس کا گھر دوڑ گئی رہی ہے
مری چھاتی سر پہروں لگ رہی ہے
تلاش پائے بوس سگ رہی ہے

دل اس کے سینہ سے یوں لگ رہی ہے
سلام شوق کہو بخبر میں جا
تاتی ہے مجھے وہاں نا توانی
ی طفل اشک آنکھوں سے نکل کر
ہمیں حاتم نط اس کی سلیمان

جیسے ماہِ تمام کا عالم
دیکھو اس کے خرام کا عالم
شب ہجراں کی شام کا عالم
کچھ عجیب دھوم دھام کا عالم

ساقیا ہے یہ جام کا عالم
کیک رفتار اپنی بھول گئے
اب خدا پھر ہمیں نہ دکھلائے
تجھ پہ ہر آن نون میں نام خدا

ہم کو اپنے گلے لگا لو
بس بس اپنی زباں سنبھالو
غیردوں کو نہی خوشی بلا لو

اوروں کی طرح سے اب نہ مالو
گالی نہ دیا کرو کسی کو
غرفہ میں سے جھانک پاس نہ پو

اور کم سے ہزار حیف پیاسے
ہے قافلہ عسکر کا روانہ
بت خانہ کی راہ کو سلیمان

منہ کو شرمائے کے یوں چھپا لو
رخت اپنا مسافر و سنبھالو
چھوڑ دو کم اور رہ خدا لو

گھر سے برقع جو الٹ وہ مہتاباں نکلا
مہ کو اور تھک جو میران خرد میں تو لا
رہ گئے ہوش و حواس و خرد و طاقت سب
یہاں ملک تیر فرہ کھائے ہیں میں نے اس کے
تیرے بیمار کی سنتے ہیں یہ حالت ہر کہ اب
واہ کیا توڑ تری تیرنگہ کا ہے کہ یار
سوزش دل کو بھی میرے نہ بچھایا کم نے
فتح دیکھو تو اسے یا شبہ مرداں کہ ترا

چونک اٹھی خلق کہ اس مہر و خشاں نکلا
اس سے تو حسن میں لے یار و خنداں نکلا
یوں ترے کوچہ سے میں بے سرو پا ناں نکلا
جائے سبزہ مے مرقد پہ نیستاں نکلا
جو گیا اُس کی خبر کو سو وہ گریاں نکلا
جس کے سینہ میں لگا پست پیکان نکلا
کام اتنا بھی نہ اے دیدہ گریاں نکلا
ملک گیری کو جو ہر اب یہ سلیمان نکلا

وہاں جو غیر سے وہ رات کو ہم کنار رہا
نشہ میں رات یہ ساتی کا انتظار رہا
قمار عشق میں اس بت سے میں نہ کچھ جیتا
یہ کس کے دستِ خوابستہ یا داتے تھو رات
نہ اس نے شرم کے مائے مری طرف دیکھا
کسی کے موتیوں کا ہار شب جو یاد آیا
تری جو زلف کو سو نگھایا تو ساری رات

ہمائے دل کو یہاں سخت اضطراب رہا
کہ صبح تک مجھے دردِ سر خار رہا
دل اک بساط میں تھا سوا سے بھی ہار رہا
کہ تا صبح مرے دل کو اک فشار رہا
میں اس سے رات کو ہر خید آنکھ مار رہا
تو تارِ اشک سحر تک گلے کا ہار رہا
زبانِ شانہ سے سنتا میں بار بار رہا

شب فراق میں ہیں کیا کہوں سلیمان آہ کہ کس طرح سے دل اپنا یہ بے قرار رہا

جب تیغ کو پکڑو وہ خونخواہ گھر سے نکلا
ہر موکر کے سوسو بل پڑ گئے کمر میں
کشتہ کو تیرے در سے افسوس لے کر کل
چھوڑا نہ جب گریبان دست جنوں نے میرا
روزن سے اُس نے اوپر جھک کر جو دیکھا
اس بت کے دیکھنے کو ترک دین وایاں
چہروں پہ عاشقوں کے زردی سی پھرتی تب
لوگوں کے خوف سے پھر کل شب کو میری خاطر
وہ شاہ حسن میرے اس ملک دل پہ یارو
کھول آہ کا علم اورے اشک کے قشوں کو
کچھ تو اثر کیا ہے دل کی ترے کشتش نے

تب میں بھی جان سے ہونیرا گھر سے نکلا
ٹپکا جو باندھ کر وہ بلدا ر گھر سے نکلا
اور تونہ اک قدم بھی لے یا ر گھر سے نکلا
تب حیر کر میں اس کو چار گھر سے نکلا
کھنکھار کر وہیں وہ عیار گھر سے نکلا
میں ڈال کر گلے میں زار گھر سے نکلا
جب باندہ وہ بسنتی ستار گھر سے نکلا
لاچار پھانڈ کر وہ دیوار گھر سے نکلا
جس دم کہ دوڑنے کو یلغار گھر سے نکلا
یوں میں بھی ہو کے اُس دم تیار گھر سے نکلا
پڑھتا جو وہ سلیمان اشعار گھر سے نکلا

شب دل سے مری آہ کا شعلہ جو اٹھا گرم
سج گرم، ہنسی گرم، نگہ گرم، ادا گرم
ہوں سوختہ میں آتش الفت کا طیبو
گرمی کا یہ موسم ہے تو خس خانہ سے اپنے

منقل کی طرح تابہ سحر سینہ رہا گرم
نتھنے کی پٹریاں کے ہر ان سبے گرم
لکھو نہ مرنے نسخہ میں تم کوئی دوا گرم
باہر نہ نکلنا کہ نہایت ہے ہوا گرم

جب کہ دیکھے ہر ترے طرہ دستار کے پھول

(۱) کہ جس طرح سے۔ (ن خ)، (۲) کے (ن خ)،

توڑ ڈالے ہر صبا باغ میں گلزار کے پھول

زگستان میں تو کیا سیرکناں پھرتا ہے
 کون کہتا ہے یہ ہے عقد ثریا۔ مہ سنے
 میرے کلدستہ کو مت سے تو چھری تشبیہ
 گالیاں سنیکڑوں سہرات میں اب نہ لگا
 گر لگا دٹ نہیں منظور تو کیوں پھینکتے ہو
 رات چوٹی کے ترے دیکھتے ہی پھندے کو
 چشم بد دور ادھر دیکھ ان آنکھوں سے
 کس طرح لوں میں بلائیں کروں کیونکر تقطیم
 ہاتھ پائی میں سلیمان وہ پری مجھ سحر کی

ہو گئے آج ترے کشتہ دیدار کے پھول
 نقرئی پھینکے ہیں تجھ پر سے کٹی کے پھول
 کہ یہ الفت کے ہیں گل اور وہ باز کے پھول
 دیکھو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مے پائے کے پھول
 متصل بیٹھ کے تم رخسہ دیوار کے پھول
 چونک اٹھائیں کہ ہر یہ منہ میں سیہ کے پھول
 صدقے لڑوائے تھے سوز گزین پائے کے پھول
 دست پائے گئے دیکھتے ہی پائے کے پھول
 میں نے بکھرا جوئے توڑ کئی بار کے پھول

(۸) سودا

شیر بیشہ سخندانى مرد میدان پہلوانى مرزا محمد رفیع المخلص بسودا پسر مرزا
 محمد شفیع کابلی کہ در عصر خویش سرآمد شعرائے ریختہ گو گزشتہ بعضے اور ادیبان
 بہ ملک الشعرائی پر تشبیہ کنند بعضی بہ سبب دریافت اغلاط صریح و توارید صاف و در
 بعضے اشعارش بہ جہل و سرقاہ تیر نسبت می دهند، غرض ہر چہ بود در روانی
 طبع نظیر خود نداشت۔ غزلہائے آبدار و قصیدہائے سحر کار و سوجوہا و تشوہائے متعدد
 و غیر ہم نگاشتہ خامہ خیالش بر صفحہ روزگار یا دیگر راست۔ دیوانش بہ فرنگ و صفایاں
 رسیدہ، دیگرے ایں شہرت در خواب ندیدہ۔ اگر در مثال بندمی اشعار غزل صائب
 و قتش گویم کیا است و اگر در علوم مراتب معانی ابیات قصیدہ خاقانی گویم رواں تقاش
 اول نظم قصیدہ در زبان ریختہ اوست، حالانکہ گوید پیر و شمعش خواہد بود۔ فقیر و عہد

نواب شجاع الدولہ بہادر روزے برائے دیدنِ این بزرگ بخدش رسیدہ بود بہ
 پرورشِ سگانِ ابرہیم شہ شوقِ تمام داشت۔ وہ یہ سب آگاہی علم موسیقی مرثیہ و سلام
 کہ گفتہ برسوزنہا دینِ آنہا نیز قادر غرضکہ شخصِ جامع الکمالات بود ہر جا کہ می رفت
 عزت و حرمتِ تمام می یافت۔ نواب مرحوم و مغفور نیز بودنِ او را در سرکارِ خود بسیار
 غنیمت می دانستند۔ وفاتش در لکھنؤ و مرقدش در امام باڑہ آقا باقر۔ رونے دریاہ
 محرم فقیر آنجا رفتہ بود کہ بہ ایامے بزرگے اتفاق زیارتش افتاد و نظر بر کتابہ فرش کرد
 در ہاں تاریخ و فاش گفتہ میر فتح الدین ماہر کہ ہدم و ہم نشیں او بود کندہ دید۔ تاریخ
 انیت ۷

خلد کو جب حضرت سوا گئے فکر میں تاریخ کے آئینے

بولے منصف و در کرپائے عنائے شاعران ہند کا سرور گیا

جوں تعمیہ ایں تاریخ خلافِ قانونِ مورخان بود در خیالِ فقیر گزشت کہ جنیں
 شخص را تاریخ گوئے با سیتِ آخر ہاں روز از تائید فیضِ ربانی تاریخ و فات اہلِ مرحوم
 و مغفور بے کم و کاست از خامہ خیالِ سحر کارِ مولف بیرون تراویدہ و از غایتِ انبساط
 و سرور کہ از موزونی ایں مصرعہ فصیحہ مادہ تاریخ کہ کاملان ایں فن را بدستواری دست
 و ہد خود طبیعت خود را ہزار آفرس گفتہ، آرتے تاریخ چنین شخص جنیں می باید۔ تاریخ۔

مرزا رفیع آنکہ ز اشعار ہندیش ہر گوشہ بود در ہمہ ہندوستان غلو

ناکہ خود نوشت بساطِ حیات را گردید فاش ز قضا خاک لکھنؤ

تاریخِ حلتش بدر آورد مصحفی سودا کجا و آن سخن و فریب او

من کلامہ۔ غزلِ سردیوانِ دوست۔

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا جوں شمع سراپا ہوا اگر صرف زباں کا

پرف کو یقیں کے درِ دل سے اٹھا دیکھ
ہم دیکھ صنم خانہ عشق آن کے لے شیخ
اس گلشن ہستی میں عجب دید ہے لیکن
دکھائے لیجا کے تجھے مصر کا بازار
سودا جو کبھو گوشس سوہمت کے سنے تو

کھلتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا
جوں شمع حرم رنگ چمکتا ہے بتاں کا
جب چشم کھلی گل کی تو موسمِ سحر خزاں کا
لیکن نہیں خواہاں کوئی وہاں حسن گراں کا
مضمون ٹھنی ہی ہر جس ل کی قعاں کا

تو نے سودا کے تئیں قتل کیا کہتے ہیں
جس سے پوچھا میں دل خوش ہو کہیں دنیا میں

یہ اگر سچ ہے تو ظالم اسے کیا کہتے ہیں
رو دیا اس نے اور اتنا ہی کہا کہتے ہیں

بدلاترے ستم کا کوئی تجھے کیا کرے
ظالم ہمارے نیش کو تشہیر ہے ضرور

میری طرح فریقہ ہوئے خدا کرے
آئندہ تا کوئی نہ کسی سے وفا کرے

عجب بیدا و مجھ پر یہ مرا صیاد کرتا ہے

دکھاتا ہے اُسے مجھ کو جسے آزاد کرتا ہو

لے دیدہ خانماں تو مرا ہی ڈبو سکا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہن
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہر عشق باز

لیکن غبارِ یار کے دل کا نہ ہو سکا
بازی اگر چہ پانہ سکا سر تو کھوسکا
لے رو سیاہ بچھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

تصو میں ترے کہو صبا اُس لابی سے

گلے لگ لگ میں دیارات تصویرِ نہالی سے

آدم کا جسم جب کہ عناصر سے مل بنا
کچھ آگ بچ رہی تھی کہ عاشق کا دل بنا

جو گذری مجھ پہ اُسے مت کہو ہوا سو ہوا
مساوا ہو کوئی ظالم ترا گریاں گیسر
پہنچ چکا ہے سر زخم دل تلک یارو
کے ہر سن کے مری سرگزشت ہر جسم
خدا کے واسطے آدر گذر گنہ سے میرے
دیا اُسے دل و دیں اب یہ جان ہر سوا
بلاکشان محبت پہ جو ہوا سو ہوا
مرے لہو کو تو دامن سے دھو ہوا سو ہوا
کوئی سیو کوئی مرہم رکھو ہوا سو ہوا
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا
نہ ہو گا پھر کبھو لے تند خو ہوا سو ہوا
پھر آگے دیکھے جو ہو سو ہو ہوا سو ہوا

حال دل سے مجھ تک وہ خبر نہ تھا
جو عمل چاہئے کیجے مرے دکھ دینے کا
پیار و اشتاق و وفا نہر و محبت الطاف
صحبتوں کا نہ کر وغیرگی مجھ سے اخفا
شب تری بزم میں سودا کو میں کچھ تک
خبر دم سر و کوئی محرم اسرار نہ تھا
وہ نہ کیجے کہ کب کوئی سزاوار نہ تھا
دل کو جس روز لیا کون سا اقرار نہ تھا
کونسی شب تھی کہ میں ہاں پس پوار نہ تھا
کچھ خموشی کے سوا اس کو سروکار نہ تھا

میں دشمن جاں ڈھونڈ کے اپنا جو نکالا
کہتا ہے نگہ سے یہ ترا گوشہ ابرو
اتنا ہے تو یوسف سے مشابہ کہ عدم کے
سو حضرت دل سلمہ اللہ تعالیٰ
دیکھے جو کوئی خون گرفتہ تو لگا لا
پردہ میں چھپا اُس کے تنیں جکڑ کالا

سودا گرفتہ دل کو نہ لاؤ سخن کے پیچ
پانی ہو بہ گئے مرے اعضا یمن کی راہ
جوں غنیہ سوز بان ہیں اُس کے بہن کے پیچ
باقی ہر جوں جناب نفس پیرہن کے پیچ

جس نے نہ دیکھی ہوشفق صبح کی بہار
کل رخصت بہار تھی بشنم صفت میں
سو دایں اپنے یار سے چاہا کہ کچھ کہوں

آکر ترے شہد کو دیکھے کفن کے بیچ
رویا مرا ایک گل کے گلے لگ چن کے بیچ
ایسی کی، اک ننگہ کہ رہی من کی من کے بیچ

یہ ہاتھ ہو سکے زلف اُس کی سر کہاں گستاخ
ضرور ہر ادب خفتگان خاک لے یار

نسیم دشانہ اگر ہو تو ہوئے وہاں گستاخ
قدم زمیں پہ نہ رکھ زیر آسماں گستاخ

بشنم کرے ہے دامن گل شست و شونو
ہمرہ صبا کے خاک بھی میری ہو در بدر

بلبل کے خون کا نہ کیا رنگ بو ہنوز
جاتی نہیں ہر مجھ سے تری جستجو ہنوز

قد کو تیرے جس جگہ مشق خرام نماز ہو
خطا کے آتے ہی طے اکثر غلامی سوز گل
شاعران ہند کا تو گو کہ سنجیدہ نہیں

اُس جگہ شور قیامت فرش پا انداز ہو
بندہ پروردیکھے آگے ہنوز آغاز ہو
پرچن شکنے میں لے سودا تجھے اعجاز ہو

کیا جانئے کس کس سونگہ اس کی لڑی ہو
ٹھیرا ہر تری چال میں اور زلف میں جھکڑا
گو پیر ہوئی شاعری سودا کی جوانو

جس کو چہ میں جا دیکھو تو اک لوتھڑی ہو
ہر ایک یہ کہتی ہو کٹک مجھ میں بڑی ہو
تم سے نہ کھنچے گی یہ کہاں سخت کڑی ہو

سودجوں شمع نہیں گرمی بازار مجھے
ہر قسم بھکون فلک دے تو جہان تک جا ہو
ہوں تصدق ترے لے عالم فانوس خال

ہوں میں وہ جس کہ آتش دے خریدار مجھے
جلوہ حسن اُسے حسرت دیدار مجھے
گو تحیر نے کیا صورت دیو ار مجھے

اے غم یار مرا خون جگر کتنا کچھ
نہ پھرا ملکِ عدم سے کوئی یارِ سودا
نظر آتی ہے فراخ و تری و شوار مجھے
جانا اب اُن کی خبر لینے کو لاچار مجھے

جس روز کسی اور پہ بیدار کرو گے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کرو گے

نہ بھول لے آرسی گریارِ سو تجھ کو محبت ہے
بھروسا کچھ نہیں اس کا یہ منہ دیکھو کی الفت ہے

گل پھینکے ہو عالم کی طرف بلکہ ٹر بھی
کیا ضد ہے خدا جانے مجھ ساتھ و گرنہ
اے خانہ بر اندازِ چمن کچھ تو ادھر بھی
کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

اس دل کی تَفِ آہ سے کب شعلہ بر آئے
ٹمک داغ سے چھاتی کے سرک جاے بھاپا
وے شکوہ کی رخصت جو ہیں شرمِ محبت
افھی کی یہ طاقت ہو کہ اُس سے بسر آئے
سب کام نکلتے ہیں فلک تجھ سوزِ لیکن
نامہ کا جواب آنا تو معلوم ہو لے کاش
دیتا ہو کوئی مرغِ دل اُس شوخ کو سودا
اب لے تو گیا ہے یہ اے دیکھو نادان
بجلی کو دمِ سر دے جس کی حذر آئے
آتش کے تئیں قدرت خالق نظر آئے
غنیہ کی طرح ٹکڑے ہو متہ تک جگر آئے
وہ زلفِ سیاہی اگر لہر پر آئے
میرے دلِ ناشاد کی امید بر آئے
قاصد کے بد و نیک کی مجھ تک خبر آئے
کیا قہر کیا تو نے غضب تیرے پر آئے
پل میں وہ اڑا تانا اگر بال پر آئے

لے آہ تیری قد اثر نے تو نہ جسانی
گو تجھ کو لقبِ ہم نے دیا عرشِ مکانی

کیا کیا ملے لیلیٰ نشان خاک میں سودا
گو اپنے مٹی محبوب کی دیکھی نہ جوانی
جس سمت نظر موج سرب آئے تو یہ جان
ہوئے گی کیسوزلف چلیا کی نشانی

بھر نظر تھکونہ دیکھا کبھی ڈرتے ڈرتے
حسرتیں جی کی رہیں جی ہی میں ملتے ملتے

نہیں معلوم کیا اس سینہ میں جرجر شمع جلتا ہے
دہواں نوک زباں سوا بات کرنے میں نکلتا ہے
مجھے تشنec گو کرتا ہر ناصح، یہ جوا نکھیں میں
بس ان خانہ خرابوں سے کس کا کچھ بھی چلتا ہے
خبر لے جلد سودا کی دگرز میں دیکھوں میں
سربانے اس کے بیٹھا ہاتھ سے تو ہاتھ ملتا ہے

صورت میں تو کتا نہیں آیا کوئی کبے
اک دھج ہر کہ وہ قہر ہے آفت ہر غضب ہر
دشنام تو دینے کی قسم کھاتی ہے لیکن
جب دیکھے ہر مھکودہ تو اک خندش لب ہر
یعقوب ترے عہد میں یوسف کو جو روتا
کہتا میں کہ یہ ہنم پیسر سے عجب ہر
کہتے ہیں جسے عشق سودہ چیز ہے سودا
جوں ذات خدا جس کا حسب ہر نسب ہر

جب اپنے بندِ قبا تم نے جان کھول دے
صبا نے باغ میں جاگل کے کان کھول دے

ساون کے بادلوں کی طرح سو بھرے ہوئے
یہ وہ نین میں جن سے کہ جنگل ہرے ہوئے
لے دن یہ کس سو گڑی کہ آتی ہر فوج اشک
نخت جگر کی نقش کو آگے دھڑے ہوئے

عارض چن خط سے دمک کیا ہر نور کی
یہ دود لڑ رہا ہے تجلی سے طور کی
طوفان طرازی مژدہ عاشقاں نہ پوچھ
کچھ آبرور ہی ہے نہ چشم تور کی

پاس اب ہمارے نگہت گل کو نہ لاسیم
سودا کو عاشقی سے رکھا چاہتا ہویا ز
دل سے ہوس چمن کی اسیری نے دور کی
ناصح نصیحت اپنی سے، خوبی شعور کی

باتیں کہ ہر گنیں وہ تری بھولی بھولیاں
ہر بات میں کنایہ و ہر یک سخن میں رمز
حیرت نے مثل آئینہ مند نے نہ دیں کبھو
کس نے کیا خرام چمن میں کہ اب صبا
اندام گل پہ ہونہ قبا اس مزے سے چاک
کیا چاہئے تجھے سر انگشت رحمت
سودا کے ساتھ صاف نہ رہتی تھی زلف یا
دل لیکے بولتا ہے جو تو اب یہ بولیاں
ہر آن میں کنایہ و ہر دم ٹھٹھولیاں
آنکھیں کسی نے دید کو تیری جو کھولیاں
لاقی ہے بوسے ناز سے بھر بھر کے بھولیاں
جوں خوش قدوں کے بریں سکتی ہیں چولیاں
جس بے گنہ کے خون میں چاہیں بھولیاں
شانہ نے پنج پڑ کے گرہ اس کی کھولیاں

(۹) سبقت

مرزا گل سبقت تخلص خلف مرزا علی اکبر۔ بزرگانش اہل خطہ فارس بودہ اند
وازد پشت و شاہجہاں آباد سکونت داشتند۔ بعد از وقوع ہنگامہ شاہ بہ لکھنؤ رسیدہ
وریں جاتوطن اختیار کردند۔ مشائرا لہ جو ان قریب فضیلت است وہیں جانشین و نمایانہ
در خوش اخلاقی و آداب صحبت و طریق تواضع و خندہ روئی و شکفتہ دلی باغ و بہار
دیدش بمقتضائے موزونی طبع فکر شعر ہندی موافق رواج زمانہ کردہ و از نظر قلندرش
جرات گذرانیدہ۔ اماچوں نیک نگاہ کنی بسبب معلومات فن و آگاہی نظم و شعر و
تصنیف قصیدہ غرار تہ شاعریش در نظم قصیدہ از استاد در گذشتہ۔ از دست
عرق شرم رکھے کیونکہ نہ پیشانی شمع
ہر خجل منہ سے ترے چہرہ تورانی شمع

کچھ بھی پروانہ کی رفراس نہ مفہوم ہوئی
سوز پروانہ ہویدا ہے سبھوں پر سبقت

جھوٹ کلا سبھی عواسے زباندانی شمع
پر کسو پر نہیں ظاہر غم نہیں شمع

غم نہیں کچھ شیشہ دل گرنے اور ٹوٹ جائے
قصہ مجھ سے بیکہ کے قتل کا جٹل میں
سوج میں رہے نہ کیونکر قالبِ نساں کو دیکھ

ہوالم اس کا جوشے بہتر بنے اور ٹوٹ جائے
کیوں نہ پھر قاتل کانت خنجر بنے اور ٹوٹ جائے
خاک کے پتلے کا یوں پکیر بنے اور ٹوٹ جائے

کیا کہوں اے سہد مومیر کہاں ل لگ گیا
جائیں اب کیونکر کہیں ہم مسکدہ کو چھو کر
ناقہ لیلی جو ٹھیرا وادیِ محنوں میں آہ

لگ نہیں سکتا کسو کے جو وہاں ل لگ گیا
آتے ہی اپنا تولے ساتی یہاں ل لگ گیا
بولے کیا تیرا بھی یہاں لے ساراں ل لگ گیا

رباعی

جو کچھ کہ کہا کسو نے سب کر گذرا
لیکن نہ ستم سے اپنے تو در گذرا

بن تیرے میں کیا کہوں جو مجھ پر گذرا
یہاں تک کہ گذر گیا میں اپنے جی سے

دیگر

پوچھو کوئی نہ اُن ملاقاتوں کو
کرتا ہوں جب اُس کی یاد میں باتوں کو

مست یاد دلاؤ وصل کی راتوں کو
پہروں نہیں بات پھر نکلتی منہ سے

دیگر

فرقت میں کسی کے آہ دُکھ بھرتے ہیں
ہیں نزع میں جلتے ہیں نہ ہم مرتے ہیں

شور و فغاں مدام ہم کرتے ہیں
افسوس ہے اپنی زندگانی افسوس

دیگر

اور جان تو انہی کیوں عبث کھوتا ہے
عاشق ہونے میں بس یہی ہوتا ہے

سبقت اتنا تو کس لئے رہتا ہے
کہتے نہ تھے ہم کہ عاشقی مت کرنا

دیگر

لیکن میں دست کیا کہ دشمن تیرا
اب ہاتھ مرا ہے اور اسن تیرا

بیدا و ستم اگر چہ ہے فن تیرا
ترسا ترسا جو تو نے مارا مچھو

دیگر

وہ کر گیا صاف اب کنار افسوس
افسوس ہوا نہ وہ ہمارا افسوس

الفت نے ہے جس کی ہم کو مارا افسوس
سبقت دل و جان سے ہو گئے ہم جس کے

دیگر

بس تب سے کیا ہر حشر برپا دل نے
ہم کو تو کیا خراب و رسوا دل نے

اُس آفت جاں کو جب سے دکھا دل نے
شکوہ کریں کس کا اور شکایت کس کی

نہ کوئی ہم سے ملے اور نہ ہم کسی سے ملیں

ٹھنی ہوا بیچل میں کہ کم کسی سے ملیں

کہیں لگتا نہیں ہر جی کہ صر جادیں کہاں بٹھیں
سر نیاز رکھ کے زانو پر جو ہم کر کے نغان بٹھیں

اٹھا دیتی ہر بتیابی تیرے بن ہم جہاں بٹھیں
قیامت ہو ابھی برپا اٹھے ہر گامہ حشر

حرفِ اشین

(۱) شیدا

شاگرد میر محمدی بیدار، جوان ظریف الطبع بود۔ معاش بہ علاقہ بندی میگرد

دوستہ در ہم چمن با عزت و حرمت بسر می برد۔ از مدتی در شاہجہاں در گذشتہ دیوانش
در شہر موجود است۔ از دوست۔

لیکے دل لے در بار و کیوں قسم کھاتے ہو تم
اک زلے شہر میں بانے تمھیں پیدا ہوئے
آگے تم سے کیا توقع ہوگی شیدا گو میاں
ہم نظر بازوں کے آگے سو کہاں جاتے ہو تم
ہر گھڑی تیغ و سپر لیلی کے دھمکاتے ہو تم
ایک بوسہ پر چھری تلوار تبتلاتے ہو تم

شیدا نہ جل کے جانا کو چہ میں آج اس کے
پتھر لئے کھڑے ہیں ہاتھوں کے بیچ لٹکے

(۲) شگفتہ

مرزا سیف علی شگفتہ خلف نواب شجاع الدلہ بہادر مرحوم و مغفور جوان خوش
خلق و با علم و حیا۔ پیشتر بیان تخلص مے فرمود۔ شعر خود را بہ مرزا کاظم علی جوان می نمود۔ از
خندے تبدیل تخلص نموده بجائے بیاں شگفتہ قرار دادہ۔ فکر سخن بعدگی و صفائی تمام
می کند و قصیدہ ہائے آیدار و رسلک نظم کشیدہ اند۔ فقیر ایشاں را در لکھنؤ دیدہ بسیار خوبی
پیش می آند من اشعار شاد۔
حکم اتنا نہیں کہ در کو دیکھ میرے مالہ کے ملک اثر کو دیکھ

پاس سے میرے وہ بت اٹھنے نہ پایا ہوتا
ایسا اسباب کوئی جمع خدا یا ہوتا

بوسہ لیتے ہوئے ہم دیکھو ادب کرتے ہیں
گالیاں دیتے ہیں آپ غضب کرتے ہیں

خرام تاز ترا بس مری نظر میں رہا تمام عمر ہی بیٹھا میں رہ گزریں رہا

آنکھیں چرا کے شب بے بہانے سے اٹھ گیا حرف مروت آہ زمانے سے اٹھ گیا

دل وجگر نہیں سینہ کے داغ کے نیچے جلے پڑے ہیں پتنگے چراغ کے نیچے

سوز ہجراں سے ساز کرتا ہوں تو نے جانا کہ اس کو صبر آیا

غم نہ کھالے دل اگر شب بے لف کی تاریکے پاس ہو رخ اُس کا یعنی صبح بھی نزدیکے

(۳) شرر

مرزا ابراہیم بیگ شرر شرر تخلص کے احوال ایشاں در تذکرہ فارسی بہ شرح و
بسط مرقوم است گاہ گاہ ہے خیال شعر ہندی ہم می کرد و دوسہ شعرا زونجا طراست۔
تمام عالم کو وہ پریر و اگر کبھی ہم کلام ہوو کلام سنتے ہی اُس کے منہ کو تمام عالم تمام ہوو

سامعان کا نہ فقط سننے سے دم رکتا ہو سرگزشت اپنی جو لکھنے تو قلم رکتا ہے

اسیروں کی زبانی اے صبا یس کی کہنی پر مگر گردن کا ڈورا کم ہو جو زنجیر پہنی ہے

(۴) شکوہ

محمد رضا فی شکوہ از آشیان مرزا قلیل جوان خوش خلق است۔ اگرچہ در شعر شہرت

نذار دام بہ سبب موزونی طبع سلیم انچہ گفتہ درست بستہ است۔ از دوست۔
 تھکو دلدار میں سمجھتا ہوں کیا غلط یار میں سمجھتا ہوں
 گرچہ کہتے ہو پھر بھی آؤں گا ہے یہ انکار میں سمجھتا ہوں

مت مل تجھے کہتا تھا میں ل اس سے زیادہ پانی نہ سزا اور بھی مل اس سے زیادہ

لے ہے شب و روز وہ شوخ سے مگر ایک اسے آہ مجھ جاں بلب سے

نہ اس کا وصل ہر ممکن نہ تاب ہر دل کو عجب طرح کا الہی عذاب ہر دل کو

تھوڑی بھی نیک بد کی گروہ تیز رکھے کافر ہو پھر جو اس سے دل کو عزیز رکھے

عجب دن وہ ہو گا جو یہ بات ہوگی کہ اس سے ہماری ملاقات ہوگی

(۵) شایق

میاں پیر محمد شایق جو ان صلاحیت شعار است۔ بیشتر شعر خود را از نظر میاں
 ہاشمی کہ ذکر ایشان در ردیف ما خواهد آمد میگذرانید۔ حالا از چندے بہ حلقہ شاگردی
 قلندر بخش جرات در آمدہ از دوست۔

کر شیخ و برہمن دیر اور کعبہ کو کہتے ہیں رہل سے ہیں غافل ورنہ اس میں نور سے ہیں
 تاشاد کی طرح جراح کے مرہم لگانے کا ہمارے زخم مانکے توڑ کر کھل کھل کے ہنستے ہیں

ذرا توپٹ کو اوجھل سو دکھا کھڑا کہ جی جاویں
یہ تیرے طالبِ پادِردت سے ترستے ہیں
جو لیکر جان عاشق سو ملیں غمِ بانِ ہندوستان
سمجھنا مست گراں شایق نہیں تو بھی ستے میں

ظلم کا شیوہ کچھ اُس ظالم کو ایسا یاد ہو
ہر گھڑی ہر لحظہ اک تازہ ستم ایجاد ہو
نچلے ہو کر بیٹھتے یکدم نہیں طفیلِ اشک
چشمِ گریاں کی بھی کتنی ناخلف اولاد ہو
جائے کعبہ کو یا کچے صنم خانہ کا طوف
حضرتِ دل آپ کا اب کیا ہیں ارشاد ہو
ہاشمی کی وضع پر تو گفتگو کر خستہ سوار
ورنہ فنِ شعر میں شایق ہر ایک استاد ہو

(۶) شہید

از دورہ میر و مرزا است - پختہ گو معلوم می شود - دو شعرا از عالمِ مکتبِ نشینی
یادوارم از دست -

گئے برباد اپنے نالہ و فریادِ قہمت
بہارِ آخر ہوئی تب ہم ہوئے آزادِ قہمت
شہیدِ آخرِ مقدّر تھا ہمیں حسرت میں جی دینا
ہمارے سر پہ آکر پھر گیا جلا دیا قہمت

(۷) شہرت

شاگردِ جرات است - از دست -

نامہ جوں ہاتھ میں لیا میں نے
دیکھ قاصد کو رو دیا میں نے

دل ڈھونڈتے ہو پاس مئے ل تو کہاں ہے
اک شعلہ آتش ہے کہ پہلو میں نہاں ہے

دودن کی ہر بات کہ پھرتے تھو حزن کے تھم
اب قبر پر ہمارے جو ان کا گزار ہے

آپس میں یوں وہ کہتے ہیں سب پڑھ کے تجھ شہرت تھا جس کا نام یہ اس کا مزار ہے

(۸) شوق

شاگرد مزارِ نسیم - از دوست -

شمع بنرِ لحدِ بادہ کشاں ہے شیشہ مصرعہ آہِ دلِ غمزدگان ہے شیشہ
حالِ ساقی سے مرا کچھ نہ کہا اور چلا میں جو دیکھا تو عجب پیہر ہاں ہر شیشہ

دامن سے تیرے خون نہ ہے بن بھر کر ہوئے غارت گروں کے ہاتھ سرماند طفلِ شک
چھوٹے نہ اپنا عشق تو قاتل مے ہوئے جانا ہوں نقدِ دل کو میں آگے دھکے ہوئے

شوق کو عشق میں سوائے دُعا لم ہو لے شکر صد شکر ترے پیچھے تو بدنام نہیں

سرِ شکِ گرم سے ہے دلِ کبابِ درتہ آب عرقِ ڈھلک کے جبیں سے چہِ ذقن پہ گرا
ہوا ہے چشم کا خانہ خرابِ درتہ آب صفائیِ حسن سے پہنچا یہ آبِ درتہ آب
محالِ عقل سے آنکھوں کو خوابِ درتہ آب گئی ہو نیند سرِ شکوں کے شوقِ طوفاں سے

حرف الصاد

(۱) صفدری

از زمرہ سلف است - از دوست -

سبز جامہ بر میں لے کے رنگ بھینا ہر دیکھو شمع کا فوری کو یہ فانوس مینا ہر دیکھو

موتیار اہل بھولی ہو گلابی باغ میں
 حسن کے مہاں کی خاطر کی ہو حاضر حاضری
 منہ پہ اس گلرو کے جوں شبنم پینا ہو دیکھو
 سبز خطاب کے نکداں پر پودیا ہو دیکھو
 لعل لب کا جس پہ یا قوتی نگینہ ہو دیکھو
 صفائی حکمت میں یار و شیخ پھنسا ہو دیکھو

(۲) صفا

کہ پیچ از نام و نشان خبر نہ دارم - مطلع از وہ بہ سمع رسیدہ ایں است -
 محتسب جھوٹ ہوئے کس فی بھری شیشہ میں رہ گئی ہو کہیں آنسو کی تری شیشہ میں

(۳) صادق

میر صادق علی صادق تخلص، فوجدار خان حضرت شاہ عالم بہادر شاہ غازی
 جوان سعادتمند است و خود بہ فوجدار می پیلان مرشد زادہ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ
 بہادر عز و امتیاز دارد - گاہ گاہ ہے بہ مقتضائے موزونی طبع و تبعیت حضور فکر شعر کردہ
 و میکند و از نظر میر انشا اللہ خاں می گذارند - از دست -

دے ملا خاک میں جب گردشِ فلاک ہوں اس کے ملن کی نکالے کوئی کیا خاک ہوں
 صادق اب اور سروکار نہیں اس سے مگر ایک بوسہ کی رکھے ہو دل غمناک ہوں

دوستی کیونکہ نبھے دیکھے اب یار کے ساتھ دیکھتا ہوں اُسے ہرقت میں غبار کے ساتھ

نصیب اپنی کہاں ایسے جو اس زحار کو ملے نہ ہے قسمت اگر منہدی ہی پائے یار کو ملے

عرق آلودہ گراس کا انگرکھا ہاتھ آجائے تو اس سے صادق اپنی سینہ انگار کوٹے

نہ آفتاب سے ہر ذرہ یہ چمکتا ہے
صبا لے آتی تھی بوباس کس کے کاکل کی
خدا ہی جانے لے کیا ہوا ہر لے صادق
وہ ایک نور ہے جو سب میں اچھلکتا ہے
کہ جس کی بوسے دماغ اب تلک ہلکتا ہے
کچھ آپہی آپ جو سینہ میں دل سلکتا ہے

جس نے دیکھا ہر تری جلوہ گری نقشا
تھی ہی چھب تختی غضب ایک تو اس کا فرکی
جلد آجلد دم باز پس میں میرے
کوئی دیکھے جو مرا زخم جگر لے صادق
اس کو بھاتا ہے کب لے یا رپری کا نقشا
تپہ ہر تہرہ پوشاک زری کا نقشا
نظر آتا ہے چرخ سحری کا نقشا
تیری بیداو کے ہر صاف سری کا نقشا

ہو نام خدا تجھ میں کیونکر نہ خود آرائی
تھی ایک تو کرتی ہی لای کی غضب تیر
کچھ اس سرائیوں میں کہتا ہوں تو کہتا ہے
انداز سخن یہ کچھ چہرے کی وہ رعنائی
ہر آفت جاں کا فراغ کیا کی یہ سکھرائی
دانتوں میں دبا انگلی لے لے یہ سوائی

۴ صبا

لالہ کا نجی مل صبا تخلص قوم کا سیٹھ سکینہ۔ وطن بزرگانش فیروز آباد و خودش در
لکھنؤ نشو و نما یافتہ فقیر و رایا میکہ و اردایں شہر بود چندے حسب اتفاق بر مکان^(۳) نشاں
اقامت داشت۔ مشار الیہ در آں ایام مقتضائے موزونی طبع شوق شریذ کردہ

(۱) نخ میں پہلا مصرعہ غائب۔ یہ دونوں مصرعے یعنی پہلے شعر کا پہلا اور دوسرے شعر کا دوسرا مل کے
ایک شعر بنتا ہے۔ (۲) نخ تیری بیداو کے ہر صاف سری کا نقشہ۔ (۳) مکان۔ دن خ

چیزے کہ بہ زبان خود می گفت آنرا از نظر فقیر با اعتقاد تمام میگذرانید۔ تا آنیکہ در عرصہ قلیل
دیوان مختصرے درست ساخت۔ طبعش خیال شاعر بسیار مناسب افتادہ بود اگر
عمرش وقامیکر و زیادہ ازیں قدم برجاوہ ترقی می نہاد اما حیف کہ بہ عمر سبت و پنج
سالگی در عین جوانی مدقوق شدہ درگزشت۔ از دست۔

عبث ہو یہ تمہارا پاس میرے بار بار آنا
جدا فی میں مجھے مشکل ہے اے یار و قرار آنا
یہی شغل اُس کے کوچہ میں ہے اب اٹھوں اپنا
بصد امید جانا دن کو شب کو شرمسار آنا
تجھے در و جدائی میں ترا عاشق کیا جی سو
صبا اُس گل کے دروازہ پہ یہ جا کر پکار آنا

جس روز ترے در پہ گزر ہم نے کیا تھا
اُس دن ہی تری خو سے صدر ہم نے کیا تھا
افسوس وہ آرام عدم میں بھی نہ پایا
جس کے لئے دنیا سے سفر ہم نے کیا تھا

سحر تب بستر راحت سے وہ رشک قمر اٹھا
غلامی اُس کی میں خورشید لے تیغ و سپر اٹھا
ابھی تسکین ہوئی تھی اک فردا فریاد زاری سے
لگا دل مضطرب ہونے کہ پھر درد جگر اٹھا
گلے پر میرے خنجر پھیرا وہ اور بھی لیکن
ہوئی مجھ سے خطا اتنی کہ میں فریاد کر اٹھا
نہیں معلوم لے یار و صبا کے دل میں کیا آیا
ابھی جو بیٹھے بیٹھے وہ یکایک آہ کر اٹھا

فنا ہیں ایک دن سب ہاں عمارت و گھر کس کا
یہ دنیا وہم ہے یار و پدر کس کا پسر کس کا
مجھے آتا ہے تجھ پر رحم اُس قاتل کے کوچہ میں
لے جاتا ہے نامہ آج تو لے نامہ بر کس کا

دن عید کے جو مجھ سے وہ نا آشنا ملا
روٹھا تو تھا میں لیک گلے اُس کے جا ملا

(۱) ”دواغ حسرت بر دل باقی ماندگان نہاد“ درگزشت کے بعد دن بخ

اس خاکدان سے جھاڑ کے دامن کو جوں صبا
ایسا گیا کہ پھر نہ سراغ صبا ملا

جلے دامن اٹھا کر یہ کہو اُس شوخ قاتل سے
تغیر رنگ میں تاب تو اس نے ہم سے چھوٹی
کے تھے عاشق لیلیٰ کہ میں اب چل نہیں سکتا
صبا ہم نے تو ہرگز کچھ نہ دیکھا جذبِ لفت میں
کہ یہ مدفن نظر آتا ہے رنگیں خونِ بیل سے
رعیت جس طرح پھر جائے ہے معز و اعلا سے
مجھے اے ساریاں تو باندھ دو دراکم محل سے
غلط یہ بات کہتی ہیں کہ دل کو راہِ دل سے

مجلسِ سواٹھ کے جب وہ رشکِ قمر گیا ہے
کیا سحر ہے کہ جا کر وہاں کا ہی ہو رہا ہے
بھٹکا پھرے سے محبوبوں لیلیٰ کے قافلہ میں
کیا تو نے کچھ صبا سے اے تندہ کو کہا تھا
اپنا تو روتے روتے نورِ نظر گیا ہے
اُس کی گلی میں یہاں سے جو نامہ بر گیا ہے
یہ پوچھتا کہ یارو محل کدھر گیا ہے
روتا ہوا ادھر سے با چشمِ تر گیا ہے

ازل سے سوزِ تیرے عشق کا جو سر میں تھا میرے
نہ آیا وہ میحالبِ دمِ آخر بھی بالیں پر
گیا میں جی کو اپنی پڑوہ سر سے گیا میرے
مواتو میں لے ارمانِ دِل میں ہا میرے

عاشقِ مضطر کا سوزِ دل نہاں کیونکر ہے
اے صبا سچ ہے جدائی میں بقولِ مصحفی
شمع کے شعلہ کی اے یارو زباں کیونکر ہے
درد مند و دستِ بے آہ و فغاں کیونکر ہے

ہاتھوں میں تیرے پیاسے یہ طائرِ خراب ہے
یا مرغِ دل کسی کا بسل ابھی کیا ہے

کبھی گلرو مرا جا کر جو دریا میں نہاتا ہے
فروغِ حسن سے گلزارِ پانی میں دکھاتا ہے

مصور جب کہ مار زلف کی تصویر کھینچے ہو تو ہاتھ اپنا وہ دہشت گرد تم تحریر کھینچے ہو

حرف الضاد

(۱) ضیا

میر ضیاء الدین ضیا تخلص گویند استفادۂ شعر در ابتدا از میر محمد تقی میر کردہ لطف پورب آوارہ شدہ۔ رفتہ رفتہ چند شعرش از زبان بعضی آشیان بہ سمع رسیدہ۔ میر حسن مصطفی ثنوی سحر البیان نسبت شاگردی خود بہ مشائرا لہ می رسانید و بسیار شاخوان و معتقد او بود۔ بندہ اور اندیدہ چند شعر کہ از وہم رسیدہ ایں است۔

گھر ہی کو اس کے بھولا یا راہ پھیر کی ہو یارب تو خیر کجیو قاصد نے دیر کی ہے

باؤ بھی کھائی نہ تھی دل نے کہ مر جانے لگا آہ یہ غنچہ تو کچھ کھلتے ہی کھلانے لگا
کل کی سوائی تجھے کیا بس نہ تھی لے ننگ خلق اس کے کوچہ میں ضیا پھر آج تو جانے لگا

کہا کیا جانے کیا میری طرف سے تجھ سے بد گونے کہ رفتہ رفتہ یہ احوال پہنچا یا مرا تو نے

پلائے آب خنجر ہم کو قاتل تشہ جاتے ہیں جو کوئی مرا ہو اس کی خلق میں پانی چواتے ہیں
ہو ماتم کس دوانے کا الہی آج صہرا میں کہ سیلیں دلتی پھرتی ہیں گجے خاک اڑاتے ہیں
ضیا رکھ ہاتھ سینہ پر خنجر کی ٹہنی لے ظالم کہ آج آنسو سے آنکھوں میں کچھ لو ہو سکتے ہیں

حرف ط

طیش (۱۱)

محمد امین طیش تخلص عرف مرزا جان کہ مولد والدش بخارا است۔ قوم مغل،
ہندوستان زرا از اولاد سید جلال بخاری، جو اپنے است پاسی پیشہ، ادا بند و ادا
بند، در سن شانزدہ سالگی طبع موزوں بہم سانیدہ چندے بخدمت مرزا محمد یار بیگ
سائل کہ ذکر ایشان بر صدر گزشت مشق سخن نمودہ و بعد ازاں رجوع بہ خواجہ میر درد
صاحب کردہ۔ شعر را بہتگی و پاکیزگی تمام می گوید و اسوایں ایں انجہ گویند و الشعر
است و خط صرافی و شاشتری ہر دو بخوبی تمام می نویسند و در خوش اخطاطی و آواز
و وضع ملاقات و صحبت داری بسیار بے نظیر با فقیر از چند سال رابطہ آشنائی در دست
دارد۔ از دست۔

ساقی ہر دورے ہر شب بہتایے لیکن یہی غضب ہے کہ تو مست خوابے

ریشک سے تیرے لعل گلوں کے غنچے پیاسے ہیں اپنے ہی خوں کے

دل کچھ اس وقت تملتا ہے آہ کون اس کو یاد آتا ہے

اس گلشن جہاں میں جو آیا سودا غ ہر گلچین روزگار سے کس کو فراغ ہر

نہ شہر بھاڑے نہ صحرا لگے بھلا بھکو
ابھی بیٹھے بٹھائے یہ کیا ہو بھکو

ہرگز نہ سلاسل سے ہو تسخیر ہماری
کچھ تیرے سلیقہ سے پھنسنے ہم نہیں صیاد

دشنام کا نہیں کبھی انعام کا نہیں
وینے لگا پیش جود لائن کو تو بول اٹھے

خاک سے جام کیا جام کو پھر خاک کیا
تو نے کیا کیا نہ کچھ لے کر دشا فدا کیا

کس کی طرف سے آج طیش بھکویا ہے
میں نے کہا کہ کہتا ہوں کچھ تم سے التماس

ناز ہو انداز ہے ہر دم نئی اک آن ہو
شاعر اکثر آئینہ رو کہتے ہیں معشوق کو

آئے تو ہو کہیں سے آخر ملے دے تم
آواز میری سن کر غرغہ سے جھکے بولا

کے ہو بیٹھوں ہوں محفل میں اس کی دور
خدا کسی کو نہ آزار عشق دیوے یار

اکل کھرا ہے کہ بیٹھا کرے ہر سب کے دور
کبھی نہیں بھی یہی عارضہ تھا اب کے دور

کبھی تو پاؤں کی ٹھوکر سرتیری آشنا ہوتے
اگر خوابیدہ کوچہ میں ترے جوں نقش پڑتے

کیا جانئے کس نے تجھے محبوب بنایا
چرس نے بنایا ہے بہت خوب بنایا

جوں کہا میں دل کو میرا تجھ سو اکوئی نہیں
مُنتے ہی بولا کہ اں سچ ہر ترا کوئی نہیں

ہماری شمع نے دیکھی جو اشکبار سی ات
کٹی بچاری کو روتے ہی روتے ساری رات
سرک سرک کے پلنگ پر چل چل جانا
یہی ادا ہمیں بس بھاگنی تمھاری رات

ترا وہ نامہ جو تھا ہم نے کر رکھا تعویذ
سو بعد مرگ ہوا وہی قبر کا تعویذ
نہ تیغ چل سکی مجھ پہ تو منفعل ہو کر
لگایا یہ کہنے کوئی اس کے ہر بندھا تعویذ

آپ کچھ مذکور پر میرے ہی مچتے ہیں خفا
میں یہ حیران ہوں کہ یارب میں نے کیا تقصیر کی

نہ گرا جب تن لاغر سے مے قطرہ خوں
کیا ہی جلا دیشیاں ہوا تلواری لگا

تو ہی لطفِ سخن مرا سمجھے
ورنہ کوئی یہ پہلی کیا سمجھے
میں تو ناحق یہ قصہ کہہ کہہ کر
تم سے کہتا ہوں مدعا سمجھے
رفتہ رفتہ کبھی سمجھ لو گے
ابھی تو آپ کی بلا سمجھے

ترے شہید کے اسبابِ غم نظر آئے
شبِ فراق کے کالے علم نظر آئے

(۲) طالب

طالب حسین خاں طالب تخلص سپریاں عسکری جوان رعناؤ کشیدہ قامت و خوش
خلق و خوش تقریر کہ دار و غلی خاصہ مرشد زادہ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر اتیاز تمام
دار و پیش ازین بمقتضائے صحبت مشاعرہ و شرکت جلسہ پاران موزوں الطبع برائے
خوشی مزاج اقدس و رزق لہائے طرحی حضورِ حیرے کہ موزوں کردہ بوداں را بہ نظر میر
انشار اللہ خاں کہ مرتبہ دوستیش باثبات بہ مرتبہ برادر می کشیدہ گذرانندہ چوں بفقیر ہم
باعقاد تمام پیش می آید چند شعرش کہ بہر سیدہ می نویسد۔ از دوست۔

دل ہی سینہ میں لوٹ جاتا ہوں	مجھ سے جب آنکھ وہ ملاتا ہوں
کیوں جلوں کے تنیں جلاتا ہوں	غیر سے مل کے شعلہ خونا حق
ہاتھ لیلیٰ کا آج آتا ہوں	مژدہ لے قیس تیری ادوی میں
سخت توجہ مرا پکاتا ہوں	غیر سے کر کے سخت و زانی
جلد آور نہ جی ہی جاتا ہوں	آج طالب کا عشق میں تیرے

اشکٹوں جم گئے ہیں پیر بھی ترگاں سے لپٹ	اوس جیسی کہ ہے خار مغیلاں سے لپٹ
دشت میں آہ شرر بار جو طالب نے بھری	ایک شعلہ گیا خاشاک بیاباں سے لپٹ

حرف العین

(۱) عارف

محمد عارف رفوگر کہ عارف تخلص سے کردا صلش از کشمیر است و خودش در شاہجہاں آباد

نشوونما یافتہ جوان و پیر شدہ معاصر میر و مرزا است۔ شررا بہ تلاش تمام می گفت و گاہ
گاہے بطور غنی خیال شعر فارسی ہم کردہ۔ دیوانش بعد فوتش بہ تدبیر کے از آشیان صورت
تدوین گرفتہ۔ فقیر ہر گاہ بہ دو کانش میرفت بسیار بہ دل گرمی پیش می آمد۔ از دست۔
اس ابر میں بے سانی دے جی یہی ہو ہر بوند کا کھانا مجھے ہیرے کی کنی ہے

ہمیشہ دل میں خیال نگار گزے ہے
نگاہ یوں دل عارف کو پار گزے ہے
چڑھا ہر خون شہیدان عشق بر سر چرخ
اسی خیال میں لیل و نہار گزے ہے
کہ جس طرح سے کہ صابن نہ تو مار گزے ہے
شوق نہیں ہے یہ لوہو کی دھار گزے ہے

طفل ہولی باز کے ہاتھوں سے بچا ہر محل
موٹھ سحر جلتی ہر جوتلی ہر یہاں مشت گلال

کوئی چھپتی ہیں پیار کی آنکھیں
اُن سے ہوتا ہے آشکارا خلوص

دختر رز سے جا کہو کہ لے
ور نہ عارف افیم کھاتا ہے

عظیم (۲)

مرزا عظیم بیگ عظیم تخلص اگرچہ شہرت بہ شاگردی مرزا رفیع سووادار و امار ابداحند
از شاہ حاتم استفادہ کردہ گویند چند روز در فرخ آباد کسوت قلندری بر خود داشت۔
حالا باز در لباس نیائی آمدہ۔ فقیر اورا در شاہجہاں آباد دیدہ جوان چمک رو بود اکثر
در مشاعر ہامی آمد و بر صدر مجلس می نشست۔ دعوائے شاعری خیلے در و مانعش جاوا

(۱) "و" ندارد (نخ) (ن) میں۔ (دخ) (۲) گرفتہ (نخ) (۳) بر خود است کردہ بود (نخ)

پتھ کس را بہ خاطر نمی آورد و خود را از ہمہ ممتاز میدانست با آنکہ هیچ علم و فن ندارد، مردِ
سیاہی پیشہ است۔ در شر تماشائے نمایاں می کند۔ یک دو قصیدہ ہم بقوتِ تمام
گفتہ۔ دیوانش بلا تشبیہ بہ کلِ حائل واقع شدہ۔ از دست۔

گل چشم خوں نشاں سے گلزارِ پیرِ سن تھا
کیجو عظیم کو بھی یارب غریقِ رحمت
اور معنی بندایا ہندی زباں کا صائب
اک دن جو گھر سے نکلا خطِ شعا کی صورت
اور ماسوائے اس کے کہتے ہیں مئے مرتے
دیکھا جو دفن کرتے جوں شمع پر ہونو فانوس
دامن کا تھا جو تختہ اک تختہ چمن تھا
آوارہ جنوں سا اک صاحبِ سخن تھا
ہندوستان سے لے کر مشہور تا دکن تھا
بکھرا ہوا بدن پر پیرا پیرِ سن تھا
عریاں تنی سوا اس کا خو گزریں بدن تھا
تربت میں دور تن سے بالشت بھر کفن تھا

یہاں غدر پذیرا ہو برے سے نہ بھلے سو
اچھے سے تو لے شیشہ بھی اپنے دموں پر
کہتے تھے دلا شیریں لبوں سے نہ مل اتنا
چھپتا ہے کوئی شمع صفت سوز دل اپنا
گلرِیز کی مانند جزائش کے عظیم اب
جوں غنچہ زباں نکلے ہو تک لب کے ہلے
نکلا ہے ترا ہاتھ جو تھر کے تلے سے
اب مثلِ گلں فائدہ کیا ہاتھ ملے سے
سر کاٹو اگر تو ہو نمودار گلے سے
لائے نہ کبھی بل مری بھول پھلے سے

پاسِ سخن پیچھے یہاں اس کی شان پر
تقریرِ سرگزشت نہ پوچھو کہ خامہ وار
گھر میں بھی اپنے آئینہ ساں منتظرِ ترا
نامِ آوری جہان میں ہو باعثِ کلنک
مانندِ خامہ سے جو سراپا زباں پر
آتا ہے گریہ ہر سرِ حرفِ بیان پر
حیراں کھڑا رہوں ہوں سداستان پر
نازاں نہ جوں نکلیں ہو تو نام و نشان پر

دل کے بھی غم سڑکڑے ہوئے اپنے قال پر
فارع ہیں کشمکش سے جہاں کے شکستہ دل
جوں غنچہ تب زبان کھلی عرض حال پر
پہنچے نہ ہاتھ شانہ کا چینی کے بال پر

غنیمت ہے غنیمت اس جا جو نفوس سن تو اٹھے
پڑے تحسین چو لہے بھاڑ میں اور آفریں ڈوبے

(۳) عاقل

عاقل شاہ عاقل تخلص جو نے بود سیاح در شہر جہاں آباد اکثر بہ بندہ خانہ برائے
شدیدن اشعار فقیر می آمد و بیار مخطوط می شد خود ہم چہرے موزوں می کرد از وقت
دیکھتے ہیں جو کوئی شہر جہاں آباد کو
قید بھی یہاں کچھ نہیں اور چھوٹ بھی سکتا نہیں
دیکھیں سب کچھ اور نہ دیکھیں کیا نظر بندی ہو
اپنے ہاتھوں آپ ہی کرتے ہیں سترن و جدا
یاد سے اس کی تو عاقل کوئی بھی غافل نہیں
واہ وا اس دام کو اور آفریں صیاد کو
دیکھئے اس کام کو اور کام کے استاد کو
ورنہ کیا طاقت ہو آفے اس جگہ جلاؤ کو
پر پڑی یہ یاد ہو جو بھولے اپنی یاد کو

(۴) عیش

مرزا حسین رضا عیش تخلص شاگرد میر سوز صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ جو ان خندہ
و خوش خلق و متواضع و خود بیس و بدش - از دست -

وہ اگر آئے لبت بام کہیں
کیا ہے یہ قطرہ قطرہ بے ساقی
میں بھی کر لوں اُسے سلام کہیں
یک بار می تو بھر کے جام کہیں
یہ غزل عیش ہو صدق سوز
مجھ سے ہونی ہنسی انصرام کہیں

عشقی (۵)

مراد آبادی فقیر اور آنولہ دیدہ بود شعرے از وہ خاطر است۔
کوئی تو ہے گلچہرہ کوئی سرورواں ہے دیکھا تو یہاں ایک سو ایک آفتِ جاں ہے

عظیم (۶)

جوانے بود سپاہی پیشہ یک غزل خود در آنوالہ پیش فقیر خواندہ بود۔ شعر از و
انتخاب افتاد اینست:

کارواں اشک کا ہوتا ہے رُواں آنکھوں سے
کوئی اگر تم میں سے چلتا ہے تو آجائے شتاب
کچھ نگہ میں نہیں آتا ہے بحرِ جلوہ یار
تم کو بھی آہ و فغاں ہم یہ خیر کرتے ہیں
ور نہ اب یار تو کوئی دم میں سفر کرتے ہیں
جبکہ ہم دل میں عظیم اپنے نظر کرتے ہیں

عشق (۷)

شاہ گھسیٹا فی عشق کہ در عظیم آباد بسیار بہ غرت و حرمت بصری برد از دست۔
روز و شب تجھ سے گولائیے
جتنے جو رو ستم ہوں تو کرویکہ
دل نے مچھکوبت تالی ہے
چین اس پر نہ ہو تو کیا کیجے
یہ نہ ہو گا شہمی گلائیے
کسی کا فرسے آٹھائیے

ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا
وہ آیا نظر سربار ہا پر کسی نے
نہ دیکھا سو دیکھا جو دیکھا نہ دیکھا
یہ حیرت ہے اس کا سراپا نہ دیکھا

تری چین ابرو مرا غم سے دل
خدا کی خدائی ہے قائم یہ تجھ سا
میں رو رو کے اشکوں کی شیشہ بازی
خدا جانے کیا منہ بھرائی ہے اس کو
سبھی دعوئے عشق رکھتے ہیں یارو

یہ عقدے ہیں وہ جن کو گھلتا نہ دیکھا
نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا نہ دیکھا
یہ ہنس ہنس کے تو نے تماشہ نہ دیکھا
لب زخم دل جو کبھی نہ دیکھا
یہ کوئی عشق سا ہم نے رسوا نہ دیکھا

سورات بحر غم میں فلک تو ڈوب سکا
کس رو سے طعنہ زن ہو خراباتیوں کو شیخ

یراک دن وصال کا تجھ سے نہ ہو سکا
خرقہ کو اپنے وہ تو ریا سے نہ دھو سکا

و مبدم دل کو مر نہیں آتا
خانماں کرچکا ہوں میں رباد
تو جو اتنا نہیں ستا ہے
خاک جو شہر میں لگی اڑنے

اس پہ بھی اُس سے مر نہیں آتا
اس پہ میرے وہ گھر نہیں آتا
کیا خدا کا بھی ڈر نہیں آتا
عشق کیا چشم تر نہیں آتا

کہنے کو ادھر ادھر گئے ہم
تاجان نہ ہو عدول حکمی

تھے تیری طرف جدھر گئے ہم
تو نے کہا مر تو مر گئے ہم

ہم نے تو خاک بھی دیکھا نہ اثر کرنے میں
رات کب آئے تم اور کب کو معلوم نہیں
جب تلک اشک تھیں بیٹھا اگر آیا ہے
تھجھ کو اسے دیدہ ترشنل ہو رونا لیکن

عمر کیوں کھوتے ہوئے دیدہ ترشنل نہیں
جان اتنی نہ رہی ہم کو خبر رونے میں
تیری صوٹ نہیں آتی یہ نظر رونے میں
ڈوبا جاتا ہے یہاں دل کا گھر رونے میں

جب ملک اشک تھے آنکھوں سے ہائے نکل
عالم عشق میں مجنوں بھی بڑا کاڑھ تھا
اب نکلتے ہیں پڑے کنت جگر رنے میں
یار مجنوں کو بھی ہم گاڑے ہیں رنے میں

کوئی بت کہتے ہیں اور کوئی خدا کہتے ہیں
دل کے دینے کے برابر کوئی تقصیر نہیں
ہم سے جو پوچھو تو دونوں سے جدا کہتے ہیں
جو مجھے کہتے ہیں سو یارو بجا کہتے ہیں

بات کہنے کی نہیں طاقت نکایت کیا کروں
عشق رخصت سے تو شور شراب برپا کروں

جوں آفتاب تاباں گونا نام کو بنا ہوں
گونا نام اور نشاں ہے ظاہر میں یار و میر
یہ پتو اہر تیرا ملک دیکھ میں کہاں ہوں
جو دیکھو فی الحقیقت ہوں ہم یا کہاں ہوں
باتیں نہ سن تو میری حل جائے گا دو آنے
میں برقی سماں ہوں یا عشق کی زبان ہوں

دل غم سے خوں ہو بہ گیا اور آنسو تم چلے
جاتے ہوئے دم کو کوئی روکے بھلا کب تک
آتا ہے جان ابھی کوئی دم میں ہم چلے
پہنچی ہے میاں صنف سے عشق کی حالت
آتا ہے تو آ جا کہ نفس باقی سوا بت تک
جو سانس یکا یک نہیں آسکتی ہر لب تک

دل سا جگر جو رکھے سو اس سے دو بد ہو
حسرت کو دل میں مت کھنٹھیر آزما لے
منہ دیکھو آئینہ کا جو اس کے رو برو ہو
حالت کو دیکھ میری کہتے ہیں گبر و مومن
ہم مر گئے بلا سے دنیا ہوا اور تو ہو
ہو شکل اس کی آساں یارب یا یک سو ہو

مری آنکھوں میں بتا اک جہاں تھا
خیال غیر وہاں آنے نہ پایا
ڈوبایا آہ اشکوں نے جو یہاں تھا
نفس کو چہ میں دل کے پاساں تھا

نہو مغرور اتنا بلبلو تم ہمارا بھی کبھی یہاں آٹیاں تھا
مگر نعرہ کیا تھا عشق تو نے زباں پر برق کی جوالہ یہاں تھا

کیا کیا جفائیں ظالم ہم نے تری سہیں ہیں لیکن شکایتوں سے لب آشنا نہیں ہیں
کہہ بعد قتل مچھو کس طرح چین آوے جو حسرتیں تھیں دل میں سچوں کی توں میں ہیں

اوروں کا جگر یا رجوتیروں سے ہے یہ عاشق جاں باختہ کس دن کس لئے ہے

نے درِ دول ہی باقی نے آہ نے فغاں ہے اے سوزِ عشق سچ کہہ تو ان نوں کہاں ہے

دیکھئے بن اُس کے اکدم چین سے رہتا نہیں اس دلِ کافر کے ہاتھوں سخت گھبرائے ہیں ہم

لے آسماں اپنا اور یہ زمیں دونو عاشق تو چھوڑ بیٹھے دنیا و دیں دونو

رباعی

کعبہ میں بہت خاک اڑائی ہم نے بت خانہ میں صوٹ بھی نہ پائی ہم نے
آخر کو کہا عشق نے ہم سے کچھ اور دیکھا تو یونہیں عمر گنوائی ہم نے

دیگر

دنیا کے لئے نہ ترک تازی کیجے ہر طرح سے عشق حیلہ سازی کیجے
ہم دل میں سمجھ کے اپنے انصاف تو کر کس زبیت پہ اتنی ٹہ باز می کیجے

دیگر

مست پوچھ کہ تجھ بغیر کیونکر گزری
دل ہی جانے ہے آہ جو نکر گزری
فریاد و فغان و آہ کرتے ہی ہے
اپنی تو تمام عمر یونکر گزری

حرف غین

(۱) غضنفر

غضنفر علی خاں غضنفر تخلص عرف میاں کہلو بنیرہ پیری غلام حسین خاں کردہ
کہ دراصل ایشاں کھتری بودہ اند و از مال دنیا نیز بہرہ وافی داشتند۔ جوان خلیق و
خوش وضع است و بہ شاگردی قلندر بخش جرات اتیان تمام دارد۔ از دست۔

تصور میں ہو اس سے دو بدوم
کیا کرتے ہیں پروں گفتگو ہم
گیا اب وہ گریاں ہی کہ جس نے
سدا رستے تھے مشاق رفو ہم
کھنچی دیکھی جو کل تصویر مخوں
تو گویا بیٹھے تھے بس ہو ہو ہم
کفن سے ہم کو دو آنسو بہانا
کہ بعد از مرگ پاویں آبرو ہم
نہ آیا مرنے دم بھی وہ غضنفر
چلے دنیا سے کیا پر آرزو ہم

(۲) غیرت

شاگرد جرات۔ از دست۔

یا ہمیں کو کہیں بلاؤ جی
اب تو صورت ہمیں دکھاؤ جی
ایکسی ڈھب سے آپ آجاؤ جی
جان آنکھوں میں آ رہی ہے جان

زندگی سے تنگ آیا ہوں بس اب آگے تو مت تاؤ جی
وہ بگاڑے ہزار تم غیرت اب اُسی سے بنائے جاؤ جی

۳۱ غلامی

تخلص شاہ غلام محمد از قدماست۔ با شاہ حاتم دوستی داشت و اکثر مثل
ایشان بر تکیہ شاہ تسلیم می نشست شعرے از دوست۔
کل جس کی نگہ تیر سی بر ماں ہوئی دل پر پھر آج وہی دور سے قاتل نظر آیا

حرف الف

۱۱ فراق

تخلص ثناء اللہ خاں برادر زادہ ہدایت خاں ہدایت جوان حلیم و حلیم و خوش
فکر و شیریں گفتار استغفادہ شعرا از خواجہ میر درد کردہ بلکہ ذات شریفیش را ہمیشہ از کمالان
اس فن قیاس میکرد آخر آخر پیش چشم فقیر تحصیل طب کردہ نام بہ طبابت بر آوردہ چنانچہ
حالا حکیم ثناء اللہ خاں شہرت دارد۔ دیوان رنجتہ اش شستہ و رفته است۔ فقیر تا
در شاہجہاں آباد بود رابطہ دوستی روز بروز روزی داشت و اکثر بانی صحبت
مشاعرہ ہا او بود۔ حق تعالیٰ آن عزیز را ہر جا کہ باشد سلامت دارد۔ از دوست
خنجر لو ہاتھ میں نہ میاں تم کٹا رلو اس صیدنا تو اں کو نگاہوں میں مارلو

یارانِ عدم سے کوئی کہد و کہداریں ہم پیچھے چلے آتے ہیں ہم کو نہ پکاریں

(۱) از ابکار انکار دوست دن خ

گل کا یہ منہ ہر کہ ہو اس کف پا کے نزدیک
آئینہ ہونہ سکے جس کی صفا کے نزدیک

کس زلف کا شیدا ہو مرادوں نہیں معلوم
ہر غنچہ میں بوہری تری ہر گل میں ترا رنگ
کیا جانے کدھر کشتی لگے نختِ جگر کی
سمجھائے کسی کے بھی سمجھتے ہیں دوانے
مجنوں کے سوا دیکھئے اب رشتِ جنوں میں
کس چشم کا زخمی ہے یہ سہل نہیں معلوم
جس پر بھی تری شکل و شامل نہیں معلوم
دریاے شکر شک اپنے کا سال نہیں معلوم
کیوں پاؤں میں پڑتی ہو سلاسل نہیں معلوم
ہو کون فراق اپنے مقابل نہیں معلوم

غیر کے دل میں نہ جایئے گے
کاسہ چشم کو لے در پیرے
زارِ ان خسرم و دیر کبھو
ولے اس اپنی سیہ نختی پر
میری آنکھوں میں رہا کیجئے گے
بے نوا یا نہ صدا کیجئے گے
میرے حق میں بھی نہ کیجئے گے
خواہش زلف رسا کیجئے گے

کروں کیا وصف میں صبا و تیری خوش نگاہی کا
متاعِ دل فراقِ ارزراں ہو یوں باز خوبایا
ہر اک دامنِ مکہ میں حال ہو کیا پشتِ ماہی کا
کہ جیسے مال بکتا ہے کسی مفلسِ سپاہی کا

آنکھوں ہی نے اُس شوخ سہیاں راہ کالی
گو جان سے جائے تو فراقِ اُس کے الم
ساتھ اپنے ڈوبو یا مجھے کیا چاہہ نکالی
پر دیکھو تو نے جو کبھو آہ نکالی

(۲) فیض

میر فیض علی فیض تخلص سپر میر محمد تقی میر جو ان صلاحیت شعار است بقتضائے

موزونی طبع کہ موروثی است، گاہ گاہ ہے بروضع خاندان خود لب بزم زمہ بخیت

می کشاید و اندکی حصہ از پدر ہم دارد۔ از دوست۔

نہ مانی تو نے میری اپنی ہی ضد یوفارکھی
شب وصل آئی تھی یار و سوس و لطفی سکوئی
کہ بوت جہت بت انداز سے نکلا ہی کی تیری
بنائے صانع قدرت نے کیا کیا پھول گل یونے
کہیں اب کس سو ہم جا کر ہمارے تو نے کیا کھی
ہمارے اپنے اُس نے درمیاں تلوار لکھی
ہماری خاک اُس کو چہ میں تو نے کب صبا کھی
مرے اس گلبدن میں کچھ داسے جد کھی

دور میں ساقی تے آنکے ہیں مے نوش ہم
سرفرو لاتے نہیں ژولیدہ مویاں عشق کے
بے زبانی کی نہ پوچھو جہ ہم سے کوفت میں
شوق میں تیرے کنار و بوس کے اے حُسن
دل نہیں رہتا کہ چھپ کر دیکھ لوں زلفِ فیض
جام خالی دے کر کیا تے نہیں بیہوش ہم
سایہ بال ہمارے میں پا پوش ہم
چوٹ کچھ ایسی لگی دل پر کہ ہیں خاموش ہم
موج کے مانند موجاتے ہیں سب آغوش ہم
عمر گزری نا کسی سوا پی ہیں پوش ہم

گل کھاموئے جنھوں کے لئے جسم زار پر
یاری کی مست امید رکھا کر قریب سر
کیا کیا طیور آ کے سر تیرے پھر گئے
فیض ساری صورتیں ہیں ٹٹنے والیاں
دو پھول بھی نہ لائے کبھی وہ مزار پر
میں ایک نہا تو ان ہوں بھاری ہزار پر
کچھ ان دنوں نہیں ہے ترا دل شکار پر
مست بھول آہ یہاں کے نقش و نگار پر

(۳) فغان

اشرف علی خاں فغان عرف کوکہ خاں معنی کوکہ احمد شاہ بادشاہ از دورہ سنائین

(۱) حصہ از عجب پدر ہم دارد۔ (ن خ) (۲) دیکھ لوں میں ورنہ فیض (ن خ)

است۔ شرابہ صفائی تمام می گوید و نسبت شاگرد می بندیم می رساند چنانچه خود گفته
 ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغان دودن کے بعد دیکھو استاد ہوتے گا
 درایا میکہ بہ سبب تفرقہ شاہ از شاہجہاں آباد برآمدہ بہ طرف پورب گذرا فگند و معرفت
 میر محمد نعیم خاں کہ ہم مکتب ایشاں بود بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ
 یکے از مقرباں گردید۔ در ہماں نزوے رونے نواب وزیر دستش را در عالم اختلاط
 فیلس سوختند آب در دیدہ گردانید و پیچ نہ گفت و آخر یہیں حرکت آزرودہ شدہ بہ طرف
 عظیم آباد رفت و در سرکار راجہ شتاب رائے بہ ندامت پیشگی پیش آمدہ اقتدار کلی بہرینہ
 بود و چند سال است کہ ہماں جا زندگانی را جواب دادہ۔ از دوست۔

مست قصد کر صبا تو دل و اغدار کا ظالم یہ ہے چہ سرخ کسی کے مزار کا
 کرتا ہے وصل میں درد دیوار پر نظر تجھ کو مزار پڑا ہے فغان انتظار کا

عالم کو جلاتی ہے تری گرمی بazar مرتے ہم اگر سایہ دیوار نہ ہوتا

رفتہ رفتہ بہت خوش قدم آفت ہوگا قدم آگے جو کھلے گا تو قیامت ہوگا
 کیا سبب ہو کہ نہ آیا مرے نامہ کا جواب خیر ہو یا رکی قاصد تو سلامت ہوگا

ایسی نگاہ کی کہ مراجی کل گیا قصہ مٹا، عذاب سے چھوٹے خلل گیا
 آئی بہار پھر تو یہ سن لہجہ فغان زنجیر کو ٹڑا کے دوانا نکل گیا

آنا ہمارے گھر میں تجھے عار ہو گیا ایسا فغان کے نام سے بنیاد ہو گیا

کچھ بس نہ چل سکا تو مری جان رو دیا
خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

آنکھوں نے بے سفینہ الفت ڈبو دیا
کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں
اُس کے وصال وہ بحر میں یونہی گزر گئی

گویا مرا چمن میں کبھی آستیاں نہ تھا

دلتکی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے

مجھ کو ہر شب ترمی زلفوں کی بلائیں لینا

تجھ کو روزی ہو مری جان عائیں لینا

یہ عشق ایسا ہی ظالم ہے ہاں مے صاب

فغاں نگہ ترمی کہنے کی احتیاج نہیں

نامح نہ دیر کیجیو ہر گز رنوکے بیچ
لو ہو مرا بہا ہی یاشت و شو کے بیچ

ٹڑپے ہر دست پھر کسی آرزو کے بیچ
قاتل کا داؤد خواہ میں کیونکر ہوں رنوکے بیچ

گزرا جو کچھ الم دل امیدوار پر
تجھ کو خدا نہ لائے ہمارے مزار پر
یہاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار پر

لکھنا اے نامہ بردر و دیوارِ یار پر
ممکن نہیں کہ غیر نہ ہوئے رکاب میں
کیا تو شبِ فراق میں جیتا رہا فغاں

تجھے بلی دہر میں ظالم کو سے ہر اخلاص

کبھی نہ گل سے محبت نہ بو سے ہر اخلاص

دشت میں ناقہ لیلیٰ کا گزر ہے کہ نہیں

دیکھتے خاک میں مجنوں کی اثر ہے کہ نہیں

توشہ راہ سبھی ہم سفران رکھتے ہیں تیرے دامن میں نغاں نخت جگر کہ نہیں

عاجز ہوں تیرے ہاتھ سے کیا کام کروں میں
گر روزِ جزا داغِ شب ہجر دکھاؤں
تا حشر نہ کم ہو دے گی ظالم پیشِ دل
جاتا ہے نغاں قافلہ ہم نفساں کل
کر چاک گریباں تجھے بذنام کروں میں
تو صبحِ قیامت کے تئیں شام کروں میں
کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں
کچھ راہ کے چلنے کا سرانجام کروں میں

ہو کر ترے قفس سے میں آزاد کیا کروں
نے زندگی میں وصلِ میر نہ بعدِ مرگ
بے بال و پر ہوں اے مے صیاد کیا کروں
عاجز ہوا ہوں اے دلِ ناشاد کیا کروں

مبتلائے عشق کو اے ہمدان شادی کہاں
آگئے اب تو گرفتاری میں آزادی کہاں

خط و پچھو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں
باوصیا تو عقدہ کشا اُس کی ہو جیو
ایذا نغاں کے حق میں یہاں تک روانہ رکھ
رونا جہاں ملک تھامری جان رو چکا
لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
مجھ سا گرفتہ دل اگر آدے نظر کہیں
ظالم یہ کیا تم ہے خدا سے تو ڈر کہیں
مطلق نہیں ہر چشم میں غم کا اثر کہیں
آنسو کہیں ڈھلک گئے نخت جگر کہیں

نہ دل چین میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں
کوئی مکان بھی میرے لئے ہو دنیا میں

کیا تجھ سے خوش ہے دلِ ناشادِ رفتگاں
اتنا بھی تو نہیں کہ کرے یادِ رفتگاں

دامندگانِ راہِ عدمِ کوشش کیجیو بانگِ جرس نہیں یہ ہر فریادِ رفتگاں

رکھتا ہے دوستِ چرخِ مرے دو واہ کو زلفِ سیہ سے ربطِ ہر نختِ سیاہ کو
مہرِ علی ہر دل میں نہ کر خوفِ روزِ حشر تو لے چلا ہے ساتھ قعائِ زادِ راہ کو

صیادِ راہِ باغِ فراموشی ہو گئی کنجِ قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو

تقویتِ ہر داغ سے میرے دلِ بیمار کو لے فلاطوں کیا مرض کہتے ہیں سناںِ ارکو
نقدِ دل لے کر قعائِ کا چھوڑ دینا ہر عبث گرم کرتی ہر حسرتِ بیداری تیرے بازار کو

مجھ مبتلا کی حشیم کہاں تک پُرا ب ہو لے دل خدا کرے ترا خانہ خراب ہو
جہمِ جہمِ پائے دوست مجھے روزِ جامِ مے تو مست رہ قعائِ ترا دشمنِ خراب ہو

کہتے ہیں فصلِ گل تو چمن سے گزر گئی لے عنذیب تو نہ قفسِ بیج مر گئی
شکوہ تو کیوں کرے ہر مے اشکِ سرج کا تیری کب آستین مے لو ہوئے بھر گئی
تتھا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں انصاف تو نہ چھوڑ مروست اگر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے یوں بھی گزر گئی مری ووں بھی گزر گئی
آخر قعائِ وہی ہر اُسے کیوں بھلا دیا وہ کیا ہوئے تپاک وہ الفت کدھر گئی

ڈرتا ہوں محبت میں مرا نام نہ ہوئے دنیا میں الہی کوئی بدنام نہ ہوئے
شمیرِ کوئی تیزی لینا مرے قاتل ایسی نہ لگانا کہ میرا کام نہ ہوئے

یعنی اُسے تربت میں بھی آرام نہ ہوئے
ٹک دیکھو سودا یہ ترا خام نہ ہوئے

آتا ہو مری خاک پہ ہمراہ رقیباں
جی دیتا ہے بوسہ کی توقع نہ فغاں تو

مری تقصیر کچھ ثبات نہیں اے میری کیا ہو
یگتاخی مجھے بھاتی نہیں اے بے ادب کیا ہو
گریباں چاک رہتا ہو فغاں اس کا سبب کیا ہو

صنم ناہریاں ہو اس قدر وجہ غضب کیا ہو
قدم پر ہاتھ جیب کھتا ہوں یوں کہتا ہو جھجلا کر
صبا ہر ایک گل سے پوچھو گلشن میں تو جا کر

میں صید بلاکش ہوں مرادام یہی ہے
میں عاشق صادق ہوں مرا کم یہی ہے
ہم خانہ بدوشوں کا سرانجام یہی ہے

دل زلف میں الجھے مجھے آرام یہی ہو
کر چاک گریباں تجھے ہر صبح دکھاؤں
بھرنجیو دامن میں فغاں نخت جگر کو

خفت ہوئی مجھے دل امیدوار سے
کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے
ہے دور مرتبہ مرے صبر و قرار سے

قاصد تو ناامید پھرا کوئے یار سے
کل دیکھتا ہوں کیا کہ سر راہ ایک شخص
میں نے دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز

فغاں میں اُس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے

انہی طرف سے ہاں مے صاحبِ نبہ ہے
کیا کیا ستم ہے مری چھاتی سرا ہے

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہے
مر جائے کسی کو نہ دنیا میں چاہے

ظالم تجھے قسم ہے جو اُس کو جلانے
قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہے دو
بے طرح جوشِ گل نے لگائی جمن میں آگ
تیرے ہی دل سے پوچھے اس غم کو ہاں فغاں
یہ دل بھی دل نہ ہوئے جو بھکود عانہ دے
بے مل تو اپنے ہاتھ سے شرط و فائدہ دے
ڈرتا ہوں آشیانہ کو کانسر جلانہ دے
الفتِ بری بلا ہے کسی کو خدا نہ دے

اثر کرتی نہیں اُس تکے دل میں آہ کیا کیجے
عجب حالت ہے میری اے مے اللہ کیا کچھ

یار اگر جفا کرے چاہئے دل و فاکرے
یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

میں اپنے دردِ دل کہنے کے صدقے
ترے سُن سُن کے چپ رہنے کے صدقے

نہ کھولے ترے بندِ قبا تو کیا کیجے
دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو دایہ کیجے

نے ہمیں گل سے غرض ہے نہ تمنا چمن
کیا اسیرانِ قفس کے تئیں پروائے جمن

ترے فراق میں کیونکر یہ دردِ ناک ہے
مرے تو مر نہیں سکتا ہے تو خاک ہے

(۴) فدوی

محمد محسن فدوی تخلص ولد میر غلام مصطفیٰ خان قوم سید حسینی بہ لاہور تولد یافتہ و
شانزدہ سالہ درسن آمد فرخ سیر از سیلا و خود بہ شاہجہاں آباد آمدہ۔ فدوی قدیم ہیں است
در شعر شاگردِ شاہ مبارک آبرو بودہ۔ طرزِ شعر بطورِ قدما اکثر منتظم باہام است و از بسکہ

بزرگانِ درویشِ بودہ اند خود ہم اوقات بہ درویشی گزرانیدہ و سرگز نوکری نہ کردہ۔
تار را بخوبی می نواز د۔ تا فقیر در شاہجہاں آباد بود گاہ گاہ ہے بر سر کوچہ و را ہے
ملاقات می شد۔ از دوست۔

یار جو ہم سے سدا چیں حبیب ہتا ہر نہیں معلوم بلا کونسی پیش آتی ہے

۵، فدوی عظیم آبادی

از نامش اطلاع نہ دارم۔ از دوست
وہ کاتر ہماری شب تار ہے بے دیکھنا صبح کا عار ہے

ہو ساتھ کہ حسرت دلِ مرحوم سے نکلتے عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سنکلتے
قطعہ

شب ہجراں کی اور تو فدوی ہم سے تقیر کر نہیں آتی
پریوہ رات ہو کہ جس کی ہیں صبح ہوتی نظر نہیں آتی

۶، فدوی لاہوری

شاگرد صابر علی شاہ صابر تخلص گویند بقال پسری بود تو مسلمان شدہ و بہ غلامی
مرزائی نام برآوردہ و تربیت یافتہ۔ مرزا محمد رفیع درہجو او کہ مذکور بقال و بوم آوردہ
اس کنا یہ دلیل ساطع بر مقولہ مؤلف است۔ الحاصل چوں ازاں طرف آوردہ شدہ
بہ ملک ہندوستان رسید دعوائے شاعرئی در دماغش جاداشت و زیادہ از مرتبہ
شاعری قدم در راہِ امر دپستی می گزاشت چند جا خانہ جنگی ہم کردہ و بہ کو دکان حسین
(۱) ن خ میں "محمود" ہے لیکن حاشیہ پر "محمود"۔ (۲) شاعری خیلے در دماغش۔ (ن خ)

تعلیق: رزیدہ۔ اکثر اعضائیں دیدم کہ مجروح بودند۔ درایا میکہ از شاہجہاں آباد و کھنڈر آمد
 در آں روز ہا فقیر در آنولہ بود کہ شورش او بہ سمع رسیدہ آخر رونے برائے دیدنش رنم
 او باش چند گرواوشستہ دیدم صحبت شرمیان آمد بعد چند روزے شنیدم کہ بہر کار
 نواب محمد یار خاں کہ ذکر ایشان گذشت نو کر شد ہر گاہ بعد دوسہ ماہ میاں محمد قائم وغیرہ و
 فقیر ہم باریاب مجلس ایشان شدند بسبب برسم زدگی مزاج نواب کہ بیان آں موجب
 تطویل است برخاستہ رفت و بعد شکست ضابطہ خان و سرکرتال از مٹہہ ہا باجل طبعی در
 قصہ مراد آباد و گذشت۔ عمرش از بجاہ متجاوز خواہد بود و گفتن قطعہ طویل در ہر غزل
 بد طولی داشت و نازش شاعری او اکثر برہیں بود حسب الفرائض نواب ضابطہ خان
 کہ پیش ازیں چندے رفیق ایشان نیز بودہ است شنوی زلیخا را زبان ہندی نظم میکرد
 چنانچہ اونا تمام ماندہ۔ کلامش بر زبان بازاریان بسیار و اوسا تراست۔ از کلام او
 چند اشعار کہ بہم رسید ایں است۔

ابر و کی تیرے تیغ سو سو ج ڈرے ہوئے پھر تاپنے منہ پہ سپر کو دھکے ہوئے

قامت کو تیرے دیکھ مصور نے بانوس کھنچی تسلیم آہ سے تصویر ہوا پر

ٹلتے ہیں کوئی ہاتھ چلے یا زباں چلے ہم داوخواہ ساتھ ہیں اس کے جہاں چلے
 کیا ہسری ہو تیر کی اس تیر آہ سے یہی ہی تیر ہے کہ سدا بے کساں چلے
 سر پر تو دھر کے نقش سہاری کو تا مزار ہر اک قدم پہ روتے ہوئے خوفشاں چلے
 لائے تھے سر پہ دھر کے کس خلاص سہیں بس آنکھ اوجھل ہوتے ہی لے دوستاں چلے
 یاروں نے اپنی راہ لی قدوی ہیں رہے وہ چیز اب کہاں ہے کہ پوچھے کہاں چلے

(۱) کیٹھرن (دن خ) دن، یہ ہی ہے تیر ایک (۲)

یہ سرو نہیں باغ میں ہے آہ کسی کی زکس نہیں تکتا ہے چمن راہ کسی کی

دیکھ کر ناقہ لیلیٰ کو پکارا محسنوں مر گئے مشق جنوں دشت میں کرتے کرتے
ایک دن اُس نے دکھائی تھی مجھ کو دشِ حشم وہ ادا یاد رہی یار کی مرتے مرتے
نہ ہیں تابِ خموشی ہے نہ یار اے سخن بات بھی تجھ سے جو کہتے ہیں سوڑتے ڈرتے
کس کو جینے کی توقع ہے بقولِ فدوی عمر آخر ہوئی پیاناہی بھرتے بھرتے

آنسو نہیں یہ دیدہ تر میں بھرے ہوئے موتی ہیں آبدارِ صدف میں دھمے ہوئے
خالی کران کو دل کے نشانہ پہ ایک بار ترکش ترے مژہ کے ہیں چاروں بھرے ہوئے
فدوی ہمارے دیدہ گریاں کے فیض سے اشجار کوہ و دشت کے یکسر بھرے ہوئے

تماشا ہو اگر آئینہ بے زنگار ہو پیدا تحیر کے مکاں سے عکسِ دے یار ہو پیدا
کھلے بالوں میں یوں چکے ہو تیرا عارضِ رخسار کہ جوں ابرسیہ میں برق سو سو بار ہو پیدا
جسے کچھ نکتہ تحقیق سے پہنچے خبرِ فدوی اُسی کے دل میں عشق حیدر کرار ہو پیدا

سب اہل جہاں پھرتے ہیں غمناک زمیں پر اوقات کوئی کاٹے گا کیا خاک زمیں پر

(۷) فدوی

مرزا عظیم بیگ سوداگر کہ اوہم فدوی تخلص میکرد چند شعرا زو بہر سیدہ انیت۔
یار گوشہ میں ہے اوریش سے مایوسی ہو نقشِ پاتک بھی مے درپے جا سوسی ہو

مجھ پر ظلم یہ خفا باعث
کچھ تو میں بھی سنوں بھلا باعث
ایک تقصیر بھی تو ثابت ہو
بے جہت رہتے ہو خفا باعث

(۸) فدا

مرزا فدا علی حسین خاں فدا تخلص ولد آقا مرزا نبیرہ نواب حاکم خاں دراولاد
سلطان قراوالہ مشائرا لیسہ در علم رمل بے نظیر و در فن طبابت وغیرہ دستگاہ نیز دارد
جوان شائستہ، عمرش دریں زمانہ بست و دو سالہ باشد کہ از ابتدا اشعار خود را بہ پسر
قمر الدین منت و والد او ہم می نمود و از چندے بہ سبب قرب جوار غزلہا کے خود بہ فقیر

(۱) فدا کے حالات کے متعلق نسخوں میں اختلاف پایا جاتا ہے لہذا اختلافی عبارتیں را پورا اور خدا بخش کے
نسخوں کی جگہ ذیل میں نقل کر دی جاتی ہیں۔

نسخہ رام پور، مرزا فدا حسین فدا تخلص قوم مغل اللہ وردی خانی ولد آقا مرزا کہ ایشاں در فن رمل
نظیر خود ندارد۔ جوان شائستہ عمرش دریں زمانہ بست سالہ خواهد بود کہ از ابتدا اشعار خود را
بہ پسر قمر الدین منت یعنی میر نظام الدین می نماید و از چندے بہ سبب قرب و جوار رجوع ایں امر
بہ فقیر ہم دارد، و غزل درست بستہ بہ سر انجام می رساند۔

نسخہ خدا بخش، مرزا فدا حسین خاں فدا تخلص نبیرہ نواب حاکم خاں ابن نواب غضنفر خاں
دراولاد سلطان قراوالہ شائرا دہ دشت قب چاق بود جوان شائستہ عمرش دریں زمانہ
بست سالہ خواهد بود کہ از ابتدا کے اشعار خود را بہ پسر قمر الدین یعنی میر نظام الدین می نماید
و از چندے بہ سبب قرب و جوار رجوع ایں امر بہ فقیر ہم دارد و غزل درست بستہ بہ سر انجام
می رساند۔ از دست۔

می ناید چنانچہ در فن شرم بد رستی سلیقہ دارد - از دست -

تھا ہم آپ ہیں اس سے یہ دم رہ نہ رہے تھے فراق میں لے یا رہم رہے نہ رہے

چاہت سے بخیر ہے ہمارے تو یا حریف

ہم چاہیں اور ہمیں تو نہ چاہے ہر حریف

جو او دھر کو گذر تیرا کبھی باد صبا ہو گا

تو کہیو جاں کنی میں تھا فدا اب مر چکا ہو گا

نہیں کھاتا وہ قسم غیر کے گھر جانے کی

سچ جو بچھو تو یہی بات ہر مر جانے کی

کس طرح عمر بسر کیجئے دلدار بغیر

زندگانی نظر آتی ہے نہیں یا بغیر

تیرے بیمار کو کیا شربتِ عیسیٰ سے ہو (۱۲)

کچھ دوا اس کی نہیں شربتِ عیدار بغیر

کر علاج لے لب جاں بخش شامی اپنا (۱۳)

ہم تو بیمار ہیں اس زکس بیمار بغیر

ہوں فدا جب کے میں دیوانہ لگیوے تیرا (۱۴)

چین آتا نہیں زنجیر کی جھنکار بغیر

لے تو ہی کچھ عشق نہ نہیں تجھ سے یا دل

قربان تیری جان یہ ایسے ہزار دل

نا کام کیا رہیں گے کچھ کام کر رہیں گے

بدنام ہوں گے تو بھی اک نام کر رہیں گے

دل تو دیا ہے جان بھی دیں گے فدا ہم آخر

آغازِ عشق کا کچھ انجام کر رہیں گے

طاقتِ ثواب کہاں ہو اک دم رہا ہر باقی

اس ناتواں میں تیرے لے دیکھ کیا ہر باقی

(۱۱) زندگی تو نظر آتی ہی نہیں یا بغیر (ن خ)، (۱۲) اشعار از ۲ تا ۴ ن خ میں نہیں ہیں۔

بیمارِ غم کا تیرے سب کرچکے ہیں چار ا
گو چھوڑ کر فدا کو پہلے ہی تم سدھارے
دیدارِ یار تیرا اب دیکھنا ہے باقی
اس کے بھی ہم ہوں کا اک قافلہ باقی

قسم تو کھائی ہو بولنے کی پھلوے جو آتا
کیا ہو کیا جرم ہم نے ایسا ہو جس عیا آتا

نہیں ہو باقی کوئی تمنا ہیں تو ہر طور یاں ہسکی
نہ اپنے جینے کا ہو بھروسہ نہ اسکے ملنے کی اُن ہسکی

غیر کی تم نے کی خوشی اور ہیں خفا کیا
خوب کیا بھلا کیا خیر بہت بجا کیا

کچھ اپنے تو نزدیک خطا ہم نہیں کرتے (۱) آپہی ہو خفا تم کو تھا ہم نہیں کرتے
میں بھی جو کسی بات میں بولا کہ کر دیوں (۲) تو کہنے لگے تیرا کہا ہم نہیں کرتے
میں نے جو کہا عفو کر داب مری تقصیر (۳) یوں سر کھلا ہنس کے کہا ہم نہیں کرتے
مختار ہمارا ہو ہی ہم تو ہیں بے بس (۴) واللہ جو کرتے ہیں فدا ہم نہیں کرتے

تیروں کا ان بتوں کی دل آماجگاہ ہے
وہاں ہمنارِ غیر سے وہ رشکِ ماہ ہے
یہاں آہ آہ کرتے ہیں ہاں واہ واہ ہو
یہاں کنجِ غم میں شکوہِ بختِ سیاہ ہو
ظالم یہ جرمِ دل ہو کہ عاشقِ ترا ہوا
قتلِ فدا عبث ہے کہ یہ بے گناہ ہو

دل تو اب آکے لگا تجھ سے شمعِ کار کے ساتھ (۱) دل لگے تو ہی تبا کون سے دلدار کے ساتھ
دشتِ مشاطہ نہ یوں کھینچ تو بید روی سے (۲) جاں ہے وابستہ مری طرہ طرار کے ساتھ

(۱) یہ شعر اہل کتاب میں نہیں ہے۔ (۲) نخ میں اشعار ۲ تا ۷ بھی شامل ہیں۔

بتلا عشق کا اک شخص فدا نام جو تھا (۱) مر گیا سر کو ٹپک کر کسی دیوار کے ساتھ

ہوش و حواس گم ہیں بخود ہیں بخیر ہیں (۲) کیا جانے کون ہیں ہم کس جا ہیں اور کدھر ہیں
دولت لے عشق کی ہم سلطانِ بحر و بر ہیں (۳) سینہ ہوا ہے بے نم آنکھیں تمام تر ہیں
لے آہ نیزہ بازی سینہ میں بچ کے کچھ (۴) لیریز آبلوں سے اپنے دل و جگر ہیں

شفا پاوے ابھی بیمار تیرا جو دیکھے اک نظر ویدار تیرا

یہ مرض قابلِ شفا ہی نہیں (۵) درد میرے کی کچھ دوا ہی نہیں
مجھ کو اب تجھ سے کچھ گلا ہی نہیں (۶) تو تو وہ آشتنا رہا ہی نہیں
ساتھ غیروں کے ہے نظر بازی (۷) کبھی ایدھر کو دیکھتا ہی نہیں
تاب و طاقت نے ہو جواب دیا (۸) کیا رہا اب تو کچھ رہا ہی نہیں
سیکڑوں کشتہ تغافل ہیں (۹) کہتے ہو میں نے کچھ کیا ہی نہیں
کیا کوئی سر جھکا کے ہونے لیل (۱۰) ہاتھ تیرا کبھی اٹھا ہی نہیں
خونِ دل اب تو بیٹھے پیئے ہیں (۱۱) زندگانی کا کچھ مرا ہی نہیں
اور ہی اُس کی ہو گئی ہیت (۱۲) کل جو دیکھا تو وہ فدا ہی نہیں

جویائے وصالِ یار ہیں ہم (۱۳) رسوا و ذلیل و خوار ہیں ہم
تیری جو نگاہ میں سبک ہیں (۱۴) ہر ایک کے جی پہ بار ہیں ہم
دل کو نہ قرار ہے نہ ہے صبر (۱۵) بے صبر ہیں بے قرار ہیں ہم

کہو اُس بیوفا سے یہ تو تم سے دوستاں ہوگا
رہائی دام سے صیاد کے دشوار ہر دم کو
چلوں کیا بہر طوف کعبہ باندہ احرام میں ابد

کہ اے نامہریاں پھر بھی کسو پر مہریاں ہوگا
چمن میں دیکھئے پھر بھی ہمارا آئیاں ہوگا
کہ کافر دل مرا وہاں بھی پرستارتاں ہوگا

کیا کروں جاؤں کہاں کہہ اے بتِ خرم کام میں
نا کوئی قاصد نہ مرغ نامہ بُرنا ہے صبا

عشق میں تیرے ہوا ہوں جا بجا بدنام میں
کس طرح سے یار کو بھجوں فدا پیغام میں

موئے افسوس ہم درد نہاں کس سے عیاں کرتے
اگر قیدِ نفس سے چھوٹتے جیتے تو ہم کیا
اگر جیتے جنوں میں اب کے ہم تو اشکِ خونیں سے

یہ حسرت گنتی کچھ دردِ دل اُس سے بیاں کرتے
چمن میں پھر گلوں کے پاس نیا آئیاں کرتے
ہر اک جنگلِ فدا رو رو کے مثلِ شکستاں کرتے

دوستاں دور کرو درد نہاں کو مے
روزِ خواہش میں تیرے وصل کی میں متا ہوں
سالہا جس کے لئے گریہ یعقوب کیا
باغ میں گل کی ادا دیکھ جو میں مری گیا

مجھ تک لاؤ کسی طرح سے جانی کو مے
نامہ بر کہو یہ سچا م زبانی کو مے
کوئی لاتا نہیں اُس یوسفِ ثانی کو مے
بلبلیں آئیں فدا مرثیہ خوانی کو مے

جب تک تو ہی مرے درد کا چارہ نہ کریں
بیوفا یار کو کس طرح سے میں سمجھاؤں

زندگانی ہی کو دل اپنا گوارا نہ کرے
تا میرے رو برو غیروں سے اشارہ نہ کرے

(۱) ن خ میں یہ شعر نثار داس کی جگہ یہ شعر ہے

بہار آتی ہے اب کے خوب یادِ یونین کر لیں

کہ یہ شیرِ جنوں اور موسمِ گل پھر کہاں ہوگا
یہاں سے فدا کے باقی تمام اشعار ن خ میں نہیں ہیں

(۲) مرغ نامہ بر ہے نے صبا (ن خ) (۳) یہاں سے فدا کے باقی تمام اشعار ن خ میں نہیں ہیں

کون پہنچائے برا نامہ و پیغام اُسے
میں تو اُس سے نہ ملوں ہائے کڑواں سکویا
جس کے کوچہ میں کبوتر بھی گزارا نہ کرے
اُس کی الفت جوئے دل سوکنا را نہ کرے

اُس جھاکار کی جس وقت مجھے یاد آئی
تیرا سایہ طرفِ آب رواں دیکھا تھا
باغ میں چاک گریبان ہر اک گل نے کیا
قتل پر میرے تو انگشت بدنداں جو ہوا
شب جواک معئے مژدہ اس کا میں لے آیا تھا
اک بگولا سا گلستاں کی طرف اٹھتا تھا
آگے اُس بت کے فدا طاقِ گفتار ہر کب
آہ لب پر وہیں کرتے ہوئے فریاد آئی
ہر شناسا در کو نظر شکل پر یزاد آئی
جیکہ بلبل بہ گرفتاری صیاد آئی
آج کیا جی میں تے لے مے جلا د آئی
اک پری خواب میں لے خنجر فولاد آئی
کل صبا خاک مری کر کے جو برباد آئی
بات کہنی مجھے اُس وقت خدا داد آئی

موتے مژگانِ بٹاں خنجر فولاد ہیں سب
اب پسینے کی جگہ خوں ہے بدن سو جاری
شاعری چھٹ ہی گئی میں نے کئے علم حصول
لکھنؤ ہی یہ برا شہر جہاں مجھ سا شخص
میں نہ دیکھوں گا فدا شکل پر دیوں کی
خو برد جتنے ہیں حق میں مے جلا د ہیں سب
بال گویا کہ مے نشرِ فضا د ہیں سب
لیکن اُس کے بھی جو ہیں قاعدے وہ یاد ہیں سب
یوں ہے برباد بلا سے اگر آباد ہیں سب
طارِ دل کے لئے میرے یہ صیاد ہیں سب

نفس میں جیسے ہو مرغِ نفس تہ و بالا
کے ہے چین کشاکش میں بجز رستی کی
سحر کو فکرِ معاش اور شب کو عشقِ بٹاں
ہماری آنکھوں نے اب کے جو خشک سالی کی
کرے ہے دل کو یہ بانگِ جرس تہ و بالا
جباب وار ہیں سب ہم نفس تہ و بالا
ہمیشہ دل کو رکھے ہے ہوس تہ و بالا
تو لوگ کیسے ہوئے اس برس تہ و بالا

جو مسجدیں بھی بناؤ تو نیک نیت سے
کرے نہ زلزلہ جن کے کلس تہ و بالا
فدایہ آہ تھی کسی ابھی جو کی تو نے
جگر کی ہو گئی ہر ایک نس تہ و بالا

شق جو قبریں ہیں انھیں سمجھو نہ گل کا اضطراب
مرے پر بھی نہیں مٹا ہر دل کا اضطراب
رہ گیا آتش یہ جم کر کس طرح سے یہ پسند
کھو دیا کس نے تے عارض کے تل کا اضطراب

حرف قاف

(۱) قدرت

مولوی قدرت اللہ قدرت تخلص در عربی و طبابت مہارت تامہ دارد، بندہ اور
تا در شاہجہاں آباد بود اکثر میدید۔ بیان ثناء اللہ خاں فراق ماسوائے شاگردی و استغاثی
دوستی تمام داشت۔ ازوست۔

زلفوں میں اگر دل یہ گرفتار نہ ہوتا
یوں روز مرا آہ شب تار نہ ہوتا
ہم دام میں پھنتے ترے صیاد تب آکر
رہنا جو قفس میں ہمیں دشوار نہ ہوتا

(۲) قدرت

مولوی قدرت اللہ قدرت تخلص مولف تذکرہ ہندی گویان کہ بالفعل در امپور
استقامت دارد فقیر اورا در ایامیکہ بر رفاقت نواب محمیدار خاں عز و امتیاز داشت
بیش محمد قائم روزے دیدہ بود ازوست۔

لاکھوں جلادے مروہ صیالہ ان میں
فیض دم مسیح ہی اس کی زبان میں

(۱) قدرت کی جگہ ن ح میں قائم ہے۔

نکلی تھی رات دل سو مجھے بیدار آہ
انصاف بھی ضرور ہے یہ ظلم تا کجا
ہنگامہ ایک پڑ گیا ہفت آسمان میں
لاکھوں کے گھر توجہاتے رہا امتحان میں

قیس (۳)

مرزا احمد علی بیگ عرف مدار ایک قیس تخلص ولد مرزا مراد علی بیگ ابن داؤد بیگ
کہ سوداگر متمول بودا، پیرہ مرزا عاقل بیگ کلید دارِ روضۂ امام موسیٰ رضاؑ۔ وطن بزرگاش
مشہد مقدس و خودش بہ کھنڈ و فیض آباد تولد و نشو و نما یافتہ۔ بمقتضائے موزونی طبع ہر چہ
کہ موزوں کردہ از نظرِ حنفی حسرت گذرانیدہ۔ از دست۔

میں کہوں کچھ اور تیری گفتگو کچھ اور ہے
ایک ناس دل کے ہاتھوں بنے گی جان پہ
دل تو ہم سولے چکا ہر وہ بے گاہم نشیں
شاید اس گل ہو کیا ہر تو نے شب بوس دکنا
ہو گیا کچھ اور میں یا آج تو کچھ اور ہے
وہاں ارادہ اور کچھ یہاں آرزو کچھ اور ہے
اب تلاشِ دل نہیں ہو جستجو کچھ اور ہے
آج تو اے قیس تیرا رنگ رو کچھ اور ہے

بات گئی ہاتھ پھرتی نہیں
باغ میں کس گل کی ہو آمد کہ جو
جب سے ہوا غیر کا وہاں بند و بست
جب سے لگی اس بت کا فرسے آنکھ
یا گیا جان تو جاتی نہیں
ہنگہت گل پھولی سہا تی نہیں
خیر و خبر دل کی کچھ آتی نہیں
موت تو کیا نیند بھی آتی نہیں
کیا تری تھر کی تو چھاتی نہیں
داغ پہ تو داغ جو کھاتا ہے قیس

وصیت ہر مرا احوال گر نوع دگر ہووے
تو مجھ کو دفنِ ہاں کچھ جہاں اس کا گذر ہووے

چاہت کی لذتوں سے جو لوگ بخبر ہیں صد حیف اُن کا جینا وہ کون سے بشر ہیں

دل مضطرب کا دیکھا عجب اضطراب اُٹا ہوا اور مضطر اُس نے جو ذرا نقاب اُٹا

ہوا آتا تیرے کو چہ میں اپنا شعار ہے ملنا نہ ملنا آگے ترا اختیار ہے

نگ بجناسے شیشہ دل توڑتا کر بس اٹھ چلے نہ کھیل کو پیاسے بگاڑ کر

تن پر مے زخموں سے جاگ نہ ہیں خالی ہر اور ہائے ستم اُس نے پھر تیغ سنبھالی ہر

وہاں وہی ناز کی اک آن چلی جاتی ہر شدت شوق سے یہاں جان چلی جاتی ہر
کونسا رشکِ چمن باغ سے کرتا ہے سفر جو صبا بے سرو سامان چلی جاتی ہر
کوئی جھڑکی نہیں دے ہر کوئی دے ہر شام عشق میں اپنی ٹہنی گدراں چلی جاتی ہر

رہی تن من کی سدم کو زین کی یادگاری یہ بھلائیں وہ ہیں تھڑپیں پھر ایسی یاری میں

شبِ فراق میں برہم جو مجھ سے یار رہا تو میں فراق نصیب اپنے من کو مار رہا

(۴) قدرت

شاہِ قدرت اللہ قدرتِ تخلص کہ بہ طرفِ عظیم آباد قیام دارد شخصِ کنہ مشق و بات
وقدرت است۔ اما فقیر اور اندیدہ۔ یک غزلش کہ برالہ صغیر و کبیر جاریست و شہرت تمام

یافتہ باخند شعر دیگر بہ سلم آوردہ - از دست -

کس کی نیرنگی یہ برق خاطر مایوس ہے
صبر و طاقت تو کبھی کے کوچ یہاں سے کر گئے
حسن کو اپنے ہوا داروں سے کاوش ہو ملام
کل ہوں اس طرح سے ترغیب دیتی تھی مجھے
گر میسر ہو تو کیا عشرت سے کیجے زندگی
صبح سے تا شام ہوتا ہونے گللوں کا دور
مُنتے ہی عبرت یہ بولی اک تماشائیں تجھے
لے گئی بیکارگی کو غریباں کی طرف
مردیں دو تین دکھلا کر لگی کہنے مجھے
پوچھ تو ان سے کہ جاہ و مکنّت دنیا سے آج
ایک ہی پڑے کے یہ سب سمجھئے تو ہیں لاپ
کل تو قدرت پائے خم کے تھی تسبیح ریا

جو شرر دل سے اٹھا سو جلوہ طاؤس ہے
اب وداع تنگ ہے اور رخصت مایوس ہے
طرش یہاں شمع کی برق دل قانوس ہے
کیا ہے ملک روم کیا ہی سر زمین طوس ہے
اس طرف آوازِ طبل اودھ صلیکے کوس ہے
شب ہوئی تو ماہ رویوں سے کنار دیوس ہے
چل دکھاؤں تو کہ قیدِ آرزو کا مجوس ہے
جس جگہ جان تناسو طرح مایوس ہے
یہ سکندر ہے یہ دارا ہے یہ لیکناؤس ہے
کچھ بھی ان کے پاس غیر از حسرت و فوس ہے
گر صدائے بانگ ہے ورنعمہ نا قوس ہے
آج رہن جام سے یہ خرقہ سالوس ہے

آہستہ رو رفیقوں نے منزل کو طے کیا رفتار تیز نے مرتے ناقد کو پے کیا

حسرت اے صبح طرب ہم سے وطن چھوڑی ہے
اب ملک تیرے شہیدوں کے بن ہر موسیٰ
مژدہ اے شام غریبی کہ وطن چھوڑے ہے
لاکھ فوارہ خوں زیرِ کفن چھوڑے ہے

ہم پر ایام مصیبت آج پھر آنے لگا یار گھر جانے لگا اے دے گھر جانے لگا

(۱) سہ شعر دیگر - (نخ ۱)، رکھتے تھے (نخ ۲)، تری (نخ ۳)

سینہ اُس کا ہر دل اُس کا ہر جگر اُس کا ہر
تیر بیداد جدھر رو کرے گھر اُس کا ہے

تیک دی مری آہ پہلے قدم میں میں قوت تری لے اثر آزمائی

(۵) قائم

قیام الدین علیؒ قائم تخلص اگرچہ طغش قصبہ چاند پور است اما بہ سبب توسل نوکری
بادشاہی اکثر در شاہجاں آباد می بود و در آں روز ہا در توبخانہ ہم اسامی داشت بمقتضای
موزونی طبع و استعداد درست انچہ کہ موزوں می کرد از نظر مزار فیع می گزرانید و
بخواجہ میر درد نیز اعتقاد داشت فقیر اوراد ایام ذومئی بہ لباس درویشی در سرکار
نواب محمد یار خاں کہ در آں روز ہا تازہ وارد بود دیدہ - در پختگی کلام و پتی مصراع
نعل و رویہ قصیدہ و شتوی وغیرہ موافق رواج زمانہ دوش بدوش استاد راہ میر و بلکہ
در بعض مقام غلبہ میجوید - در آں ایام باعث قصیدہ خواندن و نوکری شدن مولف در سرکار
نواب موصوف ایس بزرگ شدہ بود، بالفقر در عرصہ قلیل بسبب سلیم فراچی و نسبت تام
شاعری رابطہ شدید ہم رسانیدہ - کاغذ ہائے مسوۃ اشعار نواب را کہ برائے اصلاح
میش او می آمد از کم دماغی بدست مشورۃ فقیر می داد چنانچہ سہ ماہ بہیں طور یکجا گزرانیدہ ام
و شام و چاشت بیک سفرہ کردہ، واللہ کہ یاد آں صحبت گذشتہ داغ ناکامی بر دل درود
می گذارد. الحاصل بعد بر ہم خوردن آباد می کہیتر و صورت گرفتن کا فیض اللہ خاں اچو
والہ بر سرکار نواب احمد یار خاں پسر نواب موصوف دخل شدہ چیرے موافق زمانہ
تقریر داشت - اما اوقاتش در آں بہ فراغت نمی گذشت لہذا برائے رہا کردن دیہات
قدیم ملک دیومیہ وغیرہ قصبہ مذکور لکھنؤ گذرانگندہ و از راجہ ٹکلیٹ رائے بہادر شہجانی

(۱) قیام الدین علی عرف محمد قائم قائم تخلص (دخ) (۲) موی (دخ) بجنہ (۳) رحمان میجوید (دخ) (۴) بکینہ (دخ)

و پروانہ جات بنام عامل آنجا درست کنا پندہ بروہ بود کہ بعد فائز شدن بر مطلب حلیش در
رام پور رسید و فائز شہر بہ شہر انتشار یافت - از دست -

پڑھ کے قاصد خط مرا اُس بد زبان نے کیا کہا
کیا کہا پھر کہ بت نامہ زبان نے کیا کہا
غیر سے ملنا تمہارا سن کے گو ہم حب ہے
ر سنا ہو گا کہ تم کو اک جہان نے کیا کہا
قائم اُس کو چہ سے شب نمکیں نہ آتا تھا تمہیں
کیا کہوں تجھ کو کہ اُس کو پاسبان نے کیا کہا

جلوہ چاہے ہو اُسے اُس بت ہر جانی کا
نہ پریشان نظری جرم ہے بیستانی کا
چھوڑ تنہا مجھے یارب انھیں کیونکر گدے
غم جنھیں آٹھ ہر تھا مری تنہائی کا
مارے ننگ کو مجھ نام سے سبحان اللہ
کام پہنچا ہے کہا تک مری رسوائی کا
صحن صحر کو سد اشک سے رکھنا چھڑکاؤ
بس دانا ہوں میں قائم تری مزرانی کا

یہ کہو تو قاصد کہ ہے سینا م کسی کا
پر دیکھو لیسنانہ کبھو نام کسی کا
اب تک بھی میں جتیا ہوں جو آنا ہو تجھے آ
پھر فائدہ جب ہو ہی چکا کام کسی کا

نہ وعدہ اُس کے ساتھ نہ پیغام کیا کہوں
پوچھے کوئی سبب جو مے انتظار کا
قائم جو کچھ کہ ہوگی سمجھ لیجو بعد مرگ
اب جیتے جی تو دید اڑا اُس دیار کا

جو کو کہن تجھے قوت ہی آزمانا تھا
عوصن پہاڑ کے شیریں سہول اٹھانا تھا
معاملہ ہے یہ دل کا اسے کہے گا وہ کیا
پایمبر کے ہیں ساتھ آپ جانا تھا
کہو کہ گورِ غریباں میں رکھیں قائم کو
کہ اُس کا بیتے بھی اکثر وہیں ٹھکانا تھا

صدقہ میں اس گزشت کے کیا کیا گزر گیا
گر شب میں دل کو جمع کیا جی بکھر گیا

عیش و طرب کہاں ہر غم دل کدھر گیا
کیا کہتے ناتوانی غم کی حسدایاں

دیکھا میں جو کچھ صبح اُسے شام نہ پایا
دیکھی تو کہیں اس میں تیرا نام نہ پایا
پھر بالش نخل سے میں آرام نہ پایا

اک ڈھب پہ کسجودہ بت خود کام نہ پایا
فہرست میں خوابان و فادار کی پیاسے
اک شب وہ کہیں گودی میں سویا تھا سو قایم

تم سلامت رہو بندہ کے خریدار بہت
تم کو خواہندہ بہت ہم کو طر حدار بہت
ان دنوں ہاتھ میں ہم رکھنے ہو تلوار بہت
مرچکے ہیں اسی آزار کے بیمار بہت

ہو گرایے سی مری شکل سربزار بہت
ہمدگر جب بھگی آئی تو جھگڑا کیا ہے
سیج کو قتل پس کے یہ مکر باندھی ہو
قائم آتا ہے مجھے رحم جوانی یہ پتری

ہم سحر تک تھے پیچ و تاب میں رات
ورنہ آئے تھے ایک عذاب میں رات
دل گراستاید اضطراب میں رات

زلف دیکھی تھی کس کی خواب میں رات
خوب نکلے ہم اُس کے کوحہ سے
لیک خالی سی کچھ لگے ہے بغل

چس میں یہ دوری ہو وہ کیا خاک محبت

چاہے ہیں یہ ہم بھی کہ رہے پاک محبت

جیتے جی جاتیں کوئی ہم ترے گھر سے باہر
ایک بوند آئی ہے سو خون جگر سے باہر
بستلی ہی پڑتی ہے تلوار مکر سے باہر

گو کرے ہم کو کسی طرح تو در سے باہر
تم کو کیا قدر ہے اے دیدہ مے رُنے کی
تھی تو اک بات یہ کیا کہتے کہ بہاں تو پیار

دیکے دہتے مجھے ہر وقت کل جاتے تھے
ایک سودا کی تو قایم نہ کہوں میں ورنہ
دل میں اب آئے ہو، جاؤ گے کدھر سے باہر
ہے ترا طور سخن حسدِ بشر سے باہر

پی کے کے غیر کے ہے شبِ باہ
سینہ کا وہی ہی کام ہے کچھ اور
ہے کلنا تری گلی سے محال
خبر و ہیں سو طلبِ قایم
واہ وارحمت، آفریں، شاباش
کوہکن بود مردِ سنگ تراش
بس کہ ہر سو پڑی ہر لاش پہ لاش
دائے بر عاشقی کہ ہو قلاش

رکھتا ہے جو تو صفائے عارض
اک صافی تن بگل میں بھی لیک
اس سینہ سو منہ رگڑنے لے داغ
بیعانہ میں مہر و ماہ دیکھے
کس سے کہوں اس کے منہ نقشہ
کیا دور جو حشر ہو دے قایم
موتی نے کہاں یہ پائے عارض
ایسا وہ کہاں سے لائے عارض
اُس کی تھی کبھو یہ جائے عارض
تیرا ہو جہان یہاں عارض
لے دے دے حسین دہائے عارض
کھ مات جو وہ دکھائے عارض

آج آپ مرے حال یہ کرتے ہیں تانسف
لے کر یس قافلہ دل نام ہے اک یار
خاموشی بھی کچھ طرفہ لطیفہ ہے کہ قایم
اشفاق و عنایات کرم ہر تلمطف
یہ خستہ بھی نبھ جائے جو یک دم ہو توقف
کرنا پڑے جس میں نہ تصنع نہ تکلف

اے محنت آزماے عاشق
سود بھی جفا پہنسر نہ موڑا
جب خوش ہو کہ مر ہی جائے عاشق
رحمت ہے تجھے دفائے عاشق

شرمندہ نہ ہو نکل جگر سے
اے نالہ نارسائے عاشق
ہجراں میں بھی مر گیا نہ قائم
اس منہ سے تو اور کہاے عاشق

دل دیکے دیا میں تجھ کو جان تک
اے برق مرے بھی آشیاں تک
اں نالہ کہ ہے یہ وقت ادا
پہنچی تو ہے آہ آ سماں تک
آہستہ ہواے نسیم یک دم
ہمراہ ہیں ہم بھی گلستاں تک
قائم جو ہے شمع بزم معنی
میں رات گیا تھا اُس جواں تک
پایا تو میں ڈھیر آنسوؤں کا
دیکھا تو گداز استخواں تک

کل اے آشوب نالہ آج نہیں
آج ہنگامہ پر مزاج نہیں
غیر اس کے کہ خوبرو ہوا اور
غم دل کا کوئی علاج نہیں

لے چکو دل جو نگہ کو تو یہ دشوار نہیں
لیک تم دیکھتے پھرتے ہو خریدار نہیں
تنگ تو ہم کو تو اے حبیب کر محو لیکن
اٹھ گیا ہاتھ گرا پنا تو پھراک تار نہیں
مے کی توبہ کی تو مدت ہوئی قائم لیکن
بے طلب اب بھی جو بجائے تو انکار نہیں

تا کجا مستی میں ناخوش دل اجاب کریں
یک و جام اور بھی ساتی کہیں خواب کریں
ہر طرف ظرف و ضو بھرتے ہیں اب ہونی صبح
ساتی اٹھ ہم بھی صراحی میں نئے ناب کریں

یہاں مے اٹھ غیر کے گھر شب تو گیا کہتے ہیں
بائے ننگِ مروت اسے کیا کہتے ہیں

کیا ہو گیا کہ نالہ اثر سے تسریں نہیں
کیوں ہم کو جرمِ نیم نگہ سے کر دہو قتل
قائم جو اعتسار سے رتبہ کے دیکھے
کیا آفت آئی آج کہ آہ آتشیں نہیں
اک خلق دکھتی ہے تمہیں کچھ ہمیں نہیں
کلم آسماں سے شر کی تیرے زمیں نہیں

جوں شمع دم صبح میں یہاں سے سفری ہوں
ٹمک منتظرِ جنبشِ بادِ سری ہوں

کب اُن آنکھوں کی ہنسی کریں تصویری کی آنکھیں
دہانی نے لکھیں اور حق نے یہ تحریر کی آنکھیں

خوش رہے دل اگر تو شاد نہیں
میں کہا عہد کیا کیا تھا رات
یہاں کی شادی یہ اعتماد نہیں
ہنس کے کہنے لگا کہ یاد نہیں

آپ جو کچھ قرار کرتے ہیں
سی تو لینے و حبیبِ ناصح کو
چلئے قائم کہ زنگاں اپنا
کبھی ہم اعتبار کرتے ہیں
اب کے ہم تار تار کرتے ہیں
دیر سے انتظار کرتے ہیں

اے خزاںِ حین کی طرف گریں رو کروں
کہتا ہے آئینہ کہ ہے تجھ سا ہی ایک اور
قائم یہ جی میں ہے کہ تقید سے شیخ کے
غنیہ کرے گلوں کو صبا گریں بو کروں
باور نہیں تو لایں تے روبرو کروں
اب کے جو میں نماز کروں بے وضو کروں

لائق وفا کے خلق و سرے بجا ہوں میں
آگے مرے نہ غیر سے گو تو نے بات کی
جتنے ہیں یہاں سونیک ہیں جو کچھ برا ہوں میں
سرکاری تو نظروں کو پہچانتا ہوں میں

جو سپرد دور می یاران و دوستے غیر جو کچھ نہ دیکھنا تھا سوا ب دیکھتا ہوں میں

یو نہیں رنجش ہو اور گلایو نہیں ہو سبے سربات پر خفا یو نہیں
کچھ نہ ہم کو ہی بھا گیا ہے یہ طور واقعی ہے کہ ہے مزا یو نہیں
یہ کہاں اور وہ گل کدھر قائم اک ہوا باندھے ہے صبا یو نہیں

جب نہ تب مجھ سے جو تم دل کی طلب کرتے ہو دل یو نہیں مفت دیا جاتے غضب کرتے ہو
اک مدت سے میاں وہ تو مو ا پھرتا تھا آج تم مرنے کا عاشق کے عجب کرتے ہو
قائم اک بات میں جیتا ہر تمہاری لیکن پریش حال تم اس خستہ کی کب کرتے ہو

قبولِ عذر تو وہاں ہر جہاں ملال بھی ہو بجان پاک صفا یہاں کچھ خیال بھی ہو
قصورِ خدمت احباب اس قدر قائم کچھ آدمی کو ہے لازم کہ انفعال بھی ہو

گردشِ ثبات نہ روز نہیں یہ سپہر کو صدقہ کرے ہر کچھ یہ تیسے ماہ و ہر کو

شمع ساں جلنے کو صانع نے بنایا مجھ کو جس کے میں ہاتھ پڑا اس نے جلایا مجھ کو
تھا بد و نیک جہاں سی میں عدم میں آزاد آہ کس خواب سے ہستی نے جگایا مجھ کو
کچھ تو تھی بات خلل کی کہ شب اس نے محرم غیر کے آتے ہی مجلس سے اٹھایا مجھ کو
میں تو اس بات پہ مڑتا ہوں کہ اس نے قائم کس طرح پردہ سے کل بوں سنایا مجھ کو

کیجے گا صلح پھر دل بے دعا کے ساتھ ان بن ہر کچھ قبول کو اپنی دعا کے ساتھ

خونابِ دل سے ہاتھ ملا ہو تو جانتے
اُس حسنِ نیرنگ کے صدقے کہ جس کے بیچ
موتی صدف سے نکلے ہر قایم کب اس طرح

نیچے کئے ہیں آپ نے اکثر خنک کے ساتھ
ہلکی سی ایک شوخی کی تہہ ہو حیا کے ساتھ
ڈھلتی ہر بات منہ سے تھے جس صفا کے ساتھ

نہ ہم فلک کے کبھو ریو و رنگ سے چھوٹے
نشانِ ہم کو رہا کر کہ فصلِ گل صیاد
تھے نام و رنگ جہاں میں ہزار بے نیگی
نہ اُس کی زلف سے چھٹنے کا قصد کر قایم

پڑے بھنور میں جو کامِ نہنگ سے چھوٹے
خزاں ہر اُس میں جو ہم ٹک رنگ سے چھوٹے
بھلا ہوا کہ ہم اس نام و رنگ سے چھوٹے
کوئی سنا ہے کہ قیدِ رنگ سے چھوٹے

خوگرِ دردِ ہوں میں کرتے ہیں دُرِانِ میرے
ہر گلی کو چھپے بستی کا پراچہ کی دکان

آہ کیوں درپے جان ہیں یہ عزیزانِ میرے
دھجیاں ہو کے اوڑے سبکہ گریبانِ میرے

جب میں دیکھا ہے تو اس دل کو غمیں دیکھا ہر
حسرتِ دل کو مری سمجھے ہر وہ خستہ جسے

یہ نیا چاؤِ محبت کا یہیں دیکھا ہے
یار نے آکے دم باز پس دیکھا ہے

ہنوز شوقِ دل بے قرار باقی ہے
گیا تھا آج میں قایم کے دیکھنے کے لئے

بھی ہے آگ تو لیکن شرار باقی ہے
کوئی دم اور نفس کی شمار باقی ہے

یارِ ب کوئی اُس چشم کا بیمار نہ ہو دے
صورت میں تری گر نظر آئے ملک الموت

دشمن کے بھی دشمن کو یہ آزار نہ ہو دے
جی دنیا کو طرح سے دشوار نہ ہو دے

کیا کیا عدم میں ہم پر ظلم و ستم نہ ہوں گے چرچے یہی رہیں گے اور ہائے ہم نہ ہوں گے

پھرے زمانہ جہاں تک ہی ہم سے یا نہ پھرے کسی کے پھرنے نہ پھرنے سے کیا خدا نہ بھی

کس دل پہ داغِ غم نے یہ میرے بہار کی شاید وہ بھول کر کبھی یہاں بھی رکھے قدم

اللہ سے دھوم اب کے برس لالہ زار کی
یکساں کرو زمین ہمارے مزار کی

وہ بھی کیا دن تھو کہ جی کو لاگ اُس کے ساتھ تھی میں تھا اور کو چہ تھا اُس کا اور نہ دھیری اتھی

دامان گل تلک ہر کہاں دسترس مجھے
بھٹکا میں وہ نہیں کہ ملوں قافلہ سے پھر
تاکم میں عندلیب خوش آہنگ تھا چیف
تکلیف سیر باغ نہ کر لے ہوس مجھے
کیوں بے داغ کرتی ہر بانگ جس مجھے
زراغ و زرغن کے ساتھ کیا ہم قفس مجھے

دل ڈھونڈنا سینہ میں مرے بوجھ ہی ہر اک ڈھیر ہے یہاں راکھ کا اور آگ دہی ہر

شکوہ ناغیرے نایار کی بزاری سے جو ہوا ہم پہ سو اس کی گرفتاری سے

قسمت (۶)

نواب شمس الدولہ قسمت تخلص سپر کلاں نواب بارگاہ قلی خاں کہ سیادت و شجاعت
و عمدہ خاندانی ایشاں از قدیم شہرت دارد جو ان صاحب منش است۔ درایا میکہ ایشاں
مع والد بزرگوار خود پھنور مرزا جہاندار شاہ مختاری کلی داشتند مقرب ملازمت کیا

خاکسارِ بے مقدارِ بجنابِ مرشدِ زادہ آفاقِ زبانِ سحر بیانِ ایشان شدہ بود و وعدہ بر وزیرِ عید و شہنشاہ
 چوں سببِ کثرتِ ازدحامِ صنغیر و کبیر موقعِ خواندنِ قصیدہ ندیدند برائے پاسِ خاطرِ من کہ قطعہ
 مختصرِ تہنیتِ عید نیز در آستینِ دامنِ آفرین گرفتہ و صفتِ امرِ او غیرہ ہم شگافتہ بدستِ شہنشاہ
 دادند و مرار و بر و کردند غرض کہ محسنِ فقیر اند و اصلاحِ شعرا و میانِ جعفر علی حسرت می گرفتند
 و در صحنِ حیاتِ او ہم با فقیر از تہ دلِ اعتقادے و رجوعے داشتند حالاکہ حسرت نہ ماندہ بالکل
 خیالِ مشورہ بہ موکف دارند و در گفتنِ سلام و مرثیہ بیشتر از شعریہت می گمارند و از عہدہ
 آن نسبتِ دیگر مرثیہ گویانِ حالِ بخوبی می بر آیند۔ ای کلامِ ایشان است۔

گروہ بتِ کائناتِ شبِ مہ بامِ رآئے
 مژگانِ تے دل میں مئے سیر کی کنی ہیں
 مقدور ہر کس کا جو ترے حکم کو ٹالے
 تو بر سرِ بازارِ جہاں جلوہ نما ہو
 جوں ماہِ منور ہو شبِ تار ہماری
 ایک ماہ دویم ماہ فلک کو نظر آوے
 ناسفۃ نہ دیکھا کوئی لختِ جگر آوے
 رستم جو نہ آوے تو وہیں اس کا سر آوے
 خورشیدِ فلک بچے اپنی سپر آوے
 قیمتِ وہ اگر چاند کی صوتِ نظر آوے

دیکھا میں جنسِ دل کے طلبگار تم نہیں
 کہتا ہوں ان کو دیکھ کے ہیں جہیں رقیب
 آنکھیں نکالتے ہو عبث مجھ غریب پر
 پھرتے ہو بواہوس سے خریدار تم نہیں
 کیا ماجرا ہے مجھ سے تو میں نہ اتر تم نہیں
 کہتا ہے کون یہ کہ طرہِ حد اتر تم نہیں

کہتے ہیں یوں چمن میں پھر آئی بہارِ گل
 شکرِ خدا کیا تھا بہت انتظارِ گل

اے مالہ اُس کے دل میں اک دم اثر تو کر جا
 مژگانِ تر ہیں تیرے ابر بہارِ قسمت
 اُس شوخ بے خبر کو بارے خبر تو کر جا
 دامنِ کوہِ صحرا اکبار تر تو کر جا

آہی باتو میرے دامن دلدار ہاتھ آئے
اُدھر سے میں کھڑا ہوں کھینچ لینے کی تمنا پہ
اگر بیچ ہاتھ آتی نہیں ہر ترے لئے قسمت

نہیں تو ہاتھ کے اس کی جو تہ تلوار ہاتھ آوے
اودھر سے کاش کے تیرا ہی تا دیوار ہاتھ آوے
تو دلتے توڑ ڈال اسکے کہ پھر نہ ہاتھ آوے

امید دار بوسے لب سے کھڑا کوئی
میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ پھر کیا کرے اگر
تو ہے وہ اے صنم کہ تری چھب کو دیکھ کر
قاصد اگر گزر ہو ترا کوئے یار میں
قسمت جو سیکھتا ہے سرنگی زبان کو

دیتا ہے تجھ کو دیر سے پیاسے دعا کوئی
مر جائے دیکھ کر تر از نگِ خدا کوئی
کہتا ہے دا چھڑے کوئی، نام خدا کوئی
کہیو کہ آرزو میں تری مر گیا کوئی
شاید نظر پڑا ہے فرنگی بچا کوئی

پھر مجھ کو کیا جو غیب سر کے تم جا کے گھر رہی
آتی نہیں کسی کی جواب تک صدائے پا

میرے تو ساتھ وعدے ہی شام و سحر رہی
واماندگانِ قافلہ یارب کدھر رہی

آتا نہیں شب کو خواب تجھ بن
اے ماہِ سپرِ خو بروئی
سینہ سے نکل پڑے گا گویا
قسمت کی بھی تجھ کو کچھ خبر ہے

بیدار می ہے عذاب تجھ بن
سرگشتہ ہے آفتاب تجھ بن
ہر دل کو یہ اضطراب تجھ بن
دیکھا میں اُسے خراب تجھ بن

جو دل لیکر ہمارا دشمنِ جاں یارِ جانی ہے
مے اس خستہ دل کو پاس اپنے یارِ ہنر ہے
شبِ ہجرانِ ہر اور میں تو آنکھیں اور آنسو ہیں

تو اس سے موت ہی بہتر ہے ہر کیا زندگانی ہے
کوئی پوچھے تو کہنا میرے عاشق کی نشانی ہے
اوت ہے مصیبتِ نہایت تا تو انی ہے

نہیں کوئی زیت کی صوت بقول مصحفی قیمت نہ قاصد ہر نہ نامہ ہے نہ پیغام زبانی ہر

(۷) قبول

کہ از احوالش خبر ندارم۔ ازوست۔

دل یوں خیال زلف میں پھرتا ہر نعرہ زن تاریک شب میں جیسے کوئی پاسبان پھرے

حرف کاف

(۱) کمال

شاہ کمال الدین حسین کمال تخلص، وطن بزرگانش کٹرہ مانک پور و از چندے والد قبلہ گاہ ایشاں در صوبہ بہار نیز توطن گرفتند و اینہا ہمہ در زمانہ خویش منصبدار پادشاہی ہوئے

(۱) کمال کے حالات نسخہ رامپور میں زیادہ تفصیل سے لکھے ہیں۔ وہ تمام عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے۔

کمال تخلص معروف بہ شاہ کمال چشتیہ ولد قادر نواز خاں وطن بزرگانش شاہجہاں آباد و در زمانہ خویش منصبدار بادشاہی بودہ اند۔ از چندے والد ایشاں در موضع محی الدین پور کہ متصل صوبہ بہار است کہ بطریق ایامہ و خارج جمع بنام ایشاں مقرر است توطن گزیدہ۔ چنانچہ تولد شاہ مذکور در ہماں موضع واقع شدہ لیکن نشو و نما در عظیم آباد یافتہ۔ بعد انتقال والد ماجد خود در سن شانزدہ سالگی ترک لباس اختیار کردہ و بیت در قبضہ سلون در حضور پیر شاہ کریم عطا صا کہ فرزند جانشین حضرت پیر شاہ اشرف قدس اللہ سرہ اند نمودہ، درویشانہ قدم در وادی حیات گزاشتہ در ہماں عالم بکھنؤ وارد شدہ از اں ایام در ہماں شہر اقامت در زیدہ۔ اوقاتش ہمیشہ

اند۔ شاہ مذکور در آغاز شباب بہ خاندانِ اویسیہ بیعت کردہ ظاہر حال خود را بہ لباسِ درویشی
 آراستہ و سیرنگانہ کردہ بہ لکھنؤ وارد شدہ۔ حالاً بر مکانِ راجہ ہولاس رائے سکونت دارد و
 معوقش نیز از ہمانجا میرسد۔ شوقِ شعر مندی از مدتِ مدید در دوش جا گرفته بود ازین جہت
 دوا دینِ اساتذہ سلف و حال را جمع نمود و قریب سی دیوان بہم رسانیدہ بقبضِ صحبت
 بزرگانِش و سیرِ کلامِ ایشان کلامِ خود را نیز بہ پای اعتبار کشیدہ۔ پیشتر شاگردش بیک جاتعینِ مذہب
 از چندے بجلقہ تلامذہ قلندر بخش جرات داخل شدہ از کلامِ طبع زادِ اوست
 شبِ وصال میں جب روزِ غم کی بات چلی
 خروشِ مرغِ سحر نے کہا کہ راست چلی
 کچھ اور لے نہ چلے ہم تو اس جہاں سے کمال
 ہمارے ساتھ فقط اک خدا کی ذات چلی

میں بندہ کیوں نہوں اس کی ادا کا
 تو خواہی یا نخواہی گالیاں دے
 عیاں اُس بت میں ہر جلوہ خدا کا
 ہمارا کام ہے دینا دعا کا

بہ توکل گذشتہ از ہفت سال راجہ بھولاس رائے بہادر بہکان خویش جادادہ خدش را موجب
 سعادت می داند و بسیار بخونی پیش می آید و چون بمقتضائے موزونی طبع شوقِ شعرا و طفولیت
 دامگیر بود ازین جہت دوا دینِ اساتذہ سلف و حال را زیادہ از سی جمع نمودہ بہرکتِ سیرِ کلامِ اشیا
 و قبضِ صحبتِ کمالانِ ایں خود را نیز بہ پای اعتبار کشیدہ۔ پیشتر شعر خود از نظر محمد قاسم می گذرانید حالاً از
 چندے رجمعِ ایں امر بہ قلندر بخش جرات دارد۔ ماسوا ایں در اخلاق و روشانہ با صاحبانِ مغنی مزاج
 بیک و تیرہ مرغ و مرغان اکثر در مشاعرہ نقیر حاضر شدہ با کلامِ ایں خاکسار از تہ دل دلی دارد،
 چنانچہ ہر سہ دیوان را بدستِ خود نقل گرفتہ و تذکرہ را کہ تیار شدہ بخریدارانِ تمام بردہ غرض کہ دوش
 چو نامِ خود کمال محسم است، عمرش از سی سال متجاوز خواہد بود۔ (نسخہ رامپور)

(۱) خاندانِ ویسیہ بغیر الف۔ (نخ)

میں کیا خواہاں کسی سے ہوں روا کا
کریں کیا لے کے وہ سایہ ہما کا
ہے جو بندہ علی مرتضیٰ کا

ہے بس ڈھپنے کو تن یہاں چا دینا ک
ہیں اُس دیوار کے سایہ میں جو شخص
کمال اُس کا جھکے سر کس کے آگے

سر رکھا زانو پہ میں ہاتھ جگر پر رکھا
دستِ شفقت کبھی ظالم نے نہ سر پر رکھا
مثل گل میں نے اٹھا کر اُسے سر پر رکھا
تو نے رومال جو لے دیدہ تر پر رکھا

جوں قدم پائے گھر سے میرے در پر رکھا
ہم کو صیاد نے رکھا جو قفس میں تو آہ
نگ رہ اُس کی گلی کا جو کوئی ہاتھ آیا
بیٹھے بیٹھے تجھے کون آگیا یاد آج کمال

طفلِ خوابیدہ بہت دیر میں بیدار ہوا

چشمِ خوں بستہ سے پھر اشک نمودار ہوا

دیکھا میں جس طرف کے تئیں تو نظر پڑا
مر آئینہ سے صاف ترار و نظر پڑا
اکثر ہے یہ کہ سر و لب جو نظر پڑا
کچھ اور تو نہ تھا مگر ایک مو نظر پڑا

جلوہ ترا تو ہم کو ہر ایک سو نظر پڑا
پیائے صفائے حسن تری میں کہوں سو کیا
قد کا ترے نہ آنکھوں میں میرے بس خیال
دیکھی کمال غور سے اُس کی کمر جو میں

جو آنا ہے تو یہاں اپنے تئیں جلدی سو پہنچا
اگر گرمی سے ہتھابی پہ وہ خورشید پہنچا
شابی اور یہاں پیرِ منغاں بھر کر سو پہنچا
وہ بلبل نہ میرا اُس کے دامن تک پہنچا

مرے سینہ سے آنکھوں تک دلِ پیار پہنچا
ابھی بازار سے مہر و تیرے حسن کا ہو گا
مبادا کم نہ ہوئے بزمِ خواروں کی کیفیت
چلا حسرت بھرا میں کشتی ہستی سو ہے ظالم

کیوں تو پھرتا ہے دلا گرو اس کے سوانی ہوا
جز شکستِ شیشہ دل کچھ نہ دیکھا اس کا کام
قیس کو الفت میں میری مت برابر تو سمجھ

لطف کیا ملنے کا ہر اس سے جو ہر جانی ہوا
مرفع جس دن یہاں یہ چرخ مینا لی ہوا
عشق کو کیا خاک سمجھے گا جو صحرائی ہوا

یہ زخم دل ہر اے جراح اُس ابروئے پر خم کا
یہ ہر الماس کی کوئی گریباں یا کہ اے مہ رو
کروں کیا اے کمال آنسو تھمے آنکھوں سے جو

کرے گا اس کو کیا چنگا تیرا بھاہا یہ مرہم کا
پس از خورشیدِ انور پھیر تارا صبح کا چمکا
نہیں کچھ سو جھتا درماں مجھے اس چشمِ پرہم کا

دل کے ہر داغ کا ہے رنگ کچھ اے یارِ نیا
جنسِ دل جس کی مانگی ہے قیمت اُس سر
کس طرح کہتے نہ پھر بوقلموں جلوہ اُسے
کہنہ مشاقِ طبیعوں نے کہا دیکھ مجھ کو
جوں جوں کرتے ہیں دوا اور مرض بڑھتا کر
ایک نقشہ پہ زمانہ رہے پھر کیونکہ کمال

سیر کر تو بھی کہ پھولا ہے یہ گلزارِ نیا
واہ پیدا یہ ہوا زورِ خسریدا رِ نیا
رنگ ہر لحظہ دکھاتا ہے وہ دلدارِ نیا
طرفہ آزار ہے یہ اس کو ہے بیمارِ نیا
یا الہی اے کیسا ہے یہ آزارِ نیا
رنگ اُس چہرہ عالم کا ہر بارِ نیا

گھراپنے بلا لڑکے اُسی آن کالا
اُس صانعِ قدس کے ہوتے بانِ بہرِ کلا
میں کو دے دیوار کیا یار کے گھراؤ

جھگڑا تو مزے کا یہ سری جان کالا
اللہ یہ انسان سے انسان نکالا
بیچارہ کیا مفت میں دربان نکالا

اپنی نظر کے آگے سے عالم گذر گیا

یہ قافلہ شباب نہ جانے کدھر گیا

کیوں ہیں تو دیکھ کر آزر وہ جانا ہو گیا
بتلا کس شہرہ آفاق پر ہیں ہم کمال
کیا ہو اگر ہم فقیروں کا بھی آنا ہو گیا
شہرہ آفاق جو اپنا فسانا ہو گیا

رہ جا چین میں تو کوئی دم اور عندلیب
اس گل بغیر ایک تو سونا لگے ہے باغ
تا ایک دو مالہ کر لیں بہم اور عندلیب
کرتی ہے بول بول ستم اور عندلیب

خط جو اُس جیلہ سے عاشق کا اُسے پہنچا ہو
تیرہ تختی میں ہی صیغے کی ضعیفوں کے بہار
پھر کبھو اُن نے نہ رستہ سے اٹھایا کاغذ
ہوئی گلزار جہاں شب کو جلایا کاغذ

ٹکڑے کرے جگر کے میرے ٹوٹ ٹوٹ کر
ایک ہم رہے اسیرِ نفس اور ہم صغیر
رویا ز بسکہ غم میں تیرے پھوٹ پھوٹ کر
پہنچے چین میں قید سے سب چھوٹ چھوٹ کر

ہم گدا دیکھتے ہیں اُس بت گمراہ کی راہ
یعنی آنکھ تو کچھ مانگ لیں اللہ کی راہ

ہاتھ میں اُس بت کی جو نازک کلائی آگئی
وہ بت مغرور کل ہم سے ہوا جو میں دو جا
گو یا قبضہ میں میرے ساری خدائی آگئی
سانے ہو کر مجھ کب سیرانی آگئی
بیٹھے بیٹھے جی میں یہ کیا تیرے بھائی آگئی
شیخ صاحب آپ کے آٹے کماٹی آگئی
ڈھل گیا دن ناگہاں شام جدائی آگئی
سننے ہی میں اُس کے چہرہ پر رکھائی آگئی
اکڑو بالابے طرح سے کر چکے تھے تم کو زند
بعدِ مدت روزِ وصل اُس کا میسر جو ہوا
حرفِ مطلب جو کمال اُس کو کیا میں زبیا

کہ جیسے دیکھ کر صبا کو نچیر کا پنے ہے
کلجے پر کوئی جیسے کہ کھا کر تیر کا پنے ہے
کہ جوں جوں پاؤں رکھتا ہوں اُدھر نچیر کا پنے ہے

نظر پڑتے ہی اُس پر یوں کوئی دِلیکیر کا پنے ہے
نظر اُس شوخ کی پڑتے ہی بس ل تھڑاٹھا
چلا وحشت سے ہوں میں اے کمال اسی کے کوچہ میں

دم کی فرصت اب نہیں اوڑل میں سحران ہر

کیا غصہ دم ہر آنکھوں میں لبوں پر جان ہے

مرتے مرتے بھی اسے کیا حسرت دیدار ہر
سامنے آنکھوں ہی کے ہر رختہ دیوار ہر
قافلہ راہِ عدم کا چلنے کو تیار ہر
اب تو درِ دل سے ہم کو زندگی دتوار ہر

کھولے آنکھیں وقتِ آخر بھی ترابا رہے
اب جو اٹھ آئے گلی سے یار کی تو کیا کہیں
خوابِ غفلت میں یہ کیا بیدار ہو شیار ہو
سانس لے سکتے نہیں ہیں کیا کہیں ہم اہل کمال

تکلیف سیرِ باغ نہ دو دوستاں مجھے
اوجڑ نظر پڑے ہے یہ سارا جہاں مجھے
غم نے کیا ہے اس قدر اب ناتواں مجھے
بختِ سیہ نے لا کے پھنسیا کہاں مجھے
نے فکرِ باغ ہے نہ غمِ آشاں مجھے

اُٹھتا ہے اُس کے کوچہ سے بارگراں مجھے
تجھ بن نظر اٹھا کے میں دیکھوں ہوں جس طرف
اُٹھتا ہے دل سے نالہ بھی لے آہ کا عصا
آزادی قیدِ زلف سے آتی نہیں نظر
از بس کمال اُنس ہے جی کو قفس کے سا

ہمارا جذبہ دل یہ ابھار لاتا ہے
قفس اٹھا کے یہ فصل بہار لاتا ہے
یہ کیا کریں یہ دل بے قرار لاتا ہے
سرک بھی یہاں سے کہاں کا پیر لاتا ہے

نہ سمجھو آپ سے تشریف یار لاتا ہے
گلوں کو جھانکوں ہوں کیا کیا چمن میں جھینٹا
نہ آتے ہم بخدا تیرے در پہ لے کافر
بلا میں لینے لگائیں تو پیچھے ہٹ کے کہا

ہزار آئیں بہاریں پہ نخل تن اپنا
نثار ہونے کی تیری گلی کے خواہش ہے
پس از فنا تو ذرا آ کہ یہ دل مضطرب
دلانہ اُس سے ابچھ تو کہ راہ چلتے ہیں
چمن میں دیکھا جو اُس گل کو آنکھ اٹھا کے کمال

کبھی شگفتہ ہوا ہے نہ بار لاتا ہے
یہ گرد باد جو اتنا غبار لاتا ہے
قیامت ایک تہ سنگ مزار لاتا ہے
دکھا وہ زلف کئی مجھ سے مار لاتا ہے
تو آنکھوں میں وہ گڑو نے کو خارا لاتا ہے

کچھ ان دنوں دل پر داغ اس بہار پہ
چمن میں کانٹے پہ گل کو پڑے ہو جو کوئی
گیا میں جی سے اٹھا کر جو درو تنہائی
نہ تن سے نکلتے جی اور نہ یار آتا ہے
نہیں ہے پوست تو سبزہ ہی کر، دیا معبود

کہ نہ سماں یہ گلوں پر نہ لالہ زار پہ ہے
یہ عندلیب کا دل ہے جو نوک خار پہ ہے
تو بیکسی سرے اب نوحہ گر مزار پہ ہے
عجب طرح کا عذاب اپنے جسم زار پہ ہے
نشہ کمال فقیروں کا اب اتار پہ ہے

آہ سیما جے دیکھ کنار اکرے
تیغ سے اپنا گلا کاٹیں نہ پھر کیونکہ ہم
سیر چمن میں نہ آئے جس کو نظر اپنا گل
فرقہ عشاق میں ہو وہی صاحب کمال

اُس کے مرض کا بھلا کیا کوئی چار کرے
غیر کو ابرو سے کچھ حیب وہ اشار کرے
آہ گلوں کا وہ کیا خاک نظر اکرے
ذلت و خواری کے تئیں جو کہ گوارا کرے

نہیں خورشیدِ فلک ہم جو چمکتے جاویں
بادش آہ ہے اور دل میں بھری آتشِ غم
زلفِ مشکیں میں جو ہو مثل صبا اپنا گذار
ہم جدھر جاویں تو یہ دیدہ پر اشک اپنی

سایہ ساں جانیں جدھر سر کو ٹپکتے جاویں
شعلہ پر شعلہ نہ پھر کیونکہ بھڑکتے جاویں
ہم بھی پھر جاویں جدھر کو تو مہکتے جاویں
جامِ لبریز کی مانند چمکتے جاویں

جوں جوں ہم آگے بڑھیں آپ سر کئے جاویں
اُس طرف گزریں تو دامن کو جھٹکتے جاویں

یہ بھی کوئی بیٹھنے کا نرم میرا سلوب ہوا
خاک رہ جن کی ہوا ہوں میں غضب یہ ہو

کوئی مضطر پکارتے ذرا منہ پھیر کر دیکھو
نہ یوں حیران ہو کر محکوم دو دو پہر دیکھو
تو آئینہ کو اپنے سامنے ہلک تم لہبی دھر دیکھو
نہیں تو محکوم دیکھو اور یہ میرا سفر دیکھو

میاں او جانے والے آنکھ اٹھا کر ٹک دھر دیکھو
اجی میں کیا کہوں ناچار ہوں کہتے ہو کیوں مجھ سے
یقین تم کو اگر آتا نہیں ہر میری حالت کا
کمال خستہ کو یا رو یہاں قسمت لے آئی ہر

(۲) کبیر

حکیم کبیر بھلی شیخ انصاری بودہ و کبیر تخلص سے گذشت فقیر ایشاں را در سرکار
نواب محمد یار خاں مرحوم کہ ذکر ایشاں گذشت دیدہ بود بسیار بخوبی پیش آمدہ بود بہ سبب تہاد
ایام یک شعرا ز ایشاں بخاطر است۔
ایک ہی یار سے جی ناک میں آیا ہر کبیر
زیت معلوم اگر ایسے ہی دو چارے

(۳) کلیم

محمد بن کلیم تخلص و الدیمیاں حاجی تھلی صاحب تصانیف بسیار است چنانچہ ترجمہ
فصوص الحکم و وہ مجلس ہندی بہ سلک نظم کشیدہ خاتمہ خیال اور صفحہ وزگار یادگار است۔ محفل
تعریف و تذکرہ خویش بہ بالغہ نوشتہ۔ از دست۔
ہو چکی خشر گئی جنت و دوزخ کو خلق
رہ گیا میں ترے کوچے میں گرفتار ہنوز

آتی ہے دل پہ قفل میناے اشک است وہ دن گئے کلیم کہ یہ شیشہ ننگ تھا

قافلے کتنے گئے کوئی نہ سمجھا کیا ہے شور کر کہتی رہی بانگ دریا کیا کیا کچھ

حرف کاف

(۱) گوہری

گوہری بد اوئی دوشعرش کہ زبانی عالم شاہ پیرزادہ در عالم طفولیت شنیدہ بودم بیاد است از دوست۔

روبر و ملکوں کے مت جا بس کے بانوں کو چھپڑ آفت آئے گی تو ان زبور خاں کو نہ چھپڑ
آخرش مارا پڑا ہاتھوں سے اُن کے گوہری ہم نہ کہتے تھے کہ ان باندے پٹھانوں کو نہ چھپڑ

(۲) گرم

مرزا حیدر علی گرم تخلص و دنیا ز علی بیگ ساکن شاہجہاں آباد جو اُن صلاحیت شاعر است بمقتضائے موزونی طبع چیرے کہ موزوں می کند آں را بہ نظر اصلاح فقیر می گذرد۔
با وصف نوشقی از ذکاوت طبعش معلوم می شود کہ بشرط مزوالت بجائے خواہد رسید
چرا کہ رسوخ و اعتقادش از تہ دل بایں خاکسار نسبت دیگر شاگردان اولین روز بروز در ترقی دارد و بقولے کہ سپر من خس است و اعتقاد من بس است۔ از دوست۔

نالہ کی گرمیوں سے بھنتے دل و جگر ہیں لب خشک ہو رہے ہیں کانٹے زبان پر ہیں
تیغ نگاہ کس کی دیکھی ہی ہم نے یارب جو زندگی سے اپنی بیزار اس قدر ہیں
یاران رفتگاں کا مست پوچھ مجھ سے قصہ اے ہنشین میں بھی حیراں ہوں ہ کدھر ہیں
خورشید و ماہ کو میں پھرتے ہی دیکھتا ہوں یہ کس کی جستجو میں آوارہ در بدر ہیں

سینہ کے داغ سواں آنکھوں کے اشکِ غمی
کس شعلہِ رو کے غم میں دتا ہو اس قدر تو

اس نکل عاشقی کے یگل ہیں وہ مگر ہیں
جو گرم اشک تیرے سوزندہ اس قدر ہیں

شبِ خست ہو رہو تم مے گھر آج کی رات
کر دیا در کو اجابت کے خدا یا کیا بند
آگے آنکھوں کے اندھیرا سا شرم سحر

جاں بلب چھوڑ کے جاتے ہو کدھر آج کی رات
نہیں کرتی جو دعا میری اثر آج کی رات
دیکھئے ہوتی ہو کس طرح سحر آج کی رات

حسرت سے دیکھتا ہوں میں جبار کی طرف
ترپے ہو تیرے کوچہ میں اک جاں بلبِ مایاں
دونوں سے پھر گیا ہوں میں گرم ان دنوں

لگتا ہے تب وہ دیکھنے دو چار کی طرف
ٹک جھانکیو تو رخسہ دیوار کی طرف
ہرگز نہیں ہوں کافر و دنیدار کی طرف

تصویر کا عالم ہے رستے حسیں پر
اخلاص اُسے غیر سے ہو واسطے جس کے
ہم جن کی محبت میں ہو پیتے ہیں اپنا
رہتا تو ہوں گلشن میں پرستی ہوتی آفت
نالہ نے مے گرم شب آتش جو لگائی

تجھ سا تو پری چہرہ نہیں رستے زمیں پر
گھدوائی ہو میں سورہ اخلاص نگیں پر
وہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں تلوار سہیں پر
فریاد سے بیل کی مری جان حزیں پر
اک شور فرشتوں میں پڑا عرش بریں پر

یوں آپ جو کچھ جی میں ہو فرمائے صاحب
ہر چند گنہ گار ہے کشتہ کا ٹک اپنے
تاویر میں اُس بزم میں مٹیوں تو کہو یوں
(ا) سوزندہ جو شرم ہیں (دن خ)

گالی نہ مجھے غیر سے دلو اسے صاحب
لاشہ تو بھلا آن کے اٹھو اسے صاحب
اب رات بہت آئی ہو گھر جائے صاحب

میں گرم گیلے کو اُن کے تو اُنھوں نے فی الفور ظرافت سے کہا اُسے صاحب

رات وہ دریاں کے ڈسے مجھ تک کر پھر گئے
گرم گل اُسے جو وہ سُننے مرا احوالِ دل
اپنے پاؤں کی صدا مجھ کو سنا کر پھر گئے
سوچ کر کچھ جی میں اپنے مسکرا کر پھر گئے

سب گریہ میں نہ ہم تابہ مگر ڈوب گئے
تجھ کو دریا میں جو اے شوخ نہاتے دیکھا
اس قدر روئے کہ ہمسایوں کے گھر ڈوب گئے
شرم کے مائے وہیں شمس و قمر ڈوب گئے
تیرے رونے سے تو سب راہ گزر ڈوب گئے
گرم کیا خاک چلیں سیر کو ہم دریا کی

بیل کے سر سے جاتی ہو کوئی ہلے گل
لوہو میں بھرے ہیں تیرے ہاتھ سچ بت
ہوتی ہو وہ نفس میں بھی پھر پھرتے گل
تریت پہ کس شہید کی تو نے چڑھائے گل
سردھن کے عندلیب بکا رہی کہائے گل
بدھی کے اُس نے کیونکے غلے سے لگائے گل
عارض کو لگ سکے ہر کب اُس کے صفائے گل
صیا دے نفس میں جو ہم کو دکھائے گل
ہم نے بھی گرم رشک سے ہاتھوں پھائے گل

حرفِ لام

(۱) لطیف

نیرس الدین لطیف تخلص متوطن سورت ساداتِ عالی تبار اند بکرم موزونی طبع

از چند سال شوق گفتن شعر ہندی بہر سانیدہ۔ عرشِ تالی ایوم سی و دو سالہ خواہد بود ازو
 مردہ وصل اگر کوئی سنا تا ہے مجھے میں یہ سمجھوں ہوں کہ جی دان دلا تا ہے مجھے
 اسی الفت کو لگے آگ پڑے چوٹے میں جو ہے دسوز مراد وہی جلاتا ہے مجھے
 گھر میں جا بیٹھ رہا اس کو خفا ہو تو لطیف کیا ہی غصہ تری اس بات پہ آتا ہے مجھے

(۲) لطف

مرزا علی لطف تخلص جوان خوش فکر و پیش طبعیتش نسبت دیگر شعراے اینجامتا تر
 دارد۔ ثنوی آبدار بہ سلک نظم کشیدہ او حجت بر قول مولف است و ازین جہت خود را
 بہ شاگردی مرزا تہم می کند۔ واللہ اعلم بالصواب۔ از دست۔
 ہے زلف یا تہر کی شب کچھ نہیں معلوم کھڑا ہے آہی کہ غضب کچھ نہیں معلوم
 خاموشی بہاری کے تین سحر ہی سمجھو گوہم کو لگائے کا ڈھب کچھ نہیں معلوم

کھل گئی یہ اب کہ وصل اس کا خیال عام ہو آج امیدوں کا دل ہی دل میں قتلِ عام ہو

کوئی زخم اور بھی کہ لے قاتل کب کے ہم اڑیاں رگڑتے ہیں
 جو کوئی کہ آفت نہانی مانگے اور ملکِ عدم کی کچھ نشانی مانگے
 دکھلائے اُسے تو اپنی یہ تیغ نگاہ جس کا مارا کبھی نہ پانی مانگے

رباعی

حرف المیم

(۱) مجذوب

مرزا غلام حیدر مجذوب تخلص سپر خواندہ مرزا محمد رفیع شخص خوش خلق و با حیا است
فقیر اور اور لکھنؤ دیدہ بسیار بہت پاک پیش آمدہ من کلامہ۔

وعدہ کی وفا اس سے بہت دور پڑی ہے
خاموش جو رہتا ہوں مجھے گنگ نہ سمجھو
غفلت میں بسر کرتا شب وصل کو مجذوب
فہرست شب روز سے باہر وہ گھڑی ہے
اک عوض تنہا ہے کہ آمنہ پہ اڑی ہے
ایام جدائی کی گھڑی سر پہ گھڑی ہے

چاہوں مدد کسی سے نہ اغیار کے لئے
ہے دردِ سر ہی بلبلِ آزاد کی صفیر
طوبیٰ کے نیچے بیٹھ کے روؤں گنازار
مجزوب بہر سچہ ہے منت بھی شیخ سے
میں بھی تو یار کم نہیں دو چار کے لئے
موزوں ہے نالہ مرغ گرفتار کے لئے
جنت میں تیرے سایہ دیوار کے لئے
پھر رہن سے عجز ہے زمار کے لئے

رکھے لگائے اس کو گریس چلے ہمیشہ
آتے ملے دے ہو گھر سے کسی کے اُدم
مجزوب ان دنوں میں پھر روگ کچھ بایا
دینے پہ دل کے کیجے آئے بے ہمیشہ
پھیرا کئے چھری ہو میرے گلے ہمیشہ
رہتے تھے پیشتر تو اچھے بھلے ہمیشہ

چشم دوری میں تری یاریہ گریاں تھی رات
ناز اختر کو مے تھا فلک ہفتم پر
تھی شبِ ہجر مے سر پہ کہ طوفاں تھی رات
زلفِ سرکش جو تری تابع فرماں تھی رات

کسی دشمن پہ خداون وہ نہ ڈالے جوں کل سر پہ مجذوب کے لے گئے مسلمان تھی رت

برباد نہ جائے گا یہ خسرو ملک سوج کہ خون کو مکھن ہے

اے میر سمجھیو مت مجذوب کو اوروں سا ہے وہ خلف سودا اور اہل ہنر بھی ہر

(۲) منظر

مرزا جان جان منظر تخلص کے یکے از مشایخ کبار گذشتہ - احوال و اشعار ایشان
منفصل در تذکرہ فارسی نوشتہ ام - در ابتدا کے شوق شعر کہ ہنوز از میر و مرزا وغیرہ کے
در عرصہ نیادہ بود و در دورِ ایہام گویان اول کے کہ شعرِ رخیہ بہ تتبع فارسی گفتہ است
چوں در آں روز ہا بہ میر عبدالحی تاباں دوستی بسیار داشت - چند غزلیات متعددہ
از خامہ فکرش بر صفحہ کاغذ رخیہ بودند کہ مشاڑ الیہ مانع آمدہ - آخر ایشان قرار شعر گفتن خود
بر زبان فارسی داوند و بعد ازیں بہ رخیہ زبان نیا لودند مگر ہاں قدر کہ باصلاح دوسہ
شاگرد بکار آید چنانچہ تربیت انعام اللہ خاں نسبت بہ محمد فقیہ درومند کہ ساتھی نامہ ایشان
شہرت دار و پر متوجہ بودند - در تمام دیوانش فصاحت و بلاغت زبان استاد جلوہ ظہور
می دہد فی الحقیقت نقاش اول زبان رخیہ بایں و تیرہ باعتبار فقیر مرزا است ، بعدہ
تبعش بہ دیگران رسیدہ - از دست

اس واسطے بکا ہوں چمن کی ہول کے ہاتھ
شاید کہ جاگے وہ کسو میرزا کے ہاتھ
سوج کے ہاتھ چو نرمی و نکچا صبا کے ہاتھ

اُس گل کو بھیجا ہے مجھے خط صبا کے ہاتھ
برگِ خا و پر لکھو احوال دل مرا
مرا ہوں میرزائی گل دیکھ ہر سحر

(۱۱) جانان - (ان خ) (۲) بہ شدت (ان خ)

یہ دل کب عشق کے قابل رہا ہے کہاں اس کو دماغ اور دل رہا ہے
خدا کے واسطے اس کو نہ ٹو کو یہی اک شہر میں قاتل رہا ہے

لوگ کہتے ہیں موانظہ بے کس افسوس کیا ہوا اُس کے تئیں اتنا تو بیمار نہ تھا

مست اختلاط کرائے نو بہار اب ہم سے (۱) چمن کے ہونے کا اس خاک کو دماغ نہیں
یہیلوں کا صبا مشہد مقدس ہے (۲) قدم سنبھال کے رکھو ترا یہ باغ نہیں

میر (۳)

میر محمد تقی میر تخلص کے مفصل احوال ایساں تیز و تندرۃ فارسی سمت تبحر ریافت۔
شخص صاحب کمال است اکثرے در فن رنجتہ اور اور پلہ مرزا رفیع سودا گرفتہ اندو
اکثر در غزل و مثنوی بہتر از مرزا قیاس می کنند و مرزا را در ہجو و قصیدہ بر فضیلت می ہند
غرض ہرچہ بہت استاد می رنجتہ بر و مسلم است۔ اگرچہ دیوان فارسی ہم دارد اما در
فارسی گویان نمرودہ نمی شود۔ ہمہ رنجتہ گویان ہند سدا ز کلاش می آرند و اور ادرا
فن مستثنی میدانند و الحق کہ چنین است۔ از چند سال کہ از شاہجہاں آباد بہ پورب رسیدہ
در سرکار نواب آصف الدولہ بہادر اعتبار و اقیانوس تمام دارد۔ چہار دیوان رنجتہ از
خامہ فکرش رنجتہ و مثنویاے متعددہ و شکارنامہ ہائے بے نظیر نگاشتہ کلک ندرت
طراز او بر صفحہ زمانہ یادگار است۔ بر فقیر بسیار مہربانی می فرماید۔ عرش تخمیناً قریب ہشتاد
است (۳) از دوست۔

تسے کوچہ میں یہ جتنے کہ جسم زار بیٹھے ہیں میاں گم کردہ دل میں جیوں لاجپاڑ بیٹھے ہیں

(۱) یہ آخری دو شعر نسخہ رامپور میں زائد ہیں۔ (۳) رسیدہ باشد۔ (د ن خ)

مدت سے لگ رہی ہیں آنکھیں درحرم سے
پردہ اٹھا تو لڑیاں نظریں ہماری ہم سے

ناز چمن وہی ہے بیل سے گونج رہی
ٹہنی جو زرد بھی ہے سو شاخِ زعفران ہے

عشق کو بیچ میں یارب تو نہ لایا ہوتا
کم اٹھانا تھا نقاب آہ کہ طاقت رہتی
در کے آگے سوتے نقش گئی عاشق کی
یا اس آوے میں مراد دل نہ بنایا ہوتا
کاش یکبار سہیں منہ نہ دکھایا ہوتا
اپنے دروازہ ملک تو بھی تو آیا ہوتا

جدا جو پہلو سے وہ دبیر گناہ ہوا
کھلا نشہ میں جو گڑی کا بیج اُس کی تیر
طلش کی یہاں تئیں دل نے کہ درویشانہ ہوا
سمندر ناز کو ایک اور تازیا نہ ہوا

باغ میں جس شب گئے ہم ظلم کے مارے ہوئے
پیار کرنے کا جو خواب ہم یہ رکھتے ہیں گناہ
آستین رکھتے ہی رکھتے دیدہ خوبسار پر
استخوان ہی رہ گئے تھے یہاں دم خور زیر میر
جان کو اپنی گل قہاب انگائے ہوئے
ان سے بھی تو پوچھتے تھے تم نے کیوں پیائے ہوئے
خلقِ بسل کی طرح لو ہو کے فولکے ہوئے
دانے پڑ پڑ نیچے اُس شوخ کے آئے ہوئے

جسم گیا خوں کفِ قاتل پہ زبیر امیر
اُن نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

ہم ہیں مجروحِ ماجرا ہے یہ
آگ تھے ابتداءِ عشق میں ہم
بس ہوا ناز ہو چکا اغماض
وہ نمک چھڑکے ہے مزا ہے یہ
اب جو ہیں خاکِ اتہا ہے یہ
ہر گڑی ہم سے کیا ادا ہے یہ

نہ کہا یہ کہ آشنا ہے یہ
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

ہے ری بگانی کبھی اُس نے
میر کو کیوں نہ مستم جانیں

وے بہا سہل جو دیتے ہیں خریدار نہیں
دوستی تنگ نہیں عیب نہیں عار نہیں

دل عجب حبس گراں قدر ہے بازار نہیں
کچھ تمھیں ملنے سے رکتے ہو ہائے ورنہ

وقت ملنے کا مگر داخلِ ایام نہیں

دن نہیں رات نہیں صبح نہیں شام نہیں

ظالموں نے صبح کر دکھلائی
دل میں شکلیں سیکڑوں ٹھہرائیاں
نازتا کے چند بے روائیاں
گل کی شاخیں لیتی ہیں انگڑائیاں
دور تک پہنچیں مری رسوائیاں

بارہا وعدوں کی راتیں آئیاں
ایک نے صورت نہ پکڑی پیش یار
آچمن میں یہ بھی ہو کوئی روش
شوقِ قامت میں تے اے نونہال
پاس مچھکو بھی نہیں ہوا ب کے میر

کیا ذکر یہاں مسیح علیہ السلام کا
کیا دیکھے جواب اجل کے پیام کا
جز عاشقی گناہ نہیں ہے غلام کا

اعجاز منہ تکے ہوتے لب کے کام کا
رقعہ نہیں جو آئے ہو سوتیر میں بندھا
صاحب ہو مار ڈالو مجھے تم وگرنہ کچھ

جی ابھتا ہے بہت مت بال سلجھایا کرو
چاندنی میں آفتابی کا گرسایا کرو
پھول گل سے اپنے دل کو تم بھی بہلایا کرو

سر پہ عاشق کے نہ یہ روز سیہ لایا کرو
تابِ مہ کی تاب کب ہو ناز کی سے یار کو
کب میسر اُس کے منہ کا دیکھنا آتا ہو میر

ایسا تو رو کہ رونے پہ تیرے منہ ہی نہ ہو

کہتا ہے کون میر کہ بے اختیار رو

وہ کیا جانے کہ کٹڑی ہیں جگر کے میرے اماں میں
قیامت کا سا ہنگامہ ہو میرے دیواں میں
گری ٹپتی تھی بجلی آج کچھ صحنِ گلستاں میں

بھجے رہتے ہوں سائے چھل ہی جس کو گریباں میں
جہاں دیکھتے اک شرِ شور انگیز نکلے ہے
ہوئے ابر میں کیا میرِ منتاباغ میں وہ تھا

غم سے بانی ہو کے کب کا بہ گیا میں ہوں کہاں
جائے گریہ ہو جہاں لیلی کہاں مجنوں کہاں

روح کا خونِ جگر سب اب جگر میں خوں کہاں
عاشق و معشوق یہاں آخر فسانہ ہو گئے

حال رہتا ہی نہیں عشق کے بیمار کے بیچ
کہ ذرا اٹھیرے ترے سایہ دیوانے کے بیچ
دانہ بسجہ پر ورشتہ زنا ر کے بیچ

حال کہنے کی کسے تاب ہے آزار کے بیچ
آرزو مند ہے خورشید میر ہے کہاں
کیا کہیں ہم کہ گلے ڈالے پھرے مستی میں

یہ بات ابی کیا ہے جس پر ابھڑے ہو
رستہ میں آدھے دھڑ تک مٹی میں تم کڑے ہو

زلفوں کو میں چھو اسو غصہ ہوئے کھڑے ہو
ہوتے ہیں خاک رہ بھی لیکن نہ میر ایسے

یار بن لگتا نہیں جی کاش کے ہم مر رہیں
دل جگر جلتے رہیں آنکھیں ہماری تر رہیں
تنگ آئے ہیں بہت اب آپ جو ہر کر رہیں

جائیں تو جاویں کہاں جو گھر رہیں کیا گھر رہیں
زندگی دو بھر ہوئی ہے میری آخر تا کجا
وہ نہیں جو تیغ سے اُس کے گلا کٹوائے

دل کلیجہ کال لیتے ہیں

جس کا خواباں خیال لیتے ہیں

پڑتی ہر آنکھ ہر دم جا کر صفائے تن پر
 نام خدا نکالے کیا پانوں رفتہ رفتہ
 درکار عاشقوں کو کیا ہے جواب نامہ
 کس طرح میر جیو کا ہسم تو بہ کرنا مانیں
 سوچی کئے تھے صدقہ اس شوخ کے بدن پر
 تلواریں چلتیاں ہیں اس کے تو اب چلن پر
 اک نام یار بس ہے لکھنا میرے کفن پر
 کل تک بھی داغ مے تھر سب ان کے پیرن پر

ہم سے آگے تر اگر کسی نے نام لیا
 دل ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

یا پہلی وہ نگاہیں جن سے کہ چاہ نکلے
 یا اب کی یہ ادائیں جو دل سے آہ نکلے

کبھی میر اس طرف آکر جو چھپاتی کوٹ جاتا ہر
 خدا شاہد ہے اپنا تو کلیجہ ٹوٹ جاتا ہے

آتے ہی آتے تیرے یہ ناکام ہو چکا
 وہاں کام ہی رہا تجھے یہاں کام ہو چکا

جو یہ دل ہو تو کیا سہرا انجام ہوگا
 تہہ خاک بھی خاک آرام ہوگا

بخفا و جور ہے کج ادائیاں دکھیں
 تری گلی سے سدا کے کشندہ عالم
 بنی نہ اپنی تو اس خلیج سے اک دم میر
 بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دکھیں
 ہزاروں آتی ہوئی چار پائیاں دکھیں
 لڑائی حبیب سے میں آنکھیں لڑائیاں دکھیں

گرم مجھ سوختہ کے پاس سے جانا کیا تھا
 دیکھنے آئے دم نزع لئے منہ پہ نقاب
 آگ لینے مگر آئے تھے یہ آنا کیا تھا
 آخری وقت مے منہ کا چھپانا کیا تھا

جب نہ تب مرنے کو تیار رہے عشق میں ہم جی کے تئیں اپنے کبھویوں بھی نہ جانا کیا تھا

آزار دیکھے کیا کیا اُن پلوں سے اک کر جی سے گئے یہ کانٹے دل میں کھٹک کھٹک کر

تلوار غرقِ خوں ہو آنکھیں گلابیاں ہیں
چاہے ہو آج ہوں میں ہفت آسمان کے اوپر
دیکھیں تو تیری کب تک یہ کج ادائیاں ہیں
ہم سے ہیں خوں گرفتہ ظالم جنھوں نے تیرے
کعبہ میں میر ہم یہ ہے سرگراں یہ زاہد
دیکھیں تو تیری کب تک یہ بدشرابیاں ہیں
دل کے مزاج میں بھی کتنی شتابیاں ہیں
اب ہم نے بھی کسی سے آنکھیں لڑائیاں ہیں
اب رو کی جنبش اور پتلواریں کھائیاں ہیں
اور بت کدہ میں ہم نے دھولیں لگائیاں ہیں

غیروں سے وہ اٹکائے ہم سے چھپا چھپا کر
ہم کام سدا رہ تھی بت خانہ کی محبت
پھر دیکھتے ہو ایدھر آنکھیں ملا ملا کر
کعبہ تلمک تو پہنچے لیکن خدا خدا کر

ماند شمع آتش غم سے گھل گیا
گرمی عشق مانع نشوونما ہوئی
ہم خستہ دل ہیں تجھ سے بھی نازک مزاج تر
بزمِ جہاں میں روتے ہی روتے میں گل گیا
میں وہ نہال تھا کہ اُگلا اور جل گیا
تیوری چڑھانی تو نے کہ یہاں دم گل گیا

یہاں اپنی آنکھیں پھر گئیں پر وہ نہ آ پھرا
طالع پھرے سپر پھرا قلب پھر گئے
خانہ خراب میر بھی کتنا غیور تھا
دیکھا نہ بدگمان ہمارا بھلا پھرا
چندے وہ رشک ماہ جو ہم سے جدا پھرا
مرنے موابہ اُس کے کبھو گھر نہ جا پھرا

کام اپنا اس جنوں میں ہم نے بھی مکسویا
اس سب گل کو چمن میں دیریں نے بو کیا
جیسے سوتے سوتے ایدھر سے اودھر پہلو کیا
جس نے بالش خواب کا برسوں مرا بازو کیا
کس کی چشم پر فسون نے میر کو جادو کیا

پھرتے کب تک شہر میں اب سوئے صحراد کیا
بگہست خوش اس کے پندے کی سیاتی ہر تہجے
جانا اس آرام گہ سے ہے بعینہ بس یہی
ہاتھ پر رکھ ہاتھ اب وہ دو قدم چلتا نہیں
پھول نرگس کا لئے بھونچک کھڑا تھا راہ میں

بھونچک کوئی رہ جائے کوئی جی سر گذر جائے
تم ٹہرو کوئی دم تو مرا جی بھی ٹہر جائے
آغوش مری ایک شب اس شوخ سے بھر جائے

کیا چال نکالی ہے کہ جو دیکھے سو مر جائے
بے طاقتی دل سے مری جان ہر لب پر
ناچند یہ خمیا زہ کشتی تنگ ہوں یارب

نکالا جائے مو سر سے مے خارِ مغیلاں کو

جنوں نے گر کیا رخصت مجھے سیرِ بیاہوں کو

بلبل نے کیا سمجھ کر یہاں آئیاں بنایا
کس کے غبارِ دل سے یہ خاکداں بنایا
جو چرخ زن قضا نے یہ آسماں بنایا
گردِ رہ اس کی لے کر سروِ رواں بنایا
سماں نے قضا کے دل کیا مکاں بنایا
دو چار اینٹیں لے کر میں پھر شاں بنایا

بے رنگ بے ثباتی یہ گلستاں بنایا
اوڑتی ہو خاک یا رب تمام و سحر جہاں میں
سرگشتہ ایسی کس کی ہاتھ آگئی تھی مٹی
نقش قدم سے اس کے گلشن کی طرح ڈالی
اس صحن پر یہ سنت اللہ سے تیری صنعت
وہ تو مٹا گیا تھا تربت بھی میتِ جیو کی

اپنے دامن میں اگر آج گریباں ہوتا

ہاتھ دامن میں تیرے مارتے بھنچلا کے نہ ہم

نابوت پر بھی میرے نہ آیا وہ بے نقاب میں اٹھ گیا دے نہ اٹھا بیچ سے حجاب

آہ رو کوں جانے والے کس طرح گھر کے نزدیک کاش مجھ کو کاڑ دیوں بیچ میں در کے تے

بہار آئی ہر غنچہ گل کے نکلے ہیں گلابی سر نہال ستر چھو ہیں ہیں گلتاں میں شرابی سر بہت ڈرتا ہوں میں لے میر تیری دیر خوبی سر مبادا کارواں جاتا رہے تو صبح سوتا ہو

ہر بات پر حشونت طرز جفا تو دیکھو ہر لمحہ بے ادائیگی اُس کی ادا تو دیکھو گلبرگ سے ہیں نازک خوبی پا تو دیکھو کیا ہے جھمک کفک کی رنگ خاتا تو دیکھو سایہ میں ہر ایک کے خوابیدہ ہر قیامت اُس فتنہ زماں کو کوئی جگا تو دیکھو

کاش کے دل دو تو ہوتے عشق میں ایک رہتا ایک کھوتے عشق میں

باغ گو سبز ہوا پر سر گلزار کہاں دل کہاں، وقت کہاں، عمر کہاں، یا رکھاں دل کی خواہش ہو کسو کو تو کمی دل کی نہیں اب بھی یہ جنس بہت ہے یہ خریدار کہاں

ملک جہاں مہر و وفا کی جنس تھی میرے کنے لیکن اس کو پھیر ہی لایا جہاں میں لے گیا رنجہ کا ہے کو تھا اس رتہ عالی میں میر جوز میں نکلی اُسے تا آسماں میں لے گیا

میرا ہی مقتدر عمل تھا مجنوں کے دماغ میں خلل تھا
تھانوع میں دست میر دل پر شایہ غم کا یہی محل تھا

کہ بھر جھولی نہ یہاں سے لے گئی گلہائے حیاں کو
گل گلزار کیا در کا رہے گورِ غریباں کو
کسو بیدار دے کھینچا کسو نے دل سو پیکاں کو
لہو ڈوبا کفن لاویں شہیدِ بازِ خواباں کو
کسو دیوار کے سایہ میں منہ پہلے کے اماں کو
جگر خوں گشتِ دل آزر دہ میسر اس خانہ دیراں کو

نیمِ مصر کب آئی سوادِ شہر کنگاں کو
کوئی کاٹا سرِ رہ کا ہاری خاک پس ہر
صدائے آہ جیسے تیر جی کے پار ہوتی ہر
کریں بالِ ملک فرش رہا اس ساعت کہ محشر میں
کیا سیر اس خرابہ کا بہت اب چل کے سورتے
تری ہی جستجو میں گم ہوا ہر کہہ کہاں کھویا

قد کھینچے ہر جس وقت تو ہے طفسِ بلا تو کہتا ہر ترا سایہ پر ی سے کہ ہے کیا تو

رباعی

آتی نہیں نیند مجھ کو تنہا پا کر
اس رات کو سوئے کچھ ایسا کھا کر

کیا جانے بسا ہے آج کس کے جا
ہے جی میں نہ اٹھے تا بہ صبحِ محشر

دیگر

جو اس بتِ سنگدل کی ہویاری
پرہیز کرے جس سو خدائی ساری

کیا میر ہوئی تھی جان تجھ کو بھاری
بیار بھلا کوئی بھی ہوئے اس کا

دیگر

وہ بات نہیں رہی جو چپکے رہے
بے صرفہ جو کچھ کہ منہ پر آئے کہے

وہ عہد گئے کہ جو راس کے سہے
جب جی ہی چلا تو میر پھر صرفہ کیا

دیگر

خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
سجادہ گرو رکھنے نکالا ہم نے

تبلیج کو مدتوں سنبھالا ہم نے
اب آخرِ عمر میرے کی خاطر

(۴) محبت

نواب محبت خاں محبت تخلص خلف حافظ رحمت خاں قوم برپایح جو اسے است بزرگ
 فضل و کمال و علم و حیا آراستہ و در علم آداب و طریق سلوک و تہذیب اخلاق بہ اعلیٰ و ادا فی
 ظاہر و باطنش بہ یکتائی پیراستہ از بسکہ از ابتداے موزدنی طبع خیال شعر و دلش جا گرفتہ بود
 فکر فارسی و ہندی ہر دو میکند۔ بندہ اور اور لکھنؤ دیدہ بسیار بخوبی پیش می آید۔ حق تعالیٰ
 سلامت دارد۔ من کلامہ۔

نظر کے پڑنے ہی تجھ پر مرا گلخانہ رہا
 کہ دیکھتے ہی تجھے دل میں مدعا نہ رہا

مجھ سے خفا ہے وہ بت خود کام اب تک
 جھڑکی دہی ہے اور وہی دشنام اب تک

درو کس کا مرے پہلو میں خلش کرتا ہے
 یا الہی مجھے کیوں رات دن آرام نہیں
 عاشقی کا تو تری نام ہر اک لیتا ہے
 پر محبت سا کوئی عشق میں بدنام نہیں

آرام ایک دن کسی پہلو نہیں مجھے
 یارب یہ کس کے دردے میں بقرار ہوں

افت میں جس کو اشک بہانے کی خونہ ہو
 اُس کو خدا کرے کہ کہیں آبرو نہ ہو

ہم سے وحشت اسے کیا کہتے ہیں
 اتنی وحشت اسے کیا کہتے ہیں
 اس قدر یار سے گرمی کرنی
 کیوں محبت اسے کیا کہتے ہیں

فتنہ گر تو نے جو تک ہم سے چھپائیں آنکھیں
ایسے ہم رستے کہ آشوب کرائیں آنکھیں
ہو گئی سب پر مری اور تری چوری ظاہر
تو نے محفل میں جو شب مجھ کو چرائیں آنکھیں

یہ نقشا تو کھینچیں بھلا آن کر
دریغ آج بہزا دوانی نہیں

شب میں دیکھا کہ ٹکٹا ہو خیم زلف میں دل
یار و اس خواب پریشاں کی تو تعبیر کرو

دیر سے مجھ کو نہ کچھ کام نہ کعبہ سے غرض
کیوں گلا کرتے ہوئے گبر و سماں میرا

الحد زگریہ سے لے شوخ محبت خاں کے
وہ جو رویا تو یہی جانو کہ طوفاں اٹھا

گالی کا انتظا تو حسد سے گزر چکا
منہ کو کہاں تلک ترے دیکھا کرے کوئی

مجھ کو کہتا ہے کہ کرتا ہے تو بدنام صریح
لکھ کے بھیجے ہے جو یوں نامہ و پیغام صریح

دیکھ کر آنکھوں کو اس کی سزگوں کیوں گئے
چشم کو کرتے نہیں لے زگرِ شہلا بلند

جس کو تری ہی آنکھوں سے سروکار رہیگا
بالفرض جیا بھی تو وہ بیمار رہے گا

تجھ کو چھوڑا ہے بت مغرور نہیں جانے کا
زخمِ دل کو مرے یوں دیکھ کے بولا جراح
جاؤں تو پر مجھے مقدور نہیں جانے کا
ہائے افسوس یہ ناسور نہیں جانے کا

پہلے اپنی جان سے وہ ہاتھ کو دھو جائے گا
اے فلک آنے سے وہ بھی آن کر جائے گا

اُس کے کوچہ کی طرف ہاشم توجہ جائے گا
بے کسوں کی خاک پر جوشش سہ آیا برہر

آخر تجھے قفس کی طرف لے چلے نصیب
مرغ چین نک اور تو گلزار دیکھ جا

(۵) محنت

مرزا حسین علی محنت تخلص مولدش مغل پورہ عمر پنج سالگی بطرف پورب رسیدہ جوان
سلیم الطبع و کم گو است بمقتضات موزونی طبع فکر شعر و ریختہ بخوبی می کند و شعر خود را
از نظر قلندر بخش حرات می گذراند از دست
ہو رقیبوں سے ملاقات اُس بت گمراہ کی
اور ترستے ہم رہیں قدرت ہیہ اللہ کی

کان میں غیر کے جو تو نے کہا سمجھائیں
لے نہ گھبرا تری محفل سے اٹھا بچھائیں

کیا ہے یہ تیرا مجھ کو رلا کے ہنسنا
در سے اٹھایا مجھ کو اور میں ہنسا تو بولا
پھر نہ لے ستگر یوں کھل کھلا کے ہنسنا
ہے سخت بے حیائی خفت اٹھا کے ہنسنا
کچھ آ کے چھڑ جانا پھر ہلکا جا کے ہنسنا
ٹمک واسطے خدا کے اس کو بلا کے ہنسنا
کیا وصل میں منے تھے اُس شوخ کے کہ مجھ کو
بد حال دیکھ مجھ کو غیروں سے یوں کہے ہر

آمدن فصل گل کی نسیم سحر سنا
مرجاؤں کا قفس میں مت ایسی خبر سنا

افت ہوئی ہر اُس بت منور سے مجھے
پھر ہے نہ جو دیکھتے ہی دور سے مجھے

ناصح یہ نصیحت نہ سُننا میں نہیں سُننا
 احوال مرادھیان سے سُننا تھا بسیکن
 اُس بت نے جو غیروں پہ کیا لطف تو یارو
 کچھ ذکر میں ذکر اپنا میں لایا تو وہ بولا
 شکوہ سے ہی کرتا ہر جو کوئی اُس سو مرادگر
 محنت کو ہر یہ ضعف کہ کچھ اپنی حقیقت

بک بک کے مرا مغز نہ کھایں نہیں سُننا
 کچھ بات جو سمجھا تو کہا میں نہیں سُننا
 مجھ سے نہ کہو بہرِ خدا میں نہیں سُننا
 بس بات کو اتنا نہ پھرا میں نہیں سُننا
 تو کہتا ہر ہر اک کا گلا میں نہیں سُننا
 کہتا ہے وہ مجھ سے تو ذرا میں نہیں سُننا

رحم آئے نہ کچھ اس بتِ خونخوار کے دل میں
 وہ حسرتِ بوں ہوں میں کہ لیتے ہوئے جس کو

جب تک کہ اٹھے درد نہ دوچار کے دل میں
 سو سو ج گزرتے ہیں خریدار کے دل میں

کل شب وصل کی کیا جلد کٹیں گھڑیاں آج کیا مر گئے گھڑیاں بجانے والے

(۶) مائل

مرزا محمد یار بیگ مائل تخلص جوانِ خوش اخلاق شاگردِ جرات۔ از دوست۔
 یہ کہاں مقدور جو اس کو بلا کر دیکھئے دل میں ہر قاتل کو اپنے آپ جا کر دیکھئے

مائل تجھے اضطراب کیوں ہے اتنا بھی تو بے قرار کیوں ہے
 رونے کا خیال ہم کو دن رات لے دیدہ اشکبار کیوں ہے

آنکھوں کے سامنے نہ ہو وہ گلِ غدا حریف اور اس بغیر میں رہوں جیتا ہر ارحیف
 (ن، بڑھا)

کیوں مجھ سے خفا رہتے ہو اے جان کہو تو کیا میری ہر تقصیر میں قربان کہو تو

پتیا ہوں جامِ مے کے عوض کا سہ ننگ کا مائل ہوا ہوں حبسے میں اک سبزہ رنگ کا

رورو کے میں نے زانوئے حسرت پر رکھا جب یہ سنا کسی نے کوئی اپنا کر رکھا
کیا آمد بہار سے خوش ہوں کہ ہم کو آہ گردوں نے فصلِ گل میں بھی بربال پر رکھا

اختر سے تھے گرموتی اُس کان کے بالے کے اک چاند بھی جھکے تھا جھرمٹ میں دوشلے کے
فانوس میں کب دیکھایوں شمع کے شعلہ کو جھکے ہر بدن اُس کا جوں کرتے میں دالے کے
جوں کان میں تیرے ہے یہ موتیوں کا بالا کب گردِ تسکے ہیں یوں چاند کے ہلے کے
وہ زلف جو ڈس جاوے تو خاک جئے کوئی بچتے ہیں کہیں مائل کاٹے ہوئے کالے کے

کل جو نہیں اٹھا مجھ سے وہ باتوں میں بگڑ کر میں بیٹھ گیا وہ ہیں کلیجہ کو بکڑ کر
کیا جانے ہے راہ کدھر ملکِ عدم کی یارب نہ رہے قافلہ سے کوئی بچھڑ کر

۱۱، مشتاق

عنایت اللہ مشتاق تخلص پر زادہ سرسندی است۔ چن داں بہرہ از علم ندارد۔
اکثر در مشاعرہ ہائے شایعہاں آباد بہ بندہ خانہ حاضری شد۔ روشے بر سرِ راہ دولت خانہ
با من دو چار شدہ بود تازہ بایں طرف رسیدہ اما باز ندیش کہ چہ شد و کجارت کیکی ازو
بہم رسیدہ این است۔

(۱) دو شعرا از وہم رسیدہ دال اینست۔ (نخ)

اے باغباں نہ جانیو بیل کے متصل
مشتاق وہ جو شانِ محسوس ہے اور علی
بیٹھی ہر کس خوشی سو وہ ٹک گل کے متصل
ٹھیرے ہر کون اس کے تھل کے متصل

(۸) مجنون

درویش برہنہ، شاگرد میر محمد تقی صاحب از اولادِ رائے پیم ناتھ منسی، بیرہ رائے
بشن ناتھ کہ جہمت و اقبالِ خاندانِ ایشاں شہرتِ تام دارو۔ مشتاقِ قدیم است۔ دیوانش
آبِ زوہ از نظر فقیر گذشتہ۔ از دست۔
چڑھا کر ساغرِ لبریز جس دم تو نکلتا ہے
ترا انداز ہنسنے کا گلوں کے ہونٹھ ملتا ہے

سرکٹا دیں گے ہم اپنا تیری ہی شمشیرے
لڑکتی تدبیر اپنی گر کبھی تقدیرے

بیٹھا تھا دیکھ مجھ کو بہانے سے اٹھ گیا
حسنِ سلوک آہِ زمانہ سے اٹھ گیا

ترمی بے وفائی سے لے زندگانی
چھپانا پڑا منہ ہمیں تو کفن میں

پیا نہیں قدحِ مے کو میں کبھو تجھ بن
اسیرِ زلفِ ترا ہوں تجھی سے کہتا ہوں
نہ پوچھ حال تو مجنوں کا لے بتِ کاسر
رہا مدامِ مرے جام میں لہو تجھ بن
سنے گا حالِ مرا کون مو بہ مو تجھ بن
خراب و خوار وہ پھر تاہی کو بکو تجھ بن

جس سے دل چاہے ملو تم نہ کسی سے پوچھو
مجھ سے کیا پوچھتے ہو اپنے ہی جی سے پوچھو
(ن) بھیم۔ (۱) نسخہ ۲ میں دیوانش سے قبل یہ الفاظ ہیں ”بہ شرفِ اسلام مشرف شدہ“

سجدوں نے میرے قدرت اپنی دکھائی اتو
 کیا پوچھتا ہے مجنوں غیروں سے آشتی سے
 پوجے ہو تجھ کو بے بت ساری خدائی اتو
 رہتی ہو اس سے مجھ سے ہر دم لڑائی اتو

سر ٹپکنے سے بھی کچھ حاصل نہیں مجنوں بس اٹھ
 یار کب نکلتے ہو باہر گھر سے گویٹھے ہیں ہم

(۹) مشتاق

عبداللہ خاں ولد ابوالحسن خاں ابن سیف اللہ خاں المتخلص بہ مشتاق، قوم افغان
 یوسف زئی۔ مولد بزرگانش کا شان بود و بقولش جد و پدرش ہر دو شاعر بودند، سبقتی تخلص
 جد و حسن تخلص والدش میکرو۔ و از بسکہ یہ فصل و کمال در آں زمانہ موصوف بودہ اند،
 برخلاف عم خود اشتہار شیخی نہ برداشتند۔ جد مرحومش استاد بہادر شاہ بود و پدرش
 بسبب کثرت زر و مال کہ در خانہ داشت ترک روزگار کردہ بخانہ نشینی گذرانیدہ اصل
 خان مذکور از حضور علی حضرت ظل سبحانی مشتاق علی خاں خطاب یافتہ۔ بہ منصب پانصدی
 ذات و جاگیر ممتاز است و بہ استاد می مرزا فرخندہ نخت بہادر مامور۔ در علم جفر و مل و
 ہندسی رغبتی تمام دارد و نیز در نوشتن خط نستعلیق و ثلث و شفیعیانگانہ روز و جوان خوش
 خلق و خوش اخلاط و عاشق پیشہ و را بہدائے فکر سخن و را الہ آباد شعر خود را بہ شاہ محمد علی
 حیرت الہ آبادی نمودہ، در شاہجہاں آباد از میر محمد تقی میر استفادہ نمودہ۔ از دست
 شہید عشق تمھارے کی نعش اٹھتی ہے بنے تو تم بھی چلو ملک نماز کرنے کو

رنگ کیوں بن رہے مشتاق تے چہرے کا کس نے دکھایا ہے تجھے زہر بھری آنکھوں سے

کی اک نگاہِ یاس جو مژگانِ یار پر
جی بند ہو نکل بھی گیا تو کھسلی رہی
مشتاق تیرا کشتہ تیغِ فراق ہے
سو بر چھیاں چلیں دلِ امیدوار پر
اے چشمِ آنسریں ہر تھے انتظار پر
تقریبِ فاتحہ سے چل اس کے مزار پر

تو جئے مجنوں مر جائے لیلیٰ
اے وائے دیلا صد وائے دیلا

خود کو روؤں یا اس دلِ رئیسِ ناز پر در کو
پسِ مردن یہ سنتے ہی کہ تھے دستِ طلبِ ہر
کدِ رنائقِ لیلیٰ چلا آتا ہے صحرا سے
مسی آلودہ دندانِ تبسم میں تماشا کر
کیا اک ترک نے غارت مرے لشکر کے لشکر کو
کفن میں آہ کس خواہش نے گھیرا تھا سکندر کو
صبا کس نے ستایا آج قیسِ خاک بر سر کو
نہ دیکھا ہو چکے گر شبِ یلدا میں اختر کو

آہ لاحقِ عشق کی جب سے یہ بیماری ہوئی
بیقراری بے کلی و رپے طلبش رہنے لگی
دلِ سنبل چلِ زردی بوسہ شبِ دیکر پر رکھ
کیوں نہ بھٹکے تو پھرے اے خواہشِ دلِ میر کو
کھینچ تیغِ دشمن جاں امتحاں کرنا ہو کیا
کیا کہوں کیا ظلمِ غفلت سے ہوا مشتاقِ رات
بارہنِ بھٹیں کشتِ غشی طاری ہوئی
آہ دل دیتے ہی عاید یہ گنہگار ہی ہوئی
یار چو نکا پاسا نوں میں خبردار ہی ہوئی
بے نیازوں سے تری کب نازِ بڑاری ہوئی
کر چکے ہم عاشقی جب زندگی پیاری ہوئی
جا چکا پہلو سے جب ل تب خبردار ہی ہوئی

ہر قدم پر اس کے کوچہ میں غش آیا مجھے
ناتوانی ہائے یہاں تک تو نے پٹوایا مجھے

مٹے ہو دمِ بدم یہاں وصل کی تدبیرِ نقشہ
دکھائی دے ہر کچھ بے طہیب ہیں تقدیرِ نقشہ

منشی (۱۰)

میر محمد حسین منشی تخلص، سید صبیح النسب از سادات رضویہ ابن میر ابو الحسن عرف
میر کلن خوشنویس۔ بزرگانش اہل ولایت بودہ اند و از دوسہ پشت در شاہجہاں آباد
توطن اختیار کردہ مشارالہ خط نستعلیق بسیار درست می نویسد و در فن انشا پردازی کا
مہارت تمام دارد۔ اکثر کتب نظم و نثر فارسی از نظرش گذشتہ و قلیل و کثیر در عربی ہم ملید
چوں از بہری نخت سید خدمت منشی گری مرشد زادہ آفاق مرزا سلیمان شکوہ بہادر
باو متعلق است ہمیشہ بخطوط نویسی حضور دالامصروف می باشد۔ از آنجا کہ بہ سبب
درستی سلیقہ نظم و نثر و آگاہی فصاحت زبان اردوئے معلیٰ صراف سخن ہم اورامی توان
گفت لہذا ہر غزلے کہ از حضور ارشاد می شود مشاطگی تحریر و تقریر و تزیین بدست اختیار
اوست۔ معہذا بموجب ارشاد حضور و جلیت مورد فی طبع گاہ گاہ ہے فکر شعر مہدی ہم میکند
عمرش تخمیناً بہشت و ہفت سالہ خواهد بود۔ از دست۔

مالوف طبع اُس کی ہے جو رستم کے ساتھ	پھر ہم کو ربط کیوں نہ ہو اندوہ و غم کے ساتھ
صبح شب وصال ذرا ٹھیر کر نکل	ورنہ یہ جی ہوا ہے مرا تیک دم کے ساتھ
منشی رقم کروں ہوں جیسا پناہیں سوز دل	نکلے ہر دو دہ آہ صریح تسلیم کے ساتھ

کی جس سے محبت میں اُسے بار نہ پایا	اس عین کا کوئی بھی خریدار نہ پایا
تقصیر بھلا کیا ہوئی بتلا و جو ہم نے	دروازہ ملک آپ کے کل بار نہ پایا

نہ پوچھو اُس پری کے حسن کا عالم کہ آفسیہ	بلا شوخی غصہ بقار قامت اک قیامت ہے
ویا آئینہ میرے ہاتھ جو آج اُس پر یہ دے	تو کیا معنی کہ معنی صاف اب فہم کدورت ہے

جو پوچھا اُس سے لوگوں نے کہ منشی کون ہے بولے مجھے کچھ نہیں اُس سے دو کی صاحب سلامت ہے

نہ رکھے دیر و مطلب نہ اب طوفِ حرم کیجے
تنگ آیا ہو جی ہستی سے ٹک سیرِ عدم کیجے
اگر خط بھیجے اُس کو تو پھر حضرت سلیمان کا
یہ مصرع کر کے تھیں ایک شرابیوں رقم کیجے
سوا احوالِ دل اپنے کے منشی نے اگر تم کو
لکھا ہو حرفِ شکوہ کا تو ہاتھ اس کے قلم کیجے

گھر سے جو نکلے ہو جی آج تم اس تراش سے
آپ کو کچھ خبر بھی ہو دل کی مری خراش سے
کوچہ یار کا پتہ جب نہ ملا تو مر گئے
خوب ہوا کہ چھٹ گئے روز کی ہم تلاش سے
منشی خستہ دل کو اب عشق میں اُس پری کے
فکر نہ کچھ معاد کا کچھ خبر معاش سے

(۱۱) مقتول

مرزا ابراہیم بیگ مقتول ولد مرزا محمود علی۔ مولدِ بزرگانش صفایان و ایشان از
قدیم مرزایانِ دفتر بودہ اند و خودش در شاہجہاں آباد نشو و نما یافتہ سلیقہ نوشتنِ انشاء
نثر بسیار بہ درستی دارد۔ و در فہمید بد و نیکی شعر اور احرف برد گیر صرافان معانی
است۔ کم کم خود ہم مقتضائے موزونی طبع خیال شعر مندی می کند و انچہ گفتہ بفقیر نمودہ
ماسوائے شاگردی دوستی بسیار بایں خاکسار دارد۔ و عرش از سی متجاوز خواہد بود از اشعار
اوست۔

مطلب رہا نہ کچھ ہیں دیر و حرم کے ساتھ
اٹکا ہو دل اک ایسے ہی کا فرِ صنم کے ساتھ

کل گھر سے جوئے سادی پوشاک پہن نکلے
سو طرح کے اس میں بھی بے ساختہ پن نکلے

دیکھا ہو جس نے اُس بتِ کافر کے گات کو
 زنگِ شفق کی خاک میں مل جائے سب ہار
 یا تو ہم اُس سے آٹھ پہر ہم کلام تھے
 مقتولِ مصحفی سے ہوا ہے مجھے فیض

آئے نہ فرشِ گل پہ اُسے خوابِ رات کو
 جس دم وہ کھولے اپنے خوابتہ بات کو
 یا اب غضب ہو یہ کہ ترستے ہیں بات کو
 حق دیر گاہ جگ ہیں کھٹے اُس کی ذات کو

بتاں جب کہ زلفِ وفا باندھتے ہیں
 نہیں بنتی لبّیل سے اپنی چین میں
 میں یہاں حوں و قابول ہاتھوں سے اُس کے
 جفا کھینچیں گے پر نہ ہاریں گے جی کو
 گرہ دیکھے سر پر جو بالوں کا جوڑا
 ہر اک تار میں اُس کے دلہائے عشاق
 میاں حالِ مقتول دیکھا نہیں کیا

گرہ میں دل بستلا باندھتے ہیں
 ہم اب آشیانہ جدا باندھتے ہیں
 جو پاؤں میں اُس کے خواب باندھتے ہیں
 یہ ہم تم سے شرطِ وفا باندھتے ہیں
 یہ نازک بدن خوش ادا باندھتے ہیں
 بہم جمع کر کے بلا باندھتے ہیں
 کہ آپ کس پر بھلا باندھتے ہیں

(۱۲) مضطر

لالہ کنور سین مضطر تخلص سپردیوان دیبی پرشاد قوم کا لیتھ سک سینہ، بزرگانش

(۱) مضطر کے حالات کے متعلق رامپور کے نسخے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اسکی نقل ذیل میں دی جاتی ہے۔
 مضطر :- کرپا دیال عرف لالہ کنور سین مضطر تخلص خلف دیوان دیبی پرشاد قوم کا لیتھ
 سکینہ دلالہ درگاہ پرشاد مضطر کہ ذکر ایشیا گزشت برادر عم زاوہ ایشیا اند۔ جوان خوش خلق و
 بیارعلیم ولیم و باجیاد متواضع و خادم درویشاں است۔ بسبب موزونی طبع از عالم مکتب نشینی چیز
 در زبان ہندی و فارسی موزوں می کرد و از چندے بسبب دوستی کہ از میاں علی بی تنہا می داشت
 بہ حلقہ شاگردان مولف در آمدہ۔ و طبعش روانی کمال است و خیالش بیارر ساست، و امسال

کہ ہمہ عمدہ معاش و باجاء و ثروت بودہ اند، از شاہجہاں آباد اند و خودش در لکھنؤ تولد و تربیت یافتہ و بہن تیسر رسیدہ بہ سبب موزونی طبع کہ اکثر کو دکان رامی باشد۔ از عالم مکتب تشینی چیزے در زبان ہندی و فارسی موزوں می کرد و از حیا بکس نمی نمود بلکہ از بزرگان خود خفیہ می داشت۔ از خندے معرفت محمد علی تنہا کہ ذکر ایشان گزشت بہ حلقہ شاگردی مولف در آمدہ۔ در بیعتش روانی بسیار معلوم می شود اما از بے اطلاعی طرز شعر و محاورہ زبان ناچار است۔ اگر خندے مشق سخن بہ سلیقہ شاعری خواہد کرد البتہ بجائے خواہد رسید۔ از دوست۔

سیکھ کر باغ میں قدے تھے رعنائی کو	کام فرمانے لگا سر و بھی مزرانی کو
دشمن اپنا نہیں تم سمجھو ہوا و غیر کو دوست	ہم نے بس دیکھ لیا آپ کی دانائی کو
اُس کے خال تہہ ابرو پہ مجھے آئے ہر شک	لیکے بیٹھا ہے وہ کیا گوشہ تنہائی کو
رنگ ہر رنگِ خنیا پر کہ یہ کس پردہ میں	بوسہ دیتی ہو ترے ہاتھوں کی نیائی کو
جب اس شوخ کا عاشق میں ہوا ہوں مضطر	ہر کوئی دیکھ ہنسے ہے مری رسوائی کو

جو سن کے خفا ہو نام میرا	کس طرح وہ لے سلام میرا
کھڑا میرے چاروہ سا دکھلا	کام اُس نے کیا تمام میرا

(۱۳) مضطرب

لالہ درگا پرشاد مضطرب تخلص پیر دیوان بھوانی پرشاد قوم کاہستہ سکینہ جوان صالح

ہمراہ پدر خود بقوجدارئی محالات چاند پور وغیرہ علاقہ چکلہ بریلی از حضور سر فراز شدہ عرش بست سالہ خواہد بود۔ از دوست۔

(۱) رام پور کے نئے میں کسی قدر اختلاف ہے۔ اس کی نقل لکھی جاتی ہے۔

و خوش روئی و خوش خوئی است بمقتضای موزونی طبع گاہ گاہ ہے چیزے موزوں میکند
 و از آشنایان محمد علی است - از دست -

بہت بے اختیاری کر چکے ہم	نہایت آہ و زاری کر چکے ہم
کہا میں کچھ تو کیجے میری خاطر	کہا خاطر تمھاری کر چکے ہم
ترے وعدوں پہ سچا بے مٹھاری	بس اب اختر شماری کر چکے ہم
اگر یاری ہی ہوتی ہو صاحب	تو بس آگے کو یاری کر چکے ہم
نہ آیا مضطرب وہ رشک گلہائے	لہو آنکھوں سے جاری کر چکے ہم

(۱۴) مرہون

مرزا علی رضا مرہون تخلص کہ بیشتر مضمون^(۱) تخلص نیکو و جوان صلاحیت شعرا است
 بزرگان شہدی بودہ اند و خودش در شاہجہاں آباد نشو و نما یافتہ قبل فکر شعر بطور سادہ
 یادداشت از رونے کہ بچہ شاگرد می پسیر میر قمر الدین منت کہ نظام الدین نام دارد
 درآمدہ طرز متانت گوئی خاندان ایشان اختیار کردہ با فقیر ہم بسیار بخوبی پیش می آید -
 از دست -

(نوٹ صفحہ ۲۲۴) لالہ درگا پر شاہ مضطرب خلیف دیوان بھوانی پر شاہ قوم کا لیتھ سکینہ جوان صالح و خوش
 خلق است - بزرگان شہ از ہمیشہ ہمہ عمدہ معاش با جاہ و ثروت بودہ اند چنانچہ در سترہ ہجری کہ راجہ
 بھگوانداس صوبہ دار کٹھ بود والد و عموی شان دیوان کل بودند، با وصف قابلیت و شعور سلیقہ شعر
 فہمی کہ بیار درست دارد گاہ گاہ ہے بسبب موزونی طبع فکر شعری کند - اصلش از شاہجہاں آباد خودش
 نشو و نما بگھنویافتہ - عمرش تخمیناً بت و دو سالہ خواهد بود از آشنایان محمد علی تھا است کہ ذکر ایشان
 گذشت - (نسخہ رامپور) (۱، مفتون (خ - ر)

کیا سودا اپنے بریں اب دل کی جستجو کا
ہر آرزوئے دل کو حراماں نے خوں کیا ہر
یہاں آتش دروں کو وہ چکا کبھو کا
گردن پر یاس کے ہو خون اپنی آرزو کا

جزیک گاہِ خشم کبھی اُس کی خو نہیں
قنمت تو دیکھ یہ بھی کبھو ہے کبھو نہیں

جہاں رکھتا ہو حکمِ نیشتر ہر خارِ سرا کا
عوق اس لطف کو ہر زلفِ اُس کے تپا پ
وہاں کیا کیا مڑے مے آبلہ میری تیریا کا
شبِ مہتاب میں ہو جلوہ جوں عقدِ ثریا کا
سرایا ہو گیا آئینہ ساں جوں محو حیرانی
دل مرہون ہوا ہے محو کس کے رُئے سیا کا

پڑا ہے شورل میں جب سے اُس کا نِ ملاحت کا
برہنہ پائی لے چل بھگو اُس دشتِ مغیلاں میں
یہاں ہر زخمِ دل سے خون نکلے شِکایت کا
وے روشِ سدا رہتا ہوں میں صد کو محنت کا
پڑا ہے شورل میں جب سے اُس کا نِ ملاحت کا
برہنہ پائی لے چل بھگو اُس دشتِ مغیلاں میں
یہاں ہر زخمِ دل سے خون نکلے شِکایت کا
وے روشِ سدا رہتا ہوں میں صد کو محنت کا
کیا محرم لبِ افسوس و انگشتِ ندامت کا

(۱۵) ماسر

میاں فخر الدین ماسر تخلص خلفِ اشرف علی خاں کہ عمدہ خاندانی ایشاں شہرت تام
دار و شخصِ مَسْن و جہانِ مذیدہ است مدتے بخدمتِ مرزا رفیع سودا اوقاتِ عزیزِ خود را
بکتابتِ دیوانش صرف ساختہ یہ چوں فیضِ صحبتِ بزرگاں ضائع نمی رود خود ہم چیرے
موزوں کردہ و آنرا از نظرِ مرزا گذرانندہ - ازیں جہت اکثر اوقاتِ خود را از مصاحبان و
مشیرانِ مرزا می شمارد و فخر یہ می گوید کہ مونسِ ہر وقتِ ایشاں بودہ ام و طرفہ ترایی کہ

باوصف آگاہی فن اگر کلامش نگاہ کنی خالی از سخافت نیست، در نجایاں مثل بسیار ہوتے بیا و آید
 کہ دورانِ باخبر و حضور و نزدیکان بے بصر دور۔ از شمار اوست۔
 جو اس کے در پہ بیٹھے ہیں سمجھتے ہیں وہ کس کا ہوئے جو اس کے آوارہ وہ کہتے ہیں کہ کس کا
 ملی فرصت نہ آتی تھی کہ اٹھ کر مانگتے پانی ہوا تیرنگہ یوں آہ دل میں کا رگر کس کا
 ہوا و پڑ سکے جانے کا اس کے گھر کس کا فرشتہ پر نہ جہاں مارے وہاں گزر کس کا

(۱۶) موزوں

میر فرزند علی موزوں تخلص متوطن سامانہ شخص کثیر الکلام است۔ و عوائے شاعری
 نیلے در و غمش سمیپیدہ، بگمانِ بطل خود را از ہمہ بہتر می داند و فکرِ شعور زبانِ ہندی و فارسی
 ہر دو میکند اہل طبعش در فارسی از کمالِ تشیع گفتنِ ثنویاتِ مدحیہ امیر علیہ السلام و نظم کردنِ
 معجزاتِ آنجناب مثلِ میرٹمس الدین فقیر بیشتر است بلکہ خود را بہ شاگردی میر موصوف نیز ہم می سازد
 اما فرقِ شب و روز است۔ از دست۔
 یار ہی چیت چڑھا ہوا بیٹھے ہیں ہم اداس سے ذکر کر اس کا ہنشن اٹھ نہ سہاے پاس سے

نرگس کا پھول بھیجے نامہ میں یار کو معلوم تاکرے وہ مرے انتظار کو

(۱۷) محزون

عالم شاہ پیرزادہ محزون تخلص، ساکنِ قصبہ مروہہ درایامیکہ فقیر مکتب نشین بود او در
 ضلع شہرت بہ شاعری داشت و در ماہ محرم مرثیہ و سلام تیرگی گفت و می خواند و دوسہ شعرا در
 بخاطر است۔

سے محابا چاک کرتا ہے گریباں کے تنیں کس کے آنے سے چمن میں گل کو سودا ہو گیا

اسیر مرتے ہیں حسرت میں قتل کی پیج کہہ خدا کے واسطے کس دن عتاب ہوئے گا

اہل دنیا تو نہیں دیتے ہیں محزوں غم کی د کو کہن کو خواب شیریں سے جگاؤں تو ہی

محشر (۱۸)

محشر بد اوئی کہ پیچ از احوال شخیر ندارم۔ یک غزلش بر بیاض کہنہ کہ از مدستے پیش
 فقیر است مطلق بود۔ چوں اندکے در سلیقہ سخن درست می نماید حوالہ کا ذکر وہ شد۔ از دست
 تھنے ہوا لے کر یک نفس زباں میری
 جدھر کو لے اڑے دل کی تپش کروں پرواز
 ہر ایک وقت کا یہ روٹھتا تر اناحق
 ملی تھی چندے محبت کے ہاتھ سو فرصت
 کہوں ہوں بات میں ہر خیر خواہی کی
 نمایاں زلفت کی از بس کیا گیا محشر
 بے ہے پھوٹ کے یہ شہم خوفناں میری
 نہیں ہر برق صفت ہاتھ میں غناں میری
 بلا ہر جان پہ لے شوخ بدگماں میری
 نظریہ پھر چڑھا ایک اک جواں میری
 غور حسن میں سنتا ہے تو کہاں میری
 قلم کی طرح سیہ ہو گئی زباں میری

مست (۱۹)

جوانِ نو خواستہ بود شاگردِ میرامانی اسد۔ در مشاعرہ ہائے دہلی اکثر بر مکان فقیر ہمارہ
 ایشاں می آمد، مولف در اں روز ہا غزلے کہ طرح کردہ بود مصرعش را در مقطع تضمین کردہ نیست۔
 مشاعرہ میں چلو مست مصحفی جو کہے کبھی ملا تو کرے بارے ہر باں ہم کو

(۱) ہتھا ہے جان پہ (جینہ)

(۲) کردہ آوردہ دآں انیت۔ (دن خ) (ن) چل لے۔

(۲۰) مقصود

شاعرِ بازارِ سیت باوصفِ بے علمی جزانیکہ طبیعتش موزوں و روان است، پس
صفتِ نہ وارد و گاہی در مجلسِ شعرا قدم نہ گذارو۔ اطفالِ اجلاف بہ حلقہٴ شاگردش در آمدہ
کلامِ دانش را در ہنگامہ ہا و میلہ ہا می خوانند خصوصاً در ایام ہولی۔ و شعرش بر مثالے کہ
جفتِ لعل از سنگریز ہا بر آید بہ نظر ایں مبصر رسیدہ و آن اینست۔
عشق کیا جانے کہ ہر تھاجے معلوم نہ تھا عشق کا دل ہی میں گھر تھاجے مجھے معلوم نہ تھا

بوسہ لینے سے خفا ہوتے ہو کیوں مشفقِ من بوسہ وہ چیز ہے دونوں کو مراد تیا ہے

(۲۱) مائل

میاں محمدی مائل کہ متصل جامعِ نتیجوری قیام دارد و از شعرائے متوسطِ شاہجہان آباد
است اگرچہ فقیر را بایں بزرگ اتفاقِ ملاقات نیفتادہ اما ایک دو شعرش زبانی عاقل شاہ
روزے کہ برائے شنیدن اشعار ایں سچدان می آمد بہ سمع می رسید سلیقہٴ سخنِ سنجش بسیار بردستی
معلوم می شود۔ از دوست

اتنا میں مر کے دل سے ترے دور ہو گیا اک دن بھی آ کے تو نہ سہر گور ہو گیا

بتوں سے مل کے گنوا یا ہر دینِ دل مائل یہ کا فر آہ خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

(۲۲) مہلت

مرزا علی مہلت شاگردِ حرات چند سال گذشتہ اند کہ اورائش ازیں^(۱) بہ علی نقی محشر مناظر

(۱) مزخرفات (نخ)، (۲) گنوا یا ہر دین (نخ)، (۳) ازیں تعلقہ نہ علی نقی محشر (بجستہ)، (نخ)

در میان آمدہ بود آخر ہر دو برس قرار دادند کہ از گوشتی عبور کردہ آنروے آب بہ تیغ جنگ
کنند آخر ہمیں کردند کہ مشار الیہ چون زخمی شدہ بخانہ رسید و ارشادش ہر چند پرسیدند از ضارب
خود نشان نہ داد و در عرصہ قلیل از ہماں زخم جانتان زندگانی را جواب داد۔ از دست۔
گر یاد گلرغاں کی تہہ خاک کیجئے تو قبر میں بھی تن پہ کفن چاک کیجئے
مرنے کے بعد بھی نہ گئی دل کی وطنش آرام زیر خاک بھی اب خاک کیجئے

(۲۳) منت

میر تقی الدین منت متوطن سوئی پت کہ شاعرِ سلم الثبوتِ فارسی است۔ در ابتدا
چندے استفادہ ریختہ از محمد قایم نمودہ، چنانچہ مشار الیہ اور در تذکرہ خود ہمیں جہتِ شاگردی
یاد کردہ۔ ہر گاہ بعد پیدا کردنِ قوتِ علمی و تحصیلِ عربی و فارسی نام بہ فارسی گوئی بر آورد و
در آل زمان خود را شاگردِ میر تقی الدین فقیر میگوید و چندے پیشِ فوتِ حسین خان ہم آمد و شد
داشت۔ غرض کہ مفصل احوالِ در تذکرہ فارسی نوشتہ ام زیادہ برس نوشتنِ موجبِ دردِ
سر سامع خواہد بود۔ تصانیفِ بسیار از دو بر صفحہ روزگار یادگار است۔ گاہ گاہے برائے
تعلیمِ شاگردانِ ہندی گولب بزمِ زمہ ریختہ می کشود و الا تھا خرا و برس بود فقیر بعد تاریخ
حلقش کہ از دو سالِ جهان فانی را پدر و د کردہ، دوسہ شعر تاریخ برائے یمن می نویسد۔
تاریخِ لمولف

منت کہ ہچکے بہ فنونِ کمالِ شعر	از ہمسراں نہ کردہ کے ہمسری اد
دیوانِ زندگیش چو شیرازہ واکذاشت	در شہر فاش شد خبرِ بتری او
چو گان و گونامند و گاور ز پاشت	خالی ماند عرصہ جو لانگری او
ساقی روزگار و دریں مجلسِ خراب	حتظل فشر و در قدحِ آخری او
واحسرتا کہ سالِ وفاتش نوشتہ شد	منت کجا و زمزمہ شاعر می او

پھر تمنا کو یہاں مژدہ مایوسی ہے
اے خاکس کی تجھے خواہشِ بابوسی ہے
صفوہ سینہ پُر از جلوہ طاووسی ہے
ہاں یہ سچ ملنے کی خواہاں تو اک خوسی ہے

مدعی اُس سے سخن ساز بہ سالوسی ہے
میری ہی طرح جگر خوں ہو ترا دت سی
آہ اے کثرتِ داغِ غمِ خواباں کہ دمام
تہمتِ عشقِ عبث کرتے ہیں مجھ کو منت

ہم سے وہ جوشش وہ الفت دور کی
آپ کو سو بھی نہایت دور کی

محب (۲۴)

شیخ ولی اللہ محب تخلص تبع و ہم صحبت مرزا رفیع الصلش از شاہجہان آباد است شعر
را بہ ثنات و شنگی تمام می گفت۔ سوائے دیوانِ ریختہ یک مثنوی ہم زبانِ فارسی بہ سلکِ نظم
کشیدہ۔ از چند سال بصفہ شاعری در حضورِ مرشد زادہ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر اتیار
تمام داشت۔ دو سال است کہ بہ مرضِ مزمنِ ناسورِ پا و دواعِ جہان فانی کردہ۔ مرقدش در پیر
جلیل است۔ از دست۔

اُدھر آنکھوں سے بہاتے ہوئے دریائے
خیریت صاحبِ من آج کدھر آئے
سفرِ ملکِ عدم کو تن تنہا
کیا کریں ایک گھڑی دل وہیں بہلانے
یا دایا جو وہ گل باغ سے گل کھانے

جس طرف تشنہ دیدار تے جانے
یارِ آیانہ کہا ضعف سے میں اتنا بھی
قافلہ پہلی ہی منزل سے دیا ہم نے چھوڑ
جی جو بے چین ہی کو چہ ہی ترا دیکھ آئے
ہم چمن میں گئے تھے سیر کو گل نہ کھتے ہی

رکھتی ہر عینِ وصل سے باہم قرین مجھے
عینک تصور اس کے کی ہو دور میں مجھے

گلزارِ حسن پھولتی ہے اس میں چار فصل
آئینہ کی خوش آتی سرسبز میں مجھے
جائے تشہد اپنی یہ خواہش ہے اے محب
بھولے نہ ذکرِ دوست دمِ دلہیں مجھے

خانہ دل کہ نہ ہو عشق کا آئین جس میں
ہے وہ قرآن کہ نہیں سورہ یٰسین جس میں

باغ میں جب وہ گل تازہ بہار آتا ہے
بوئے گل پھر تو ہوا پر ہی دھری رہتی ہے

غلط سم کو کہتا ہے ہو بے مروت
نہ دیویں جگہ جی میں منہ پھیرتے ہی
تو ہی بے مروت ہے اوی بے مروت
اک آئینہ ہے اور تو بے مروت
پھر اس میں ہمیں کو کہو بے مروت

پشیم پر آب میں ہے جلوہ قدِ دل جو کا
شبِ نوبت میں جو اٹھتی ہیں جگر سے آہیں
دید کرتا ہوں عجب سروِ کنارِ جو کا
اک جہان بھکو نظر آئے ہے عالم ہو کا
زورِ فرہاد کے جب تول لیا بازو کا
شوخ نے چہرہ جو سر پر ہے سجا سا لو کا
باندھنوں پر یہ نیا باندھنوں باندھا ہے محب

اُس بت نے گلابی جو اٹھا منہ سے لگائی
عالم میں نشہ کے شبِ ہتھاب میں تیرے
نیشہ میں عجب آن سے جھکے تھی خدائی
خورشید سے کھڑے نے طلسمات دکھائی
جس ساتھ میاں تو نے ذرا آنکھ لڑائی
چھپتی نہیں وہ بات جو ہول سے بنائی
مارا ہے اُسے پھوڑ ترے تیرنگہ نے
گو غیر کے ملنے کی قسم کھاتے ہو پیاسے

واللہ ہمیں عشق کی بھولی ہوئی سب چال
مردم تو بھرا شیشہ جھبکا تاہر نشہ میں
آئینہ بند پوش ہوا عشق میں تیرے
ہم جھوٹے کہیں تو نہ ہو دیدار خدا کا
عاشق کو محب سلطنت ہر دو جہاں ہے

کافر تیری رفتار نے پھر "یا دولانی
ڈرتا ہوں کہ تیری نہ موڑک جائے کلائی
چارا بروؤں کی لے کے فقیرانہ صفائی
ہے روز قیامت تیری اک شب کی جدائی
گریار کے کوچہ کی میسر ہو گدا نی

باندہ جوڑا کیا چپک کر اس نے سچ بدلی محب

برق زیرابر ہے گویا کناری کا مبات

دل تو پہلے لے چکے اب کیا ہر مطلب آپ کا
روزمرہ عاشقوں سے ہر جواب صاف کا
یہ رگ جاں ہر کسی مقتول عاشق کامیاں

تے تکلف وہ بھی کہہ دیجئے کہ ہر سب آپ کا
مٹ گیا ان نو خطوں کے دل سے حرف نصاف کا
یا کہ جوڑے پر نمایاں رشتہ ہر موباف کا

کی چشم کی سیاہی پیدا انتظار نے
دھونی لگا رکھی ہے ترے در پہ آہ کی

تس پر بھی آہ خط نہ لکھا مجھ کو یار نے
لے شعلہ خورے دل امیدار نے

جو خواہش دل تھی سو وہ پیہات نہ نکلی
دلی کے ہیں کوچوں میں محب سحر کے پھانے

گالی کے سوا منہ سرتے بات نہ نکلی
کس روز نہی ایک طلسمات نہ نکلی

اُسے ذبح کرنے دیجو تو نہ منہ سے آہ کیجو
یہ امیدوار کب تک جئے اتنی آرزو میں

جو یہ رسم عاشقی ہے تو محب نباہ کیجو
کبھی مڑ کے اس طرف بھی تو ذرا نگاہ کیجو

دنیا میں کیا کسی سے سروکار ہے ہیں
تو ہی نہیں تو جان تری جان کی قسم
تجھ بن تو اپنی زیت بھی دشوار ہے ہمیں
یہ زیت کس کے واسطے درکار ہے ہیں

(۲۵) منتظر

میاں نور الاسلام منتظر تخلص دلدار شاہ فیض علی عرف پیر غلام برادر بزرگ شاہ بدلی
ابن شاہ محمد طیل کہ او برادر خورد شاہ عاقل سبر پوش خدا یاد و خود فراموش بود جوانِ صلاحیت
شعار دو استہ مزاج و شوریدہ سراست تحصیل عربی تا صرف و نحو دارد و اکثر کتب درسی
نظم و شرفارسی ہم بخوبی خواندہ ازودہ دوازودہ سالگی طبع موزوں داشت چوں شعر حسن
توان است در ہماں ایام شباب جائے تعلق خاطر ہمہ سانیۃ تا دوازودہ سال دیگر خود را
بہ تقاضائے و فری مجوب مصروف فکر شعر داشتہ اوقات شباب روزی را مثل مجنون صرف
می کرد۔ از ہشت سال برائے مشورۃ کلام خویش پیش فقیر آمد و شد دارد۔ ہرگز درس عرصہ
با وجود کم ملاقاتی و فصل سال و ماہ مثل دیگران رجوع بہ طرف دیگر نہ کردہ۔ اگرچہ بعض اشخاص
ذہانت طبعش را دیدہ بسیار خواستند کہ او را بہ طریقے بجلقہ بیعت خویش کشند ہرگز التفات
نہ کردہ تا آنکہ بہ برکتِ راسخ الاعتقاد متی خویش بمقام والائے شاعری رسیدہ۔ حالاً برائے
کلمہ شکنی آنہا برابر من موجود است و کلامش از غایت لطف و صفا پتج از کلام مولف در پاتہ
کمی نیست۔ عرض کہ از شاگردان رشید ایں خاکسار بمقدار است۔ عمرش تا امروز بہست و پنج
سالہ باشد۔ از دوست۔

ہر دم خیالِ یار جو پیشِ نظر رہا
گر یو نہی منتظر سے خفانت رہو گے تم
ہجران میں بھی وصال ہیں بیشتر رہا
سن لو گے ایک دن کہ وہ کچھ کھلے مر رہا

(۱) ذکر خود (ن خ)، (۲) اشخاص معوی (ن خ)، (۳) التفات بگفتہ ایشاں نہ کرو (ن خ)، (۴) محمد طیل (ن خ)

(۵) "خواہد بود" بجائے "باشد" (ن خ)، (۶) انتخاب دیوان دوست (ن خ)

طرف چمن نہ جانے سوئے لالہ زار دیکھ
ہے روزِ حشر دیکھنے کا شوق گر تجھے

تو آپ باغِ حسن ہے اپنی بہار دیکھ
اے منتظر تو اپنی شبِ انتظار دیکھ

چاہت مرے دل کی آزاد دیکھ

ظالم کہیں تو بھی دل لگا دیکھ

آئے ہیں تیری گلی میں اک زمانہ چھوڑ کر
کیا کریں ناچار پھر آئے تری محفل میں پار
آرزو میں سجدہ کے سرے سے مارا منتظر

جاویں اب پیائے کہاں ہم بٹھکانا چھوڑ کر
جی ہی سے ہم تو گئے تھے یہاں کا آنا چھوڑ کر
سر پہ کیا آفت یہ لی وہ آستانا چھوڑ کر

خلق دیکھے ہے میرے عید تمام آج کی رات
کل شبِ وصل کو پھر دیکھئے یارب کیا ہو
اک ذرا بے ادبی ہوئی ہو تقصیر معاف
منتظر ہے یہ شبِ ہجر کہ اک روزِ سیاہ

تو بھی اے ماہِ جھلک جالبِ بامِ آج کی رات
ہو گئی باتوں ہی باتوں میں تمام آج کی رات
پائنتی گر رہے کہتے تو غلام آج کی رات
نہ تو شیشہ ہونہ ساقی ہونہ جام آج کی رات

چمن تو پھول گل و لالہ زار پر اپنے
دنوں کو روتے ہی روتے تمام عمر کٹی
ہم سے جی میں تو تھکا زہر کھا کے سوڑے

کروں میں نازِ دل و اغدار پر اپنے
کریں نہ خندہ ہم اس روزگار پر اپنے
وے یہ ڈر ہے نہ تہمت ہو یا ر پر اپنے

صد مہ جو شبِ ہجر کا یاد آئے ہے مجھ کو
پیدا ہوئی اب کے نئی طرح کی دشت

اک دو ہیں پھر یہی کچھ آجائے ہے مجھ کو
نہ شہر نہ صحرا نہ چمن بھائے ہے مجھ کو

تم پیار کرو گز نہ صنم اور کسی کو
 اغیار تو جھوٹے ہیں میں کب تم کو کہا کچھ
 میں نے جو کہا گھر سے چلے کوئی دمِ پاپ
 سو گند لو پھر چاہیں جو ہم اور کسی کو
 پوچھو تو بھلا دیکے قسم اور کسی کو
 تو منہ کے کہا دیجیے دم اور کسی کو

گئے پوری سے جو تم غیر کے گھر آخر شب
 کل شب وصل جو تھی کہیسی مچانی تھی دھوم
 رات بھر تو رہی اُس ماہ کے آنے کی امید
 یاد کر تکیہ زانو کو میں اُس کے ہر دم
 منتظر کیوں نہ جگر سینہ میں فریاد کرے
 دلِ آگہ نے ہیں دی یہ خبر آخر شب
 بولتا آج نہیں مرغِ سحر آخر شب
 پر ہوا خوب مرا حال تیرا آخر شب
 دے دے مارا کیا بالیں سے آخر شب
 لے گیا لوٹ کوئی دل کا نگر آخر شب

گہہ پردہ فاش نالہ نے گہہ آہ نے کیا
 رسوائے خلق ہم کو ترسی چاہ نے کیا

چاہت کی بات مجھ سے نہ دم دے کے چھپے
 اپنے ہی جی سے آپ قسم دے کے پوچھے

لب پر مے اُس لب کی تقریر اور میں ہوں
 آنکھوں کے تلے اُس کی تصویر اور میں ہوں

کیا جو تم نے مجھے آج پیار تھوڑا سا
 بکھل گیا مرے جی کا بخار تھوڑا سا

سرو زمیں میں گر گئے غنچوں نے سر جھکاؤ
 خندہ گل کو دیکھ جو یار نے مسکرا دیا

یوں لے گئی دل زلفِ سیہ فام لگا کر
 جوں صید کو کھینچے ہر کوئی دام لگا کر

کیوں گردشِ دوراں کا نہ کیجے گلہ ہر روز
ہرگز نہ ہوا طے یہ بیابانِ محبت
ہر جی میں کروں میں بھی سفر ملکِ عدم کو
وحشت نے یہ گھیرا ہر کہ دیوانہ کے تیرے
اے منتظر اس رشک نے مارا کہ کرے ہر

پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک آبلہ ہر روز
درپیش رہا مجھ کو نیا مرحلہ ہر روز
یاروں کا اودھر جائے ہر اک قافلہ ہر روز
پڑتا ہے نیا پاؤں میں اک سلسلہ ہر روز
اک یار نیا وہ صنم وہ دلہ ہر روز

جہاں سے ہم دل پر اضطراب لیکے چلے
کنجھی نہ لے گئے ہم دل کو اس تک چھی طرح
یہ سرِ نوشت میں تھا جاوے راہ میں مارا
مواجو منتظر اُن کا وہ اُس کی تربت پر

عدم کو ساتھ ہی اپنے عذاب لیکے چلے
جولے چلے تو بحالِ خراب لے کے چلے
وہاں سے خط کا جو قاصد جواب لیکے چلے
گل اور شمع برائے ثواب لیکے چلے

کبھی گر بعدِ ماہ و سال شکل لے ماہِ کھلائی
بروز و صبح شادی مرگ ہو جانا ہی بہتر تھا

تو پھر برسوں ہی شقائق کو تو نے راہِ کھلائی
فلک نے یہ شبِ ہجراں ہمیں کیوں آہِ کھلائی

یک سرِ مونہ یہ حالِ دلِ ابتر سمجھے
مجھ سے کہتا تھا وہ اک روز سمجھ لو نگائیں
دولتِ حسنِ ہر جس پاس یہ ہر اس کو سوال

زلف سے تیری خدا و بت کا فر سمجھے
حالتِ نزع میں ہوں میں ابھی آکر سمجھے
کچھ نہ لے اور نہ لے پرہیں نوکر سمجھے

کیا ہجر میں بسرِ یوں نہیں اوقات ہوئے گی
جب جانیں گے کہ آج ہمارے بھی دن بھر کا
کہتا تھا ایک بات یہ میں تجھ سے ہوں خفا

یارِ کبھی تو اُس سے ملاقات ہوئے گی
ہم نصیبِ وصل کی جبات ہوئے گی
دھڑکے ہر دل مرا کہ وہ کیا بات ہوئے گی

کچھ نہ پایا جب نثار عید قرباں کے لئے
لے صبا یہ ہم صفیروں سے مرا کہیو پیام
ہم اسیروں کو رہائی کیا ہو جب ہر عید کو
لے چلے تب جاں کف ہم نذر جاناں کے لئے
کوئی ترپے ہو قفس میں سیریتاں کے لئے
قفل تو تیار ہوں درہائے زنداں کے لئے

غصہ میں اُس جیسے پڑے جب شکن کئی
کیوں سیر لالہ زار کو اُس بن گیا میں ہائے
آنکھیں کبھو لڑائیں کبھو دیکھ کرتنا
دریائے قہر اُن سے ہوئے موجزن کئی
جوتا زہ ہو گئے مرے داغ کہن کئی
سیلے میں اس نے ہم سے کئے بانگین کئی

امید ہے کہ مجھ کو خدا آدمی کرے
اس طرح وہ فریب سے دل لے گئے مرا
بھائیں نہیں کچھ اُس کے بھگتی ہو اپنی جان
مارا ہے کو کہن نے سراپے پتیشہ آہ
گر کچھ کہا بگڑ کے میں بس اُس نے ہنس دیا
گذرا میں ایسی چاہ سے تاجند ہنشتیں
ہے عشق بد مرض کوئی جاتا ہے منتظر
پر آدمی کرے تو بھلا آدمی کرے
جس طرح آدمی سے دغا آدمی کرے
کیا ایسے بے وفا سے دغا آدمی کرے
دل کو لگی ہو چوٹ تو کیا آدمی کرے
کیا ایسے آدمی کا گلا آدمی کرے
بیٹھا کسی کے سر کو لگا آدمی کرے
کیا خاک اس مرض کی دوا آدمی کرے

(۲۶) ممنون

میر نظام الدین ممنون تخلص خلف الرشید میر قمر الدین منت جوان سعادتمند و ذی شعور
است۔ در حین حیات پدر بزرگوار بعد تحصیل کتب رسمی بمقتضائے موزونی طبع خود را
مصرف فی گفتن شعر ہندی و فارسی میداشت تا آنکہ در عرصہ قلیل قوت شاعری چنانکہ
شاعر را باید پیدا کرد و کلام خود بر تہ کلام پدر رسانید اکثرے از موز و تان شہر استقاوہ

شعرا زو میکند حق تعالی سلامت دارو از دست۔

بندہ ہوں جن صورت عشق مجاز کا
از خویش رفتگی ہی یہ غمش میں یہاں نہیں
لے آہ بے ادب نہ اُسے پھونکیو کہ ہے
ہے آستانِ دیر پہ اپنی نشستِ خاست
یہاں جان تک بھی نہ چلے پڑا ہی ہاں نہیں
منوں دل ستم زدہ ہے عشق کا حریف

ہر آئینہ میں جلوہ ہے اُس جلوہ ساز کا
عزمِ کلیا و ارادہ حجاز کا
دل جلوہ گاہ پر وہ شتیانِ راز کا
کب ہو حرم میں ہم کو ارادہ نماز کا
جھگڑا چلے گا کیونکہ یہ ناز و نیاز کا
یہاں ہو دو چار صعوبت بے بال باز کا

کل جو خلوت میں رہت مخمور و آرائی تھا
جب مقابل ہوا اُس برق بلا سے منوں

آئینہ پشت بہ دیوار تماشائی تھا
وقفِ آتشِ مِراسا مانِ شکلیا فی تھا

کھولا جو پیچ طرہ عنبر شمیم کا
جب کھول دوں میں سینہ سوزاں کے چاک کو
دیکھا جو اُس کا قد و وہاں رُلف ہٹ گیا

مشکِ ختن سے بھر گیا دامنِ نسیم کا
تب باز، روئے خلق پہ در ہو جھیم کا
زاہد کے دل سے نقشِ لاف لامِ نسیم کا

بس ہے یہ لطفِ صبا بہر گرفتِ قفس

راہِ بوئے گل کرے سوراخِ دیوارِ قفس

منکر ہمارے قتل سے ہوتا ہو تو ہنوز
آنکھیں بسانِ آئینہ پتھر اگئیں مری
اپنا غبار بھٹکے ہے مانندِ گرد و باد
۱۱، ہم غمش یہاں نہیں، دن خ،

رنگیں ہے اپنے خون سے وہ خاک گو ہنوز
لے خود نما پر آیا نہ ایدھر کو تو ہنوز
گو ہو گئے ہیں خاک پہ ہر جستجو ہنوز

رکھے ہر ڈھنگ کچھ ساقی شرب ناب آتش کا
مرے یہ گرم آنسو پونچھ مت دست بگاریں سے
مقطر کیا کیا لے کر گل شاداب آتش کا
کہ ان چمنوں سے رہتا ہر رواں سیلاب آتش کا
دکھاؤں داغِ دل تو ہوئے زہر آتش کا
ڈرانا ہر عبتِ ممنوں کو تو دو نرخ سولے غلط

قدم رکھا ہے یہاں کس نے گلِ تصویرِ قالی کا
دعائیں زیر لب آہستہ آہستہ اُسے دُنوں
پڑا ہر پر تو مہ طلعتاں اس دیدہ تر میں
نگاہِ شوخ یوں گستاخ مت جا اُس کے غاصق
لکھا جو شعر تعریفِ جمالِ یار میں ممنوں
رکھے ہر ڈھنگ اُس پائے خابستہ کی لالی کا
جو یاد آئے ہر لب تک آ کے رک جانا دکالی کا
یہاں دیکھ آ کے عالم ماہتاب پرنگالی کا
خطر ہر سترہ نو خیر خط کو پامسالی کا
وہ حسنِ نظم میں ہر سر ہے اشعارِ جمالی کا

کب گل ہر ہوا خواہ صبا اپنے چمن کا
بے تابی دل تیرے شہیدوں کی کہاں جا
اس واسطے دیتا ہوں اب آئینہ کو بوسہ
طفلی میں دیا ہے سبق استاد نے تجھ کو
ہم زمزمہ ہم تم تھے کبھی ہر یہی پیغام
واجبش دم سے ہر فوز خم کہن کا
کچھ کم رگِ سہل سے نہیں تا رکفن کا
وہ شمع جو دلدادہ ہر عین اپنے دہن کا
ناز و نگہ و عریذہ و شوخی و فن کا
مرغانِ قفس کے لئے مرغانِ چمن کا

دھویا ہر کس نے منہ کہ یہ ہر رنگ آب کا
لبریز رنگ گل سے ہے ساغرِ حباب کا

رہے ہر روشِ نشر پر آبلہ دل کا
یہ حوصلہ ہر کوئی بل بے حوصلہ دل کا

(۱)، قدم رکھا یہاں کس نے کہ الخ (نور محمد) (۲)، رنگ (ن خ - ن نور محمد، (۳)، برنگالی (ن خ)،
رہا، کس واسطے - (ن خ) کس واسطے دیتا ہے اب الخ (ن نور محمد - (۵) دلدادہ نہیں اپنی دہن کا (ن خ)

سمجھ کے رکھو قدم رہروانِ وادیِ عشق
عبث نہیں ہے یہ دایہ پریشانی

رواں ہی یہاں دمِ خنجر پہ قافلہ دل کا
کسو کی زلف کو پہنچے ہے سلسلہ دل کا

تھا روزِ کونسا کہ یہاں غم نہیں رہا
کیوں مسکی مسکی چولی ہو اور کبھرے کبھر ڈال

ٹھٹھ کے دل کا مرثیہ ماتم نہیں رہا
گراختلاطِ غیسرے یا ہم نہیں رہا

دورِ فلک میں کس کو نہیں مسکشی سو ذوق
منونِ رنگِ حضرتِ سودا جو دیکھئے

رکھتا ہے ماہِ ہاتھ میں ساغرِ بلور کا
ہر رنگ میں شراب ہے اُس کے ظہور کا

عینِ راحت ہے جو کچھ ہم پر ستم کیجئے گا
کس کو پروا کہ ہو ادا رِ گلِ دلالہ رہے
دیکھ کر مجھ کو یہ کہتے ہیں بتانِ خوشخط

سر جھکا دیں گے اگر تیغِ علم کیجئے گا
باغِ دل اپنے ہی کو رشکِ ارم کیجئے گا
ایک دن سر کو ترے تن کو قلم کیجئے گا

نہیں ہے جلوہ ناغنجہ شاخِ پر گل کا

یہ ہو رہا ہے گرہِ شعلہ آہِ بسل کا

سم سے کتنے بے دلوں کی کسے نسرل پہنچ
کشتیِ طاقتِ شکستہ اور بحیرِ غم کا جوش
دشتِ تنہائی میں صحر اگر وہ جوں گرد باد
صید گاہِ شوق میں کیا بے ادبہ صید ہے

یا گردِ دل میں ہو رہم کو کہاں دل تک پہنچ
مژدہ نو میدی نہیں بانیِ سل تک پہنچ
مشتِ خاکِ قیس کی شکل ہو محل تک پہنچ
جو کہ جاتا ہے تڑپ کر پے قاتل تک پہنچ

ہے سایہ فگن زلفِ سیہ فام زمیں پر

یا صبحِ قیامت کی ہو یستام زمیں پر

(۲۷) محترم

خواجہ محترم خاں محترم تخلص کہ فقیر از احوال ایشان مطلع نیست۔ از دست۔
 اے محترم اتنی اشکباری کھل جاتا ہے ابر بھی برس کر
 کیا رونما ہو یہ ترا کہ جس سے بدنام ہوا میں اب تو بس کر

پیغام توجہوں کے آنے لگے ہیں مجھ تک شاید بہار کے دن نزدیک آن پہنچے

(۲۸) مصدر

میرا شمار اللہ مصدر تخلص پر میرا شمار اللہ خاں کہ کمالات طبعی ایشان از غایت
 اشتہار محتاج بیان نیستند۔ گاہ گاہ ہے خیال شرم می کنند و ہر کہ پیش ایشان کلام خود بخواند
 در جواب آں بدیہ گوئی را زیادہ می شوند فقیر اگر چہ ایں بزرگ را ندیدہ اما اوصاف
 کمالاتش بیشتر شنیدہ، دو شعر از و بمع رسیدہ۔
 خدا کرے کہ مرا مجھ سے ہر باں نہ پھرے پھرے جہاں تو پھرے پروہ جان جان پھرے

کافر ہو سوا تیرے کرے چاہ کسی کی صورت نہ دکھائے مجھے اللہ کسی کی

(۲۹) مضمون

میاں شرف الدین مضمون از قدما است، دو شعر ایشان بطریق مین نوشتہ۔
 ہمارا اشک قاصد کی طرح یک دم نہیں تھمتا کسی بے تاب کا شاید لئے مکتوب جاتا ہو

(۱) چند اشعارش از نظر گذشتہ انجہ انتخاب افتادہ نیست (نخ)، (۲) آمادہ دن نور محمد

نہی ہی فتنہ قد و قامت ہے منہ کے چہرہ دیکھنا قیامت ہے

(۳۰) منزل

شاہ منزل تخلص از قدماست گویند ویشے بود شعرے از طفولیت یادوارم۔
دل بہن میرا منزل رم گیب دشمنوں کے من کے پیچھے ہو گئے

(۳۱) معین

بہ شاگردی مرزا محمد رفیع شہرت دار و شاعر کہنہ مشق است فقیر اور اندیدہ یک
غزلش مشہور است برائے یادگاری نوشتہ و دور باغی انیت۔
اے باد صبا باغ میں مٹ جائیو تڑکے شاید کہ وہ سوتا ہوئے اور پات نہ کھڑکے
جوں شیم کی تختی اگر اس راحت جاں کو چھاتی سے لگا رکھئے تو دل کا ہے کو دھڑکے
آتے ہی نہیں گر کے سوئے چشم یہ آنسو اس گھر سے گھر وٹھ کے نکلے ہیں بیڑکے
اے ابر بہاری شب بھراں ہو خبردار دامن ترا مجھ آہ کے شعلہ سے نہ بھڑکے
سر رشته رہ عشق کا ہرگز نہ کروں گم سو ٹکڑے اگر بچہ منظر ہوں مے دھڑکے
قمری ہو فدا باغ میں شمشاد کی دھج پر ہم صدقہ ہیں لے سر دواں تیری اکڑکے
قصہ ہی کر و مختصر اب جانے دو یا رو کیا لینا ہے تم کو مرے قاتل سے جھکڑکے
ہوں میں وہ دوانا کہ بہار آنے سے آگے زنجیر میں رکھتا ہوں معین تھک جکڑکے

رباعی

جب سے تجھ ساتھ دل لگایا ہم نے کیا کیا اندوہ و غم اٹھایا ہم نے
تقصیر نہیں ہے اس میں تیری بالہ جیسا کہ کیا تھا ویسا ہی پایا ہم نے

دیگر

دل کے ہاتھوں ہمارا جینا معلوم
خون پیتے ہیں اب تو مے کا پینا معلوم
گر جیب پھٹا ہو تو روفو ہونا صحیح
یہ چاک جگر ہے اس کا سینا معلوم

محشر (۳۲)

مرزا علی نقی محشر، بزرگانش اہل خطہ بودہ اند و خودش در لکھنؤ نشو و نما یافتہ بمقتضائے
موزونی طبع شعریہ زبان ہندی و فارسی ہر دو میگفت و دعوائے شاعری چناں درویش
جا گرفته بود کہ کسی را بہ خاطر نمی آورد و طرفہ تر اینکه خود اکثر قدم در راہ خطامی گذاشت۔
در ایامی کہ از بیم دعوائے خون مرزا علی مہلت از شہر برآمدہ وار و شاہجہاں آباد
گردید روزے بہ مجلس مشاعرہ مؤلف حاضر شدہ و روزی بہ صحبت کیمیا خاصیت
خواجہ میر درد نیز رسیدہ و یہ ہیں بہت خود را بہ شاگردی ایشاں متہم میداشت۔ آخر بعد
یک دو سال بہ طرف اکبر آباد وغیرہ سیر کردہ ہر گاہ دید کہ فتنہ فروشت باز بہ شہر آمد و
بہ ہوشیاری تمام زندگانی میکرد۔ و ارشاد مقتول عجاالتا با و آونختن مصلحت وقت نمی داشتند
چوں ایں ماجرا از خاطرش گردید و چند سال بریں گزشت در سنہ یکہزار و دو صد و ہشت در
عشرہ ماہ محرم قابوئے وقت یافتہ اورا بہ یکسی کشند و قصاص خون مہلت بہ مہلت گرفتند
عمرش تخمیناً قریب سی رسیدہ باشد۔ از دست۔

جان منتظر ہے آنکھوں میں وقت ریل ہو
جلدی پہنچ کہ تیرے ہی آنے کی دلیل ہو

دورین اُس چشم کے گردوں کو آسائش نہیں
کس گھڑی کس دم نئے فتنہ کی فراش نہیں
گفتگو اُردو زبان کی کوئی ہم سو سیکھ جائے
کیا ہوا دلی میں محشر اپنی پیدائش نہیں

(۱) دوسرا مصرعہ پہلے ہو اور پہلا بعد میں (ن خ) (۲) شدہ بود (ن خ) (۳) از خاطرش نیا متیا گردید (ن خ)

(۳۳) معروف

آہی بخش معروف تخلص پیر عارف خاں جوان خوش اخلاط و وجیہ است در ایامیکہ
فقیر تذکرہ باتام رسانیدہ از شاہجہان آباد بکھنو گزرا فگندہ بہ شاگردی میاں نصیر نازش
دارد و فکر شعر نیز برویہ ایشان کہ تلاش است میکند و ریک و دوشاعرہ حال صاحب عالم
شریک غزل طرحی نیز بود بعد یک دو ماہ باز بہ شہر عود کرد مطلع از و بیاد ماندہ -
کیا چھٹی اس کی تہامی کی وہ انگلیا ہاتھ سے ہاتھ ملتا ہوں گئی سونے کی چڑیا ہاتھ سے

(۳۴) مروت

صغیر علی مروت تخلص کہ بہ پیر مصری شہرت دارد و لد کبیر علی عرف حکیم کبیر بھلی شیخ انصاری
کہ ذکرش گزشت جوان قابل و دانا است تحصیل کتب طب وغیرہ از والد خود در رامپور
کردہ بمقتضای موزونی طبع چوں شوقی شعردامن دلش را بسوسے خود کشید اورا بہ صحبت
نوجواں پیر تقیم خاں کہ جوان شاعر دوست گزشتہ سیر دوا دین اساتذہ سلف و حال خاطر خوا
میر آمد ہذا گاہ گاہ ہے کہ فکر شعری کند و راں تلاش معنی ہائے تازہ منظور می دارد و اکثر
غزلش قصیدہ طور است و یک دو قصیدہ کہ گفتہ خیال بند می راد و بطور سلیم و مت دادہ -
دریں کار رویہ مرزا رفیع پیش نہاد خاطر اوست - در ہماں ایام کہ بہ رامپور بود یک دو
داستان برویہ ثنوی میر حسن در سلک نظم کشیدہ با خود داشت و میخواست کہ آنہارا
بہ نظر مومی الیہ بگذراند چوں در ہماں ایام میر موصوف را سفر ناگزیر در پیش آمدہ بیارتا
خود و رفتہ رفتہ ہماں چند قطرہ اش دریا گردیدند یعنی در عرصہ پنج شش سال کہ از سفر
بنارس در شہر باز آمد جواب ثنوی بہ معنی ہائے تازہ ہیا گردانیدہ بعد اتمام قصہ بہ عرصہ

قلیل بہ ہمایگی فقیر اور انویسانیدہ و صاف نمودہ در معرضِ شہرت افگندہ اکثر دوستانِ نقل
گرفتہ نازشِ شاعری او بر ہمیں شنوی است^(۱) اور آغازِ شبابِ اولِ چندے بہ ترغیب
میر حسن فکرِ شعر کردہ و از نظرِ ایشان گزرا نیدہ و بعد ازاں در روز ہائے کہ در رستمِ مکرافات
داشت بسببِ قرب و جوار بہ میاں قلندر بخشِ جرأت رجوع آوردہ۔ اقرار شاگردش یک
کس نیست لہذا می گوید کہ سہ زہر خرمنے خوشہ میافتم۔ نمتع زہر گوشہ میافتم۔ بسبب
ہمایگی اتفاقِ ملاقات می شود۔ از دست۔

کیوں تو نے داکیا تھا بستِ قباچمن میں
ہر سمت اب صبا جو پھرتی ہو خاک اڑاتی
نرگس کی آنکھ تجھ پر پڑتی ہو بے طرح سی
جوں لالہ داغِ دل یہاں پھل اٹھا شاید
جیب اپنا گل نے پھاڑا بلبلِ موسیٰ ہر دست
اڑتی پھرے ہے گل سے بلبلِ خفاچمن میں
بلبل کے پر پڑے ہیں کیا جا بجاچمن میں
مت وقتِ شام جانا بہرِ خداچمن میں
جاتا ہے سیر کرنے وہ بے وفاچمن میں
کیوں اپنے غم کا قصہ تو نے کہاچمن میں

چھٹا نہیں ہو دستِ مصو سے وہ ورق
ناخن زنی میں دل کے ورق پر رہی سہا
کھینچی ہے اُس نے جس پہ مے یار کی شبیہ
کس کس طرح اُس ابرو سے خمدار کی شبیہ

کیا صدف ہوں میں کھون جو ہر گھڑی گوہر بدست
اپنی صیادی پہ وہ صیاد کیا نازاں ہو واہ
خارِ صحرا نے قدم چومے جو ہیں مجنوں چلا
عشق کا قصہ مردست سے سنو اے بلبلو
جو ہر شمشیر ہوں رہتا ہوں نت خنجر بدست
آگیا ہے ایک جو مجھ سا طائر بے پردست
لی ہمارِ نہتے لیے الجھشم تر بدست
مثلِ گل اس بات کا رکھتا ہو وہ دفتر بدست

(۱) شنوی است ماسوائے آن بر غزل و قصیدہ وغیرہ چنداں مفاخرت ندارد و در آغاز (نخ)

(۲) چوں خانہ اش قرب و جوار مکان فقیر است اکثر ملاقات می افتد۔ (نخ)

غیروں پہ دیکھ دیکھ کرم اُس نگار کا
 گوش گر دو باد ہے گردش نصیب میں
 مجنوں کی خاک بن کے گولا چلی ہر ساتھ
 بن گر دو باد یار کے صدقے ہو اس لئے

چیں جہیں ہے نقش ہمارے مزار کا
 رہے دماغ عرش پہ مجھ خاک ر کا
 محتاج کیوں ہونا قہر لیلے مہار کا
 ہے رابطہ ہوا سے ہمارے غبار کا

ہر حسن کی اک موج شبانہ میں در ریز
 قطرے وہ عرق کے نہیں اس صحنِ جہیں پر

نہ چین ہے نہ گل ہے نہ بو ہے
 دیکھنا ہنس کے اُس کا آنکھ ملا

جلوہ گر یہاں تو ہر طرف تو ہے
 کیا کہوں سحر ہے کہ جادو ہے

حسنِ چشم آہ یہ کس گل کا مجھے بھاتا ہے
 تھخہ تخت جگر اشک مرا اے ہدم

خواب میں تختہ نرگس ہی نظر آتا ہے
 و مبدم گوشہ دامن کو لے جاتا ہے

ق ہر رو پر ترے گیسوئے سیہ کے نیچے
 جس طرح وقتِ سحر موسمِ سرمای میں غزال

خالِ مشکیں مجھے اس شکل نظر آتا ہے
 شاخِ سنبل کے تلے دھوپ کھڑا کھاتا ہے

مصطفیٰ (۳۵)

مصطفیٰ نہ ماند کہ متوفیٰ تذکرہ غلامِ سہدانی نام دارد و مصطفیٰ تخلص مے گزار دو بزرگانش
 نوکری خانہ بادشاہ کردہ انداز ایامیکہ تفرقہ شدید در سلطنت راہ یافتہ سلطنت خانہ ای
 روسیہ ہم خاک برابر شد ہمہ از تمتع دنیا بہرہ دانی داشتند۔ ایں فقیر حوچ بخت و طالع
 آہانداشت ناچار از آغاز شباب بقصائے موزونی طبع مصروف تحصیل علم بود چنانچہ

(۱) بزرگانش اباعن خد نوکری (نخ ۷۸) بہ خاک سیاہ برابر شدہ (نخ ۷۸)

فیضِ صحبتِ بزرگانِ اول از کمالِ نظم و نثر زبانِ فارسی تحقیقِ محاورہ و اصطلاحِ آن نعتِ حاصلِ کردہ بہ مقتضائے رواجِ زمانہ آخر کار خود را مصروف بہ ریختہ گوئی داشتہ برائے انیکہ رواجِ شعر فارسی در ہندوستان بہ نسبتِ ریختہ کم است و ریختہ ہم فی زبانِ بایہ اعلیٰ فارسی رسیدہ دو از وہ سال در شاہجہان آباد بہ دورِ نواب نجف خاں مرحوم بگوشہ غزلت گزیدہ۔ زبانِ ریختہ اردوئے معلیٰ کما ہی دریافت نمودہ و ہرگز برائے تلاشِ معاش و رآں حشرِ اجساد و اموراتِ بروہ کس نہ رفتہ اگرچہ بہ نسبتِ فارسی گوئی در یارانِ سلم الثبوت فارسی گو ہم شمر وہ می شود و اما نام برآوردہ بہ ریختہ است و انچہ دریں مدت تصنیف و تالیف کردہ انست کہ در دیوانِ فارسی کے در جواب مولانا نظیری نیشاپوری و یکے بطور خود و دہ دیوانِ ہندی و ذکر فارسی و ہندی و یک و دہ جزو شاہنامہ تانسب نامہ حضرت شاہ عالم بہادر و یک دیوانِ ہندی کہ در شاہجہاں آباد گفتہ مع مسودہ دیوانِ فارسی اول کہ زبانِ آن بطورِ جلالِ اسیر و ناصر علی بود و یہ دزدی رفتہ مینخواست کہ کلام خود را آخر ہم صاحبانِ نوید اما حرفِ میم برآں آورد کہ بہ ویف میم داخل باشد لہذا المؤلفہ۔

اشعار از دیوانِ اول

لگائے ہاتھ کوئی اُس بدن کو کیا گستاخ	نہ جس بدن کو لگی ہو کبھی ہوا گستاخ
میں جھڑتا ہوں جو اُس کو کہے ہر کٹکے قریب	قدیم سے ہے تمہارا یہ آشنا گستاخ
نابہ متعجبی میں جب سے شروعی کا	ہمیشہ ہاتھ گریباں سے ہر مرا گستاخ
بہ ساعے کہ کشائی قبا بہ یاد آور	کہ می کشاد کے بند ایں قبا گستاخ

کریں گے خوابِ راحت یا یہی خیمال ہو دیگا خدا جانے کہ بعد از مرگ کیا احوال ہو دیگا

۱۱ رسیدہ بلکہ از بہتر گردیدہ، چنداں مصروفِ فارسی نامزدہ است۔ (ن خ)، (ن)، نسخہ میں بعد فارسی "زبانِ فصیح" کے الفاظ زائد ہیں۔ (ن خ)، لہذا مخرافات خود را نیز داخل ایں جریدہ کردہ شد تا بر صغیر روزگار یا گویا

یہ خیال اک دن اسی صورت فزوں ہو جائیگا
ان خنائی ہاتھوں کو پرے میں رکھ بہر خدا
تائبش خورشید میں تو گھر سے باہر مت نکل
گو کہ اب پاتے نہیں ہم اُس کا کوچہ مصحفی

رفتہ رفتہ مجھ کو سوچھے ہے جنوں ہو جائیگا
مفت میں ظالم کسی کا ورنہ خوں ہو جائیگا
پھول سا رخسارہ تیرا لالہ گوں ہو جائیگا
شوق اگر یہ ہے تو اک دن رہنموں ہو جائیگا

صورت کو تیری دیکھ کے مانی نے رُودیا
ہرگز رہے نہ ہم تو کسی کام کے دریغ

یہاں تک کہ خوں میں اپنا مرقع ڈبو دیا
سب کام سے ہمیں تری لفت نے کھو دیا

کل میں جو راہ میں اُسے پہچان رہ گیا
سمجھے وہ صیدِ خستہ مرے اضطراب کو
شوخی تو دیکھ تیر کو سینہ سے کھینچ کر
ماے خوشی کے کو دپڑا میں تو مصحفی

کچھ وہ بھی مجھ کو دیکھ کے حیران رہ گیا
سینہ میں جس کے ٹوٹ کے پیکان رہ گیا
کہتا ہے میرے تیر کا پیکان رہ گیا
شب پاس میرے اُس کا دوا لیا نہ گیا

نظر آتے ہیں رُپے تیری آنکھوں کے گلابی سے
ہوا میں سجدہ کیفیت کہ نخل اس باغ کے سارے
نزاکت کو نظر کیج کہ کل اُس نے شبِ مہ میں
جو میرا دل نہیں جلتا تو پیالے میرے پہلو سے
مکانِ مصحفی اس کو نہ سمجھو آپ کا گھر ہے

کہیں بے پی ہر تو نے یا اٹھا ہر نیم خوابی سے
گھلے میں باہیں ڈالے ہیں کھڑے باہم تشرابی سے
چھپا یا چاند سے مکھڑے کو اپنی آفتابی سے
اٹھالیتا ہر تو کیوں ہاتھ کو رکھ کر شابی سے
تکلف کچھ نہیں کھل بیٹھے یہاں بے حجابی سے

قدغن ہے کہ در تک کوئی یہاں آنے نہ پاوے
وہاں روزن دیوار بھی اب بند ہونے ہیں

اور بے خبر آوے بھی تو پھر جانے نہ پاوے
تاسینہ کے روزن کوئی دکھلانے نہ پاوے

اس باغ میں بلبل کا قفس لانے نہ پائے
جو خاک بھی اُس کو پہ سے بچانے نہ پائے
ماتائے کوئی کچھ اُسے سکھلانے نہ پائے
پر مومے کمر دیکھو بل کھانے نہ پائے
بھیجو کوئی قاصد اُسے بتخانے نہ پائے

یوں صاحبِ بتان کا جواب حکم کھیلا
کیا خاک کرے سحر ترے نقشِ قدم کے
تو آگے ہی جا بیٹھ ولا یزم میں اُس کی
تو شوق سے لچکا قد جوں شاخ گل اپنا
کعبہ میں تو ہم کو نہ ملا مصحفی یا رو

شورِ محشر کی طرح ہر نالہ شور انگیز تھا
یا سحرِ آبِ یہ گرم جوشی یا کہ وہ پرہیز تھا
مثلِ گل چاک گریاں ہم سے دستِ آویز تھا
ورنہ پیانہ ہمارے عمر کا لبریز تھا

شب کہ دل درودِ عالم سے سرسبز تھا
ان اداؤں کا کوئی مارا بجے کس طرح ہائے
نوبہاراں میں تو کرتے ہم بھی دعوتِ جنوں
کی ٹلک اک آپ دمِ شمشیر قاتل نے کمی

دیوانِ دوم

نشانِ تیر تعافل وہ دل نگار ہوا
چمن میں کہتے ہیں پھر موسمِ بہار ہوا
تو کہیو نہیں کے میں صدقے تھے نثار ہوا

ترا خدنگِ نگہ جس کے دل کے پار ہوا
قفس سے چھوڑ دے تو اب تو ہم کو لے لیا
صبا جو پوچھے خبر مصحفی کی تجھ سے وہ شونخ

تو میں دو چار برس کو کہیں ٹل جاؤں گا
روزِ ظالم یہی کہتا ہے کہ کل جاؤں گا

مرضِ عشق سے گرا اب کے سنبھل جاؤں گا
محب کو قاصد کے تعافل نے تو مارا ہی ہر

سلاح نے بھلا کون سی تلوار میں رکھا
کر چاک وہیں رخنہ دیوار میں رکھا

صانع نے جو خمِ ابرو سے دلدار میں رکھا
قاصد نے دیا نامہ مرا اس کو تو اُس نے

اُس نے جس وقت کہ خال پر زخماں پر رکھا
اگیا یار کا دامن جو مرے ہاتھ کبھو

داغ اک اور مرے سینہ سوزاں پر رکھا
میں نے رومال سمجھ دیدہ گریاں پر رکھا

شب ترے کوچہ میں کوئی کہتے ہیں مگر رہ گیا

تو نہ آیا اور وہ مسکین آہ بھر کر رہ گیا

پر دا اٹھا کے اُس نے جو سینہ دکھا دیا

میں چاک کر کے اپنا گریبان اوڑا دیا

قصہ کرتا ہوں جو اُس در سے کہیں جانے کا

دل یہ کہتا ہے تو جا میں تو نہیں جانے کا

ٹھکانا اک جگہ ہوتا نہیں اُس غم کے مارے کا
خدا جانے پڑی ہر آنکھ وہاں کس بے محابا کی

یہ گردش طالعوں کی پھیر گویا تارے کا
کئی دن سے جو روزن بند ہوا سکے نطارے کا

داغ دیکھے تھا کھڑے لالہ صحرائی کا
بھیج دیتا ہے خیال اپنا عوصن اپنی دمام

زور عالم نظر آیا تری سودائی کا
کس قدر یار کو غم ہر مری تنہائی کا

کبھی اُس تازہ گل بن ہم جو خست پناہ تے ہیں
کوئی ان کا فروں کے ہاتھ سو کیہ نظر کل جاو
جو خط بھجوں تو خط کو آگ پر رکھ دے ہر وہ ظالم
کچھ ان فروں تو میں یہ گنگ دیکھا اُس کے کوچہ میں
باتوں میں اب نہیں نہیں نت زہر گھولتے ہیں

میں میں عطر کو لکین کفِ افسوس ملتے ہیں
نئی ترکیب ہر روز اور نئے نقشے نکلتے ہیں
جو قاصد جائے تو قاصد کروں تو نکلتے ہیں
کبوتر تھے ہوتے جاتے ہیں مکتوب جلتے ہیں
ہم سے ہی بے حیا ہیں جو تم سے بولتے ہیں

کیا غم ہے گر سحر وہ گنتی چشم تر لئے
شبم نے گل کے ساتھ تو شب عیش کر لئے

گو کہ مغل ہمدی چرخ بظاہر زہے
سمجھے تھو ہم کہ جائے گی جیسا گیا ہر روز وصل
کب ہمیں اس کی تھی خبر ہجر کی شب راز ہے
خاک میں میں تل گیا کس سراپا اختر راز ہے

ہم کو ترساتے ہو تم کیوں یہ ادا دکھلا کر
شرطیاری سی یہی ہوتی ہو کہ بس پھر گئے اب
حسن کہتا ہے اُسے پردہ اٹھاؤ پر شرم
دل کو ہاتھ اُس کے جو بچوں میں تو کہتے ہیں قریب
پھر قیامت ہو جو وہ شوخ چھپا لے منہ کو
اُن کے ہاتھوں سے بھلا کیونکہ کوئی بچ نکلا
لالہ سر کھینچے ہے خاک شہد اُسے اب تک
تیرے بیمار کو دے کر کے پشیمان ہوئے
خواہ دیوانہ کہے خواہ وہ وحشی مجھ کو

از دیوان سویم

کیا دید میں عالم کی کروں جلوہ گری کا
مردوں کو جلاتی ہے ترے پاؤں کی ٹھوکر
جو دیکھے ہر نقشہ کو ترے وہ یہ کہے ہے
یہاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا
اس چال پہ مزا ہے بجا کبک درمی کا
سارا بدن انسان کا چہرہ ہے پری کا

کھڑا نہ سن کے صدا میری ایک بار رہا
میں رہروانِ عدم کو بہت پکار رہا

چمن کے پنج کہاں موسم بہار رہا
تمام شب میں اُسی کے گلے کا رہا
تارہ سحری مجھ کو آنکھ مار رہا

قفس سے چھوٹے ہے اب مجھ کو کیا تو لے صبا
خیال یار جو شب میرا بہکنار رہا
میں تیرے ڈر سے نہ دیکھا ادھر بہت شبِ میل

چوری کی نظریں وہیں پہچان گیا تھا
سن بات مری میں ترے قربان گیا تھا

چھپ چھپ کے وہ گھر غیر کے نہان گیا تھا
جانے کا نہ لے نام شبِ عید ہو پایا

پرکھنے مری تربت پہ گزارا نہ کیا
تم نے اتنا بھی میاں پاس ہمارا نہ کیا
جس کا خورشید نے روزن سے نظارہ نہ کیا

کب میں یاروں کے تنیں دیکھ پکارا نہ کیا
بیٹھنا پاس تمہیں غیر کے کیا لازم تھا
میں ہوں وہ کشتہ ناچیز گلی میں اُس کی

پانی میں نگارین کف پا اور بھی چمکا
جوں لالہ تر حسن ترا اور بھی چمکا
کعبخت پہ پانی جو پڑا اور بھی چمکا

بھگے سے ترازنگ حسنا اور بھی چمکا
جوں جوں کہ پریں منہ پہ تے منہ کی یونہی
دہویا نہ گیا خون مرا تیغ سے تیری

دیکھ اُسے خورشید نے ماری زہیں پر پشت دست
کیا جھجک کر اُس نے ماری آئیں پر پشت دست

سو گیا تھا شام وہ رکھ کر جہیں پر پشت دست
سانپ سو مہزی کے زہ جورات لہرانے لگے

اُس دوست کو ہم سمجھے ہیں دشمن کے برابر
رہ جائے ہی اگر ترے دامن کے برابر
پھر جائے ہے اُنکے جو گردن کے برابر

بیٹھے ہو جو کوئی اُس بتِ پرفن کے برابر
انداز تو بسمل کا سمجھ اپنے وہ کیسا
کیا جانے اُس تیغ کو کیا سوچھی ہو اس دم

جب اُس نے ہاتھ دھوئے خونِ عاشق سے ذرا مل کر
کفک کا کس کی تقشایا دیا اس کو گلشن سے
کچھ ایسی ہو گئی حالت مری شب جس نے غش آیا
کیا اُس رنگ اصلی کو غلط رنگ حاصل کر
چلی پاؤں تلے پھولوں کو کیوں باجھیل کر
بدن سے آئے تھوہیوں تو وہ بٹنہ بارہا مل کر

ہندی ہے کہ قہر ہے خدا کا
مل آئے ہو ہاتھوں کو تم اپنے
خط لے کے میرا یہ کب گنایا میں
تلوار کو کھینچ ہنس پڑے واہ
ہوتا ہے یہ رنگ کب خاک کا
یا خون کسی تازہ آشنا کا
دل دیکھوں ہوں قاصدِ صبا کا
ہے مصحفی کشتہ اس ادا کا

کاغذ کا ورق یہ پائے صوت
چہرہ پٹس نہیں ٹھرنی
نقاش ایسی بنائے صورت
اللہ کے تری صفات صوت

حرف النون

(۱) انشا

میر عبد الرسول شاعر تخلص مردیت جہان دیدہ ذہمیدہ اصلش از اکبر آباد است فقیر
اورا در ابتدائے شاعری در قصیدہ امر و نہ دیدہ بود اکثر بعد ہفتہ و عشرہ ملاقات می شد و
در تذکرہ شعربیان می آمد۔ از معاصران میر و مرزا شاعر سحر کار و با فصاحت و بلاغت
و یدش۔ عمرش تخمیناً قریب شصت خواهد بود حالاً معلوم نیست کہ زندہ است یا مردہ ایں
چند شعرا از دوست۔

(۱) دو دن (خ) (۲) کیا دن (خ) (۳) یاد ماندہ از دوست (ن خ)

ماہ رو کی جو مہربانی ہے یہ مدد ہم پہ آسانی ہے
 اُس کا رخسار دیکھ جیتا ہوں عارضی میری زندگانی ہے
 ایں شعرِ دویم در تذکرہ میر حسن صاحب بنام محمد شاکر ناجی مسطور است و من از زبان
 اوشنیدہ بودم، واللہ اعلم بالصواب۔
 اُس کے تئیں بہار ہی نہ کچھ یاد ہی رہی اور اپنے تئیں نہ طاقتِ فراہی رہی
 اُس بیلِ اسیر کو کیا گل سے راہ و رسم جو زیرِ دامِ منتِ صیاد ہی رہی
 جوں گرد و باد ساکن یک جا نہ ہو سکی اپنی یہ ہرزہ زندگی برباد ہی رہی
 دنیا کو جائے عیش سن آئے تھے اے نثار سوا اپنے جیتے تک تو غم آباد ہی رہی

ہاتھ سے ان جامہ زیبوں کے نکل جاؤ گی ہم یہ گریباں دامنِ صحرا کو دکھلا دیں گے ہم

مرہی جا دیں گے بہت ہجر میں ناشاد رہو بھول تو گئے ہو ہمیں پر یہ تمہیں یاد رہے

(۲) نثار

محمد امان نثار تخلص قوم شیخ بزرگانش معمار بودہ اند بلکہ کسے کہ طرح جامعہ دہلی انداختہ
 کیے از اجداد اوست۔ علم ریاضی را بہ خاندان ایشان نسبت تام است۔ مشار الیہ پیشانی
 در دہلی بہ سرکارِ نواب محمد الدولہ بہ سرانجامِ عمارتِ عز و امتیاز داشت۔ بعد و تکیہ شدنِ نواب
 موصوف بہ سرکارِ نواب ضابطہ خاں خیل شدہ کنوں کہ از چند سال بہ پورب رسیدہ
 بہ سرکارِ راجہ ٹکیت رائے بہ پیشہ خود عزت تام وارو۔ چوں اصلش معمار است لہذا بنائے
 ریختہ ہم نجوبی نہادہ اداسے زبانِ اردو چنانچہ باید از زبانِ ندرت بیانِ می شود از

ابتدا در شعر شاگرد شاہ حاتم است۔ دیوانِ ضحیٰ ترتیب دادہ قدرت پرگونی بیارودار دو
اکثر در شاعرہ ہائے دہلی ہم طرح یاران بود۔ از دست۔

نختر نہ کمر میں نہ وہ تلوار رکھے ہر
نظروں ہی میں جا پڑے جسے مار رکھے ہر
دستار گلابی پہ نہیں طرہ زرتار
خوشید شفق میں وہ نمودار رکھے ہر

خوبی میں ترے حسن کی کچھ حرف تو کہے
لیکن یہ ذرا خط ہے کہ اصلاح طلب ہر

اس رشک سے ہم کیونکہ نہ سرنگ سواریں
آئینہ ترے حسن کی لوٹے ہے بہاریں

کیا جامہ پہلکاری اس گل کی بھین کا تھا
ہم آگو ہی سمجھے تھے تم گھر کو سدھار گے
مینا میں نہو جلوہ وہ بادہ گلگوں کا
نگیں کو کیا ایسا بیار ان آنکھوں نے
جو تختہ دامن تھا تختہ دھین کا تھا
جوں صبح گجر با جاتا تھا وہیں ٹھنکا تھا
جامہ میں جو کچھ یار و رنگ سکے بدن کا تھا
ڈھلکا ہی نظر آیا گردن کا جو منکا تھا

شہنی تو آفتاب کی ذرہ گھٹائیے
دیکھا نہیں شگفتہ کبھی غنچہ دہن
برقع اٹھا کے یار کا کھڑا دکھائیے
پیارے خدا کے واسطے ٹک مسکرائیے

ہم سے ہوزر و سیم کی تدبیر سو کیا خاک
ہو جائے دل اک آن میں مٹی شنوا کا
دنیا میں بڑی چیز ہے اکیر سو کیا خاک
ہم خاک نشینوں کی ہر تقریر سو کیا خاک

منعم نہ کر اس عمارت کی بزرگی
نامہ کو مرے پڑھ کے ٹپک دے ہون میں پڑ
گردا ہوتی شکل کا بیٹھے ہوئے گرد
مجھ سوختہ کے تن میں نہیں بوند لہو کی
جاتی ہواڑی گردنثار اس کی گلی کو

اک خاک سے تعمیر می تعمیر سو کیا خاک
دیکھی رقم شوق کی تاثیر سو کیا خاک
اب اور میں کھینچوں تری تصویر سو کیا خاک
چائے گامری جان ترا تیر سو کیا خاک
کی عشق نے اس شوخ کی تسخیر سو کیا خاک

تم تو اک دم ٹھیر کر مجلس میں گھر آتے رہے
میری اس کی گرم صحبت ایک دم ہونے ندی
خواہش دل تھی جو کچھ وہ بات بن آئی زیار
آئینہ نے دی جو تم کو خط کے آنے سے خبر
بے تکلف ہونے بیٹھے سامنے آنکھیں نہ کیں

گھر ہزاروں بیٹھ گئے لاکھوں کے جی جاتے رہے
روز میرے شعلہ خو کو غیب سے بھر کاتے رہے
آہ کیا کیا مسوے ہم دل میں ٹھیراتے رہے
اپنی زلفوں کی طرح کیا دل میں بل کھاتے رہے
وصل کے دن بھی نثار اپنی سے شرماتے رہے

خط کے آنے سے نہ کچھ چل سکی تدبیر اپنی
کر دیا دل کو خدا نے جو بتاں کے بس میں
اپنے گھر میں نہیں یہ خستہ دیوار نثار

بوسہ بازی کی لگی خالصے جاگیر اپنی
کیا دکھا دے گی سہیں دیکھے تقدیر اپنی
اپنی غفلت پر ہنسا کرتی ہو تعمیر اپنی

شب کو وہ کوٹھے ہی کوٹھے گھر ہمارے آ رہا

غیر دروازہ پہ بیٹھا راہ ہی تکتا رہا

گردش کا اس نگاہ کی اب طور اور ہو
صورت موافقت کی کوئی سو جھتی نہیں

اے ساکنانِ میکد یہ دور اور ہے
صاحب کی وضع اور مرا طور اور ہے

(۱) نخ میں شرفاضل ہوا اور مصرعہ اول میں شاید لفظ "اپنی" جھوٹ گیا ہو مصرعہ دوم میں تعمیر ہے ہوگا

بندہ ہوں جاں نثار ہوں میں اُس کا لے نثار آخر جو میں ہوں اور نہیں اور اور ہے

(۳) ناجی

کہ محمد شاکرؒ واردا صلش شاہجہاں آباد و سپاہی پیشہ از شعراے ایہام گوئے عہد محمد شاہی
است معاصر میاں آبرو۔ دیوان او ہنوز در وہلی بر صفحہ روزگار یادگار است و اشعار پذیر
بطور خود بسیار آبدار۔ از دوست۔
کفن ہو سبز ترے گیسودں کے ماروں کا مکان غم ہے ترے در کے بقیراروں کا

رکھے اس لالچی لڑکے کو کوئی کب تک بھلا چلی جاتی ہے فرمایش کبھی یہ لاکھبی وہ لا

دیکھ کر رنگِ حنا ترے کفِ خوریز پر آگ لگ لالہ کا دل غیرت سے بریاں ہو گیا

منکر نہ ہو کہ رات رہا نہیں قریب پاس ہنسنے کی ہو دلیل یہ جامہ ہوا
موزوں قد اس کا چشم کے میراں میں جب تلا طوبیٰ تب اُس سے یک قد آدم کسا ہوا

مچھکو باتوں میں لگا معلوم نہیں کیا کہہ گیا لے چلا جب دل کے تسنیں منہ دیکھتا میں رہ گیا
ڈوب گئے کئی ملک جب کھولی لبِ دیباہ پر حیف ناجی کو نہ پوچھا کس لہر میں رہ گیا

(۴) نظام

نواب عماد الملک نظام تخلص کبیشتر تخلص ایشاں اصحف بود از ابتداء عمر شاعر

(۱۱) ناجی کہ محمد شاکر نام دارد۔ (ن خ)

پرستی و موزونی طبع اشتہار و دارند۔ کمالات بسیار و ذات بابرکاتش جمع آمدہ بہتیش ہمیشہ متوجہ
مقاصد عمدہ می باشد خداں مصروف و مالوف بہ ریختہ کوئی نیست مگر چیزے کہ در زبان باقی
گفتہ شہرت یافتہ۔ احوالش در تذکرہ فارسی نیز نوشتہ۔ از دست۔
نارونق گلشن ہیں نہ زیت کبوسر کے مثل گل بازی نہ ادھر کے نہ ادھر کے

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسو کی یارب نہ کسو دل کو لگے چاہ کسو کی

آیا نہ کبھو خواب میں بھی وصل میسر کیا جائے کس وقت مری آنکھ لگی تھی

پونچھیں نہ کبھو اشک یہ مغرور کسو کے پر مجاویں اگر چشم میں ناسور کسو کے
پھڑکاتی ہو کیا دختر ز شیشہ میں آنکھیں تجمہ نہ ہوئی پردہ میں مستور کسو کے

(۵) نعیم

کہ نعیم اللہ خاں نام داشت جو اپنے بود از شاگردان قدیم شاہ حاتم۔ دیوان ضخیم ترتیب
دادہ پر گویش مشہور و کلامش از رطب و یابس معمور۔ فقیر اور اور آنولہ دیدہ بود کہ بعد چندے
در سرکار نواب محمد یار خاں نوکر شد چوں ملازمت نواب مولف ہم در آں نزدیکی کرد
و قصیدہ مدح بہ گوش حضار مجلس سانیہ داخل صحبت کیمیا خاصیت شد لہذا اکثر اتفاق
ملاقات می افتاد۔ ہر گاہ بعد شکست ضابطہ خاں بر سکر مال از مرہٹہ ہا و حضرت ظل سبحانی
سلسلہ صحبت یاران گنجت و تفرقہ شدید می در آبادی کینھڑو آور دہم در آں ایام چوں
اکثر بیماری ماند بمرض استسقا در موضع عطر جہدی رفتہ بود کہ در گذشت۔ از دست۔

آفت کی نشانی ہی رہے ہم تو زمیں پر جو گنگ بلا چرخ سے آیا سوہیں پر

گر تجھے منظور تھا غیروں سے ہونا آشنا پھر عبث تو کیوں ہوا ظالم ہمارا آشنا
تیری خاطر کے لئے سنا ہولے بیگانہ وضع سب مے دشمن ہیں کیا بیگانہ و کیا آشنا

کوچہ یار سے دل ہم سے اٹھایا نہ گیا مل گیا خاک میں اس طرح کہ پایا نہ گیا

شبابی عبث تو نے کی جان مضطر ابھی تو ہیں آرزو تھی کسو کی

(۶) ندیم

مرزا علی قلی ندیم اصل شاہجہاں آباد است در مرثیہ و سلام تو غل بیار کردہ چنانچہ
کلامش ازیں قسم شہرت دارد۔ آخر آخر سخافت کلام دیگر مرثیہ گویان دیدہ و طرز ایشان مطلقاً
نہ پندیدہ عنان ریش ہمت خود را بہ طرف رنجتہ گوئی معطوف ساختہ کہ فغان کہ ذکر شش
گزشت اقرار بہ شاگردی او دارد۔ ازیں جہت است کہ بعض مرثیہ مشائر الیہ ہم بسیار بحسب
بہ سمع رسیدہ۔ بالفعل یک شعرش کہ در برستگی مضمون نظیر ندارد بہر رسیدہ اینست۔
جدائی میں تری ہم کیا کہیں کس طرح جلتے ہیں بجائے موبدن سے آگ کے شعلے جلتے ہیں

(۷) نالان

میاں عسکری نالان تخلص، قوم مغل اول کے کہ در شاہجہاں آباد بہ حلقہ شاگردی
فقیر درآمد اینست۔ میر حسن صاحب اور اور تذکرہ خود شاگرد شاہ حاتم نوشتہ اند محض غلط اکثر
(۱) شہرت تمام دارد۔ (۲) دن خ، (۳) برستگی، (۴) از دست دن خ، (۵) جلتے ہیں دن خ،

شریک مشاعر ہائے دہلی بودہ با فقیر اعتقاد و نیاز مند متی کلی داشت۔ از مدت بسیار منفق و لالہ
است۔ از دست۔

کانوں پہ جب لکھا ہر گل اک اس طرف اک اس طرف
شمس و قمر تھے ہیں گل اک اس طرف اک اس طرف

(۸) نصیر

میاں نصیر نصیر تخلص پیرزادہ از اولاد میر حیدر جہان صاحب جوان خوشگواست
فقیر و رایا میکہ در شاہجہاں آباد بود اکثر در مشاعرہ می آمد۔ در بہاں عالم نوشقی و طبعش روانی
و تیزی دریافت میشود حالاً گویند کہ قوت شاعری بسیار پیدا کردہ شعرے از و بمع رسیدہ
این ست۔

چرائی چادر بہتاب شب مکیش نے جیحوں پر کٹورا صبح دوڑانے لگا خورشید گردوں پر

خوف زلف یا رچھٹ مانا ہر کس کرات نے (۱) کہکشاں سے لے لیا دانتوں میں تنکارات نے

تیرے آنے کی خبر جو گل شاداب اڑی (۲) بیہنہ غنچہ سے اک بلبلی بقیاب اڑی

شہدیزماز پر چڑھا وہ کتا رہند (۳) تار نظر سے ہم نے لگائی شکار بند

رباعی

کوئی نہیں کہتا یہ نئے قلباں کو (۵) فریاد و فغاں میں دیکھ سرگرم نہ ہو
دم عشق کا کیا بھرے ہوائے سوتلہ جا (۶) آنی ہوا بھی منہ سوتے دود کی بو

(۱) نسخہ آریں "دو شعرے از وہم رسیدہ" لکھا ہوا اور ایک شعر جو اوپر درج ہوا اسکے علاوہ یہ شعر زائد ہے۔
پشت لب پر ترے یہ خطریکاں ایسا منہ تو دیکھو کھلے یا قوت رقم خاں ایسا
(۲) نخ میں یہ ہوتا ہے اشعار نصیر کے اور ہیں۔

(۹) نجف

کہ از نام و نشان خبر نہ دارم دوسہ غزلش بریائے نوشتہ دیدم چوں رہ بدرستی شت
نقل گرفتہ شدہ نیست۔

کس طرح ربط نہ ہوزلف سے دیوانوں کو
مچھکو تلافی صبا باغ میں تو نے آکر
پھاڑ کر اپنا گریباں یہ نجف ہی جی میں
اُس ہوتا ہی پریشاں سے پریشاں کو
کس لئے ٹکڑے کیا گل کے گریبانوں کو
چلے اب یہاں سڑکل دیکھے ویرانوں کو

بے وقافی پہ یار ہے سو ہے
ابر موسم ہی پر رہتا ہے
سوزش عشق کیا بتاؤں نجف
یہ دل بے قرار ہے سو ہے
دیدہ اشکبار ہے سو ہے
سینہ داغدار ہے سو ہے

دل کو کہتا ہوں شاید اب سمجھے
اُس کے کوچہ میں دم بدم جانا
دردِ دل اور میری بے تابی
آہ کس ڈھب سے اُس کو کیجے بات
ہجر کے غم سے مر گئے لاکھوں
شکر صد شکر بچ گیا تو نجف
پر یہ خانہ خراب کب سمجھے
روز سمجھے ہے دل نہ شب سمجھے
جب وہ چاہی کسی کو تب سمجھے
بات سیدھی بھی جو کہ عجب سمجھے
ہم بھی تھو تھو تھو جاں بلب سمجھے
تیرا جینا ہی ہم عجب سمجھے

(۱۰) نوا

شیخ ظہور نوا تخلص ساکنِ بدائوں سپر مولوی دلیل اللہ جو ان خوش فکر و سنجیدہ وضع

(۱۱) کہ بیچ از نام (ن خ)

شاگردِ میاں بقار اللہ می گوید کہ از حضورِ مرزا جہاندار شاہ جوان بخت مرحوم خطاب خوش فکر
فانی عز و امتیاز یافتہ^(۱) فکر شعور زبان ہندی و فارسی ہر دو میکند اما قصیدہ را بسیار بہ تمنات
و خشکی بہ سر انجام می رساند معہذا طرزِ نظم قصیدہ اش بہ سبب اندراج لغاتِ عربی و فارسی
از ابناے زمان جدا است و بسیار فراست^(۲) دارد و الحق کہ دریں کار ہر کہ با و در افتادہ
شکست فاحشہ خوردہ - بہ سبب دوستی کہ میان من و میاں بقار اللہ^(۳) بہ پایہ برادرست فقیر
را عمومی گوید از دست -

اب اشک تو کہاں ہے جو چاہوں ٹپک پڑے
آنکھوں سے دقت گر یہ بگر خوں ٹپک پڑے
یہاں تک ہے جو بٹل اشک کہ آنکھوں سے تجھ بغیر
یک قطرہ آب چاہوں تو جھوں ٹپک پڑے

ہمارا نامہ لے کر دے ہے وہ دشنام قاصد کو
خط آنا یک طرف اب چاہئے پیغام بھرنی
ابے تو خط کو یہاں آیا تھا یا صوتِ رستی کو
نوا قاصد کو اپنے پر وہ مفتون آپ کرتے ہیں
چھٹاس کے کچھ نہیں ملتا وہاں انعام قاصد کو
کہ جا کر دے مری جانب سے وہ پیغام قاصد کو
چل اپنے کام لگ اس کام سے کیا کام قاصد کو
وہ آپ ہی خوب ہیں کیا دیجئے الزام قاصد کو

(۱۱) نادر

لالہ گنگا سنگھ نادر شاگردِ میر حسن، جوانِ خوش خلق است ہیں مطلعش شہرت
یافتہ -

قاصد تو اس فریب سے تو اس پاس جانیو
کس کا یہ خط ہے اس کو مجھے پڑھ سنا نیو

(۱) یافتہ ام اگرچہ در خوش فکریش شک نیست، اما فقیر ازیں مقدمہ لکھا یعنی اگاہی ندارد و دن خ - نو محمد
(۲) فرق دارد - دن خ (۳) از قدیم الایام بہ پایہ دن خ

حرف الواو

(۱) واقف

شاہ واقف واقف تخلص درویشے بود شعر خوب می گفت - از دست -

ان رقیبوں سے گئے گزے ہیں کیا لے یا رہم
وہ شریکِ بزم ہوویں اور نیاویں یا رہم
در ملکِ کلانہ ہوگا واسطے واقف کے تو
پھر گئے ہوں گے تھے کوچہ میں سو بزم

خیال وعدہ سے از بسکہ تو نظر میں رہا
تمام رات مرا جی صدائے در میں رہا

روزِ خزاں چمن میں جو دیکھا ہزار کے
یارانِ سنہنیں و رفیقانِ دوست دار
جب مند گئی یہ آنکھ تولے دوست بعدِ برگ
جو نقشِ پا ہے سو ہے پھر نہ اٹھ سکے
اک مشت پر پڑے تھے تلے شاخسار کے
سب آشنا ہیں زندگیِ مستعار کے
پھٹکے ہے پاس کون کسی کے مزار کے
واقف کی طرح ہائے گرسے کیسے یار کے

صبح پر وصلِ یار کی ٹھیری
آہ چہ انتظار کی ٹھیری
کیا طرح اس گلی میں کہہ تو بجا
میرے مشتِ غبار کی ٹھیری

جب کہ پر ویس یار نکلتے ہو
آہ بے اختیار نکلتے ہے

(۱) شاہ واقف واقف تخلص گویند درویشے بود در فیض آباد بگفتن منقبت ہا شہرت اردو گاہ گاہی خیال شعر ہم میگرد چندیغزلش از
نظر فقیر گذشتہ شعر خوب ہم می برآید دیگر از احوال ش خوب واقف نیم - از دست (دن نور محمد مطابق ن خ) (۲) ہارگری (ن خ)
غالباً ہار گری

یہ خدا جانے کیا تھا کل اے دل وہ کوئی بار بار بٹکتے ہے

عشق میں کیا فضل و ہنر چاہئے
آہ میں تھوڑا سا اثر چاہئے
آٹھ پر جس پرستم کی ہو مشق
ٹک تو کرم کی بھی نظر چاہئے

لی دے ہمہوں نے رہ اپڑ اپڑ ہاں کی
ہم رہ گئے بھٹکتے جوں گرد کارواں کی

گیا ہر واقف تفتیدہ دل مگر تیر خاک
کہ لالہ خاک سے اب دُاعِ دُاعِ آگتا ہر

واقف شراب معلوم اس دورِ آخری میں
ناچار کیا کریں ہم افیون گھولتے ہیں

(۲) وحشت

شاگردِ جعفر علی حسرت: فقیر اور اندیدہ - از دوست -

آہ آگے تو نکلتی تھی جگر سے باہر
اب جگر نکلے ہے خود دیدہ تر سے باہر
کیوں کے تم گھر سے نہ نکلو گے میاں دیکھینگے
ہم نکالیں گے تمہیں لاکھ ہنر سے باہر
آہ کس طرح سے دیدارِ میسر ہووے
پاؤں رکھتا ہی نہیں وہ کبھی در سے باہر

نکل گھر سے ذرا اے یار مجھ بیمار کی خاطر
کھڑا ہوں منتظر کب سے دیدار کی خاطر

جو کچھ ہم پرستم کیجے بجا ہے
کہ ہم نے تم کو اپنا دل دیا ہر

(۳) دولا

منظر علی خاں دلا تخلص عرف مرزا لطف علی خلیف سلیمان علی خاں و داد جوان حلیم و
 سلیم بمقتضائے موزونی طبع گاہ گاہ ہے خیالِ شعر بند ہی میکند و بنام پدر بزرگوار خود
 ہر جا فروختہ می شود۔ استفادہ شعرش چندے مرزا جان طیش و چندے بمولف بود حالاً
 بہ میر نظام الدین ممنون کلام خود را می نماید۔ از کلام اوست۔
 ممکن نہیں کہ خاک نشینوں کی توسنوں ہے ان نونوں مانعِ برا آسمان پر

نہ حاجت کے لئے دستِ دعا کو منہ پلاتا ہوں میں اپنی زندگی سرج تو یہ ہر ہاتھ اٹھاتا ہوں

ایک جیوے ہے کہ ملکوں سے بہا آتا ہے کیا بلاتھی یہ مے دیدہ گریان کے پیچ

یونہیں گرتے ہے ہم اشک کے تر آستیں قتل سے میرے نہ منکر ہو کہ ظالم اب تلک
 عشق کے آثار سب تجھ میں ہویدا ہیں دلا آپ بھی رو دینگے اک ن منہ پھر کر آستیں
 بھر رہی ہے خونِ ستیری سراسر آستیں رنگِ زرد و آہِ سرود و اشک کے تر آستیں

ہرگز نہ گریں اس سے اشکِ اثر آلودہ از لبکہ کلیجہ کے ٹکڑے ہوئے کرتے ہیں
 وہاں رشکِ چین اس نے گھرا پنا کیا ہے یہاں اک پل میں گزر جائے نہ چرخ بریں و بھی
 ہوئے نہ کبھی خون سے جو چشم تر آلودہ آنکھوں سے میرے آنسو بختِ جگر آلودہ
 اشکِ جگری سے ہر دیوار و در آلودہ ہوتی ہے بڑی ظالم آہِ اثر آلودہ

(۱، ۱) دن، لطف علی۔ دن نور محمد، لطف علی۔

بخش اپنے ولا کو بھی از راہِ کرم یارب ہر چند گنہہ سے ہر وہ سر بسر آلودہ

دل کیونکے نہ ہو اس بت طرار کے صدقے
گہ چشم و گہ ابرو کے گہ چین جبین کے
اک بوسہ تو لینے دے مجھے اپنے لبوں سے
اس اشک کے قطرے کو اثر دے مے یاز
ہوتے ہیں سبھی وضع طر حدار کے صدقے
گہ خال کے ہوں گاہ میں خسا کے صدقے
انکار نہ کر میں ترے انکار کے صدقے
تاہوئے ولا چشم گہر بار کے صدقے

(۲) دہم

میر محمد علی دہم تخلص نبیرہ میر محمد تقی خیال جوان موزون الطبع بقرب نواب وزیر
آصف الدولہ بہادر عتبار تمام وارد۔
گو فکر تیری دل کے تئیں سو لگی رہے
لے نہ ملنے کا تو وہ مختار آپ ہے
پر دہم شرط یہ ہے کہ وہ لو لگی ہے
پر تجھ کو چاہئے کہ تگ و دو لگی ہے

حرف الہام

(۱) ہادی

میر محمد جواد ہادی تخلص سید صحیح النسب درابتداء رنقاقت نواب عماد الملک عزتباد
داشت۔ وہ سبب موزونی طبع یکدگر صحبتِ طرفین از مدت دراز ترک روزگار کر وہ
بتوکل می گذرانید۔ تا بندہ در شاہجہاں آباد بود اکثر بر مکان فقیر تشریف می آورد۔
از دوست۔

۱۱، ن خ نیں آصف الدولہ بہادر نہیں ہے۔

ہیں لب تو میاں لب ہی گفتار بہت تحفہ
کچھ ان دنوں سیکھے ہو رفتار بہت تحفہ
ہے سر پہ ترے ساوی دستار بہت تحفہ
تو غرض ہے یہ تلوار بہت تحفہ
اک سہل سی قیمت پر تکرار بہت تحفہ
ہم کو بھی ملا ہے یہاں ولدار بہت تحفہ
یہ خر تو عجب ہے پرستار بہت تحفہ

رہ رہ کے سخن کہنا ہر بار بہت تحفہ
ہر پانو کی ٹھوکر میں سودل پٹے تڑپے ہیں
خورشید کا یوں چہرہ زرتار تو ہو لیکن
مڑگاں سے بچے گردل ابرو کریں سوکڑے
اک بوسہ پر دل ٹھیرا توں پر وہ نہیں لیتا
ہم مریچکے پر اس نے دل کی نہ خبر پوچھی
دیکھے کوئی اسے ہادی اس شیخ کے جبہ کو

کرنہ تو آپ کو رسوا تو کہا تجھ کو کیا
میں جو پوچھا کہ یہ کیا تو کہا تجھ کو کیا
میں کہا کچھ اسے فرما تو کہا تجھ کو کیا

میں کہا غیر کے مت جا تو کہا تجھ کو کیا
رو برو میرے دے غیر کو اس نے بوکے
سر کو ملتا ہے ترے پاؤں پر رکھ رکھ ہادی

جس سماں نے اسے دیکھا سو کا فر ہو گیا
آج کچھ سنتا نہیں فرما دیہ کیا ہو گیا
رکھ قلم کہنے لگا بہرا دیہ کیا ہو گیا
دیکھ کر کہنے لگا قصا دیہ کیا ہو گیا

طور دین اس کے ہاتھوں ہائے ابر ہو گیا
اے دل اب دیتا نہیں وہ داد یہ کیا ہو گیا
لگ گیا دل اس کا جب تصویر تیری کھینچ کر
جان نکلی جائے خون ہادی کی جینکا مفسد

آگ میں ہم آپ کو جھونکیں ہیں پڑنے کی طرح

سیکھ لے ہم سے کوئی سر سگدڑ جانے کی طرح

سلامت یہاں سو لیجاتے ہیں اپنا پیرن کیونکر

نہ جانے یارنت کرتے ہیں گلگشت چمن کیونکر

۱۱۔ ہے ہی دن خ، ۱۲۔ یہ شعر یاد دہانی تغیر اس نسخے میں یقین کے نام بھی درج ہے۔ دن خ میں ہادی کے نام ہو لیکن یقین کے نام نہیں۔

ایسے ہنگاموں سے کرتے رہی فریاد کہ بس

رات اس مرتبہ اٹدی تھی تری یاد کہ بس

اک آفتِ نوزلف ہوا اک تازہ بلا خط

مت پوچھ فریبندہ تری زلف ہوا خط

اس دل کو جو چاہتا ہوتا اب معلوم
نامہ کا ہوا جواب معلوم
کوئی تجھ سے ہو کا میاب معلوم

تجھ بن آنکھوں میں خواب معلوم
قاصد آتا ہے وہاں سو گریاں
جز اس کے کہ خوار ہو کے مرجا

آفریں باد مجھے اور تجھے رحمت ظالم
رحم کر مجھ کو نہ دے اتنی اذیت ظالم
بائے کچھ تجھ میں بھی ہر مہر و محبت ظالم
رہ گئی دل میں مے آہ یہ حسرت ظالم
گو میں دنیا سے گیا رہ تو سلامت ظالم

نہ وفا چھوڑی میں ناتونے کی شفقت ظالم
سخت آیا ہوں بجان دیکھ میں مرجاؤں گا
اور معشوقوں کی بے ہری کو تو دو کھے ہے
مرتے میں مر گیا پر رحم نہ آیا تجھ کو
وقت مرنے کے یہ ہادی نے کہا اس سو کہ

ہادی تو راہ عشق بتا دے انھوں کے تئیں
بہتر تو ہے تو آ کے جگا دے انھوں کے تئیں

غافل ہیں اس سو یار جگا دے انھوں کے تئیں
یہ جنتِ خفتہ جنبش پا چاہتے ہیں یار

مشک کہاں کہاں وہ زلف سنبل گلتاں کہاں
تھکوں میں ٹھونڈھتا پھر جان مری کہاں کہاں

ماہ کہاں کہاں وہ روغنیچہ کہاں کہاں
دشت میں اور کوہ میں صومعہ اور کشت میں

مری اور تیری پیاسے کس طرح صحبت برآؤ

تو ان لوگوں سے ملتا ہو کہ جن سو مچھو عار آؤ

جنوں کے ہاتھ سب طرح تو وحشتیں ہواوی خدا جانے جسے گایا نہیں جب تک بہار آئے

ہاتھ میرا جھٹک گئے سو گئے یک بیک تم شک گئے سو گئے

نہ دیا اس کو یاد یا قاصد خط مرا تو نے کیا کیا قاصد

(۲) ہاشمی

میر ہاشمی ہاشمی تخلص شاگردِ مرزا رفیع - عرش از شخصت متجاور خواہد بود فقیر اورادر
لکھنؤ دیدہ - از دوست -

مرا سو بار اس تک نامہ پر آرزو پہنچا
کیا افشا تمہیں نے رازِ عشق لے دیدہ گرہاں
دماغ آشفتم ہوتا ہر صبا گہت سنبل کی
ابھی چھوٹا ہر موجِ رشک کی زنجیر و قمری
یہ دعوے سب کے ہل محکمہ میں ہاشمی ہونگے
یہ اودھر سے جواب صاف پہنچا جب کبھی پہنچا
گہوشِ خلق در نہ کس طرح بے گفتگو پہنچا
مشامِ آرزو میں تو کسی کاکل کی بو پہنچا
نہ پھر گوشِ دل دیوانہ تک آواز ہو پہنچا
اگر حاکم ملک وہ شوخ باروے نکو پہنچا

آہ و نالہ کے دو مصرع جو کئے میں موزوں
وہ برہمن بچہ افسوس کہ لے ہم نفساں
صاحبِ دروئے شرفِ فانی سمجھا
قصہ دروہِ رام کہانی سمجھا

(۳) ہاتف

مرزا محمد ہاتف ہاتف تخلص درایا میکہ فقیر در شاہجہاں آباد بود اکثر در مشاعرہ پیر

(۱) سنبل کی نگہت سے - (ن خ)

راجہ رام ناتھ کہ محراب بنائے اُس میاں شمار اللہ خاں فراق بودندی آمد اکنوں شنیدہ شد کہ
ہما نجا اہل طبعی درگذشت شعرے از و بخاطر است ۔
خطا آئے یہ حسن نہ یہ مان رہیگا ایسے میں اگر ملے تو احسان رہیگا

(۴) ہدایت

ہدایت خاں ہدایت تخلص مشاقِ قدیم و معاصر میر و مرزا شاگرد بلکہ مرید خواجہ میر درد
نور اللہ مضجعہ شخصے است بسیار علیم و سلیم ۔ شعر را بسیار بہ فصاحت می گوید ۔ عرش از شصت
متجاوز خواهد بود ۔ صاحب دیوان است ۔ انتخاب کلام اوست ۔
تجھ بن تو چاہتا نہیں جی سیر باغ کو لگتی ہے پھٹس نگہت گل سے دماغ کو

مشتوق بے وفا و ستم گار ہے بھلا جی جس کو چاہے وہ تو دل آزار ہے بھلا
دیکھا نہ دور سے بھی میں رستے چمن کبھو آنکھوں سے میری رخنہ دیوار ہے بھلا

آتش سے داغِ دل کے سراپا تو جل گیا گلزار چھولی کیا کہ بدن سارا پھل گیا
تکلیفِ سیرِ باغ کرے گی کے نسیم آمد ہی میں بہار کی یہاں جی نخل گیا

نے جم رہا جہان میں نے جام رہ گیا مردوں کا ایک جگ میں گزنام رہ گیا
کوئی پھر نہ ملکِ عدم سے تو اب تلک پایا جہاں کسو نے کچھ آرام رہ گیا
جب کچھ بھی بس چلانا تو صیاد مرغِ دل آخر ترپ ترپ کے تہ دام رہ گیا
آتی ہے آج تجھ سے تو کچھ اور بونسیم رات اس چمن میں کون گل اندام رہ گیا

ہرنگ گل زمانہ جس کے ہو باعث ہنسانے کا
کرے پھر فکر پہلے خاک میں اُس کے ملائے کا
ہدایت کیے کیے گلِ رُخاں یہاں خاک میں مل گئے
نہ دیکھا جان میری رنگ تو نے کچھ زمانے کا

ٹھہیر چلی تھی جی پہ یہ جاؤں نہ کوئے یار میں
آہ پر اس کو کیا کروں دل نہیں اختیار میں
گرچہ ہدایت ایک جا ٹھہرے ہو کوئی بنے لو
کیجے پر اب تو بستر کوئی دن اس دیا رہیں

نامہ کامیرے لے کر اس سے جواب پھر یو
پر واسطے خدا کے قاصد شتاب پھر یو
اب اور تو میں تجھ کو لے عشق کیا کہوں پر
میری طرح سے تو بھی خانہ خراب پھر یو

کیا کہوں میں کہ ترے ہجر میں کیونکر گذری
دوہی جانے ہی میری جان کہ جس پر گذری
کیا کہوں تجھ سے ہدایت کہ میری شام و سحر
یاد میں زلف و درخ یار کی کیونکر گذری
دن جو گذرا تو مجھے روزِ قیامت سہرا از
رات گذری تو شبِ ہجر سے بدتر گذری

بے آب و دانہ مرتے ہیں ان کا ثواب لے
ظالم خبر اسیروں کی اپنے شتاب لے

مرا ہوا اُس کی چشمِ سیہ فام کے لئے
دل ہے مرا دو نیم دو باوام کے لئے

اک دم بھی آپ سے تو نہ تجھ کو جدا کروں
قمت ہی گر بُری ہو تو میں اس کو کیا کروں

کیا ہی دکھلاتی ہیں گلشن میں گلوں کی ڈالیاں
گہری گہری سبزیاں اور جھجھاتی لالیاں
وا، چھپاتی دن خ،

صبح محشر ہو چکی پر بے خودی ہر اب تلک کس کی دیکھی ہیں ہیں یارب انکھڑیاں متولیاں

سنبھلے ہر فصل گل کوئی حسن نگار کو
کس دل جلے کی خاک لے گزری چین میں آج
لازم ہے دستگیری افتادگان نسیم
نالہ سے میرے اور تو اب چاہتا ہے کیا
اللہ سے کارخانہ تقدیر ذوالجلال
مکھڑے پہ اس کے صدقہ کیا نو بہار کو
دیکھا عرق نشاں میں نسیم بہار کو
اے بیچ اس گلی کے تئیں میری غبار کو
پانی تو کر دیا ہے دل کو ہزار کو
یہ اعتبار رستی بے اعتبار کو

سمجھو بے ہودہ مت اشک گرِ شب کو کہ عاقبت ہے اثر کچھ نہ کچھ کو اکب کو

کہتے ہیں قیامت بھی ہوئی ہم تو ہدایت افسوس کہ محروم ہیں دیدار سے اب تک

بیان کروں لب شیریں کی کیا حلاوت کا کہ وقت بوسہ ہر اک دم ہر گھونٹ شربت کا

انجام کاروں کا ہدایت میں کیا کہوں آنسو کی بوند ساتھ ہو کے ٹپک گئی

ہدایت اپنا وطن کس کو خوش نہیں آتا
ہزار حیف کہ دلی سا شہر ویران کر
پراہ کیا کرے اب کوئی مرضی رب کو
کیا ہے یاروں نے آباد ملک پورب کو

غیر پر جو رو بھائی کچے گا یادنت میری وفا کیے گا

اے بیچ اس گلی تئیں میرے "دن خ (۱۲) پڑی - (دن نور محمد)

چلتے ہیں ہم بھی ترے ساتھ نسیم
رہ کے اس باغ میں کیا کیجئے گا

رہا مرنے مرنے مجھے غم اسی کا
کیا تیغ قاتل نے جب کام اپنا
عبت ہو غرض ان تباں سو بھی ملنا
کیا حسن سے اس نے آگاہ اُس کو
ہدایت کہا رنجہ جبکہ ہم نے
نہیں بعد میرے کوئی بے کسی کا
میں منہ دیکھتا رہ گیا بے بسی کا
نہیں آج دنیا میں کوئی کسی کا
الہی ہو خانہ خراب آرسی کا
روح اٹھ گیا ہندو فارسی کا

مر جائے جو کوئی کھائے افسوس
ہم مر گئے پر ہدایت اس نے
احوال مرا ہے جائے افسوس
اتنا نہ کہا کہ ہائے افسوس

گاہ بیٹھے ہیں گاہ مرنے ہیں
ہم بھی دنیا میں زیت کرتے ہیں

(۵) ہوش

تخلص جوان شیریں زبان است بہ شاگرد می میر سوزنازشی وارو از دوست۔
یار ہنستا ہے چشم ترکو دیکھ
دست دپاکم کرے ہیں موکرا
تیرے خط کا جواب آیا ہے
گریہ ملک اپنے تو اثر کو دیکھ
نازنین تیری اس مکر کو دیکھ
ہوش کھول آنکھ نامہ بر کو دیکھ

حرف الیاء

یقین (۱)

میاں انعام اللہ خاں یقین پسرِ ظہر الدین خاں بودہ نبیرہ حمید الدین خاں نیمچہ جونی
 بود مرزا مزاج و شیریں زبان از حسن و جاست بہرہ دانی داشت گویند مرزا جان جیاں اورا
 بیمار دوست داشتے و اکثر بخانا اش شب راز و روز را شب کردے۔ دیوانش از نظر مرزا
 بخوبی گزشتہ بلکہ بقول بعضے ہمہ کلامش گفتہ مرزا است "دردورہ ایہام گویان اول کسے کہ
 رختہ راستہ و رفتہ گفتہ، ایں جوان بود بعد از اں تتبعش بدگیاں رسیدہ چنانچہ خود می گوید
 حق کو یقین کے یار و بر باد مت دو آخر طرزیں سخن کے اُس کی تم نے اڑائیاں میں
 عمرش زیادہ بہت و بیچ نہ خواہد بود کہ پدرش اوراکشتہ دردیک مدفون ساختہ۔
 ایں سررا کیکہ می واند میدانند خدائش بیا مرزا۔ از دیوان اوست۔

ہمک اک انصاف کرتا بھی کرتا ہر جفا کوئی	کرے گا بعد میرے کس توقع پر وفا کوئی
عجب سچ سے کیا ہر قتل مجھ کو اس کو مت ٹوکو	طلب کرتا ہوا ہے قاتلوں سے خونہا کوئی
گزر جا وصل سے گھر میں دیکھے رضا اس کی	محبت میں یقین لیتا ہے نام مدعا کوئی

بت کرے سجدہ ترے حسن خدا داد کو دیکھ	سر و بندہ ہو ترے قامت آزاد کو دیکھ
اُن گنہگاروں میں ہوں کہ منے کے مارے	جی نکلتا ہے مرادور سے جلاد کو دیکھ
عشق کے جور و جفا میں تجھے گرتا ہوں یقین	عیش پر وزیر کو اور محنت فرما د کو دیکھ

خارے مڑگاں کے جی ڈرتا ہوں میرا بے طرح
فصلِ گل بھی آن پہنچی دیکھئے کیا ہو یقیں

رکھ مری آنکھوں پہ دیتے ہو کفِ پابے طرح
اب کے چلتا ہے جنوں پر جی ہار بے طرح

نہیں معلوم اب کے سالِ میخانہ پہ کیا گذرا
برہن سر کو اپنے پٹیا تھا دیر کے آگے
یقیں کب یار تیرے سوزِ دل کی داد کو پہنچے

ہمارے توبہ کے کرنے سے پیانہ پہ کیا گذرا
خدا جانے تری صورت سے تیخانہ پہ کیا گذرا
کہاں ہو شمع کو پروا کہ پروانہ پہ کیا گذرا

سرِ سلطنت سے آستانِ یار بہتر تھا
مجھے زنجیر کرنا کیا مناسب تھا بہاراں میں
مجھے پھر دکھ دیا تو نے منڈا کر سترہ خط کو
مرا دل مر گیا جس دن سے نظارہ سے باز آیا

ہمیں ظلِ ہمارے سایہ دیوار بہتر تھا
گل ہاتھوں میں اور پاؤں میں میری خواہش بہتر تھا
جراحت کو مرے یہ مرہم زنگار بہتر تھا
یقیں پر ہیرا گر کرتا تو وہ بیار بہتر تھا

کار دین اُس بت کے ہاتھوں ہائے ابر ہو گیا
کیا بدن ہو گا کہ جس کا کھولتے جامہ کا بند
آنکھ سے نکلے پہ آنسو کا خدا حافظ یقیں

جس مسلمان نے اُسے دیکھا سو کا فر ہو گیا
بوئے گل کی طرح ہزار حق معطر ہو گیا
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سوتا سر ہو گیا

باغباں بے رحم اور در بند دیواریں بلند
اختیار می ہو مگر یہ کام ناصح تو ہی کہہ

بیل بے بالِ پر کشن میں جاتے کس طرح
عشق سے کوئی یقیں کو باز لائے کس طرح

عمرِ آخر ہے جنوں کو لو بہاراں پھر کہاں
ہو بہشتوں میں یقیں سب کچھ دین و رو نہیں

ہاتھ مت پکڑو مرا یا روگیاں پھر کہاں
بھر کے دل رو لیجئے یہ چشم گریاں پھر کہاں

اُس مبتی پوش سے آغوش رنگیں کیجئے
عشق میں راحت نہیں ملتی مگر جوں کو کہن

جی میں ہر اس مصرعہ موزوں کو تضمیں کیجئے
جان شیریں دیکھئے تب خواب شیریں کیجئے

چھٹے اس زندگی کی قید سے اب ادا کو پہنچے
نہ نکلا صبر سے کچھ کام اب فریاد کرتا ہوں

وصیت ہے ہمارا خون بہا جلا د کو پہنچے
مری فریاد ہی شاید مری فریاد کو پہنچے

دفا کا کیا قیامت ہے جو کوئی بد لاجباد یو
محبت کا جو باناں ہے عجب آداب ہیں اُس کے
نہ تھی پرواز قسمت میں مرے عیاد پر اتنا
خفا ہو زندگی سے مر گیا ہوں بسکہ ڈرتا ہوں
یقین زنجیر میں ہے تب تو عالم میں نہیں چلیں

ترجم ان تیاں کو اپنے بندوں پر خدا یو
کہ جوں جوں یار دیوے گالیاں عاشق عباد یو
صبا سے کہو میری خاک گلشن میں اُتراد یو
مبادا حشر مجھ کو خواب راحت سے جگا د یو
جو تک چھوٹے دو انا تو ابھی مھو میں مجا د یو

مُوکھ تو دیتا ہے کروں تجھ کو بھی حیران تو ہے
اب تو ناصح کے تئیں سینے دو مرا جاگ چپ
لوگ نظروں میں نہیں لاتے ہیں پرانے کے
اپنے بندوں کو جلا کر خاک کرتے ہیں یقین

باغباں اب کے اجائے لوں گلتاں تو ہے
تا رتا اس ضد کے کڑالوں گریباں تو ہے
اشک خوں سے باغ کڑالوں بیاباں تو ہے
ان بتاں کی ضد سے ہو جاؤں مسلمان تو ہے

اگر دیتے ہو دل کی داد جتنا اس کا جی چاہے
نہیں ممکن کہ ہم کعبہ کو جائیں چھوڑت خانہ
یقین مجھ بن نہیں ہے قدر و اں کوئی نصیبت کا

تو کرنے دو اسے فریاد جتنا اس کا جی چاہے
کرے داعظ ہمیں ارشاد جتنا اس کا جی چاہے
فلک مجھ پر کرے پیدا جتنا اس کا جی چاہے

دا، پایہ دن خ ۱ - (۲) ن خ میں یہ شعر نہیں -

اگر عشق میں آفت ہے اور بلا بھی ہے
اس اٹک و آہ سے سودا بگڑ نہ جائے کہیں
یہ آرزو ہو کہ اُس بیوفاسے یہ پوچھوں
یہ کون ڈھب ہو سخن خاک میں ملائے کا
یقین کا شور جنوں سن کے یار نے پوچھا
نرا برا نہیں یہ شغل کچھ بلا بھی ہے
یہ دل کچھ آب رسیدہ ہو کچھ بلا بھی ہے
کہ میرے بے مزہ رکھنے میں کچھ مزہ بھی ہے
کسو کا دل کبھی پاؤں تلے ملا بھی ہے
کوئی قبیلہ مجنوں میں کیا رہا بھی ہے

خون انصاف سے اتنا بھی زبان تر نہ کرو
سایہ بے شخص نہیں رہتا ہے کہا ہو یقین
لعل کو یار کے ہونٹوں سے برابر نہ کرو
آپ سے مجھ کو جدا حضرت مظهر نہ کرو

اسیرانِ قفس کی ناامیدی نظر کجیو
کہا جاتا نہیں کچھ مجھ سے توجو کہہ سکے کہیو
یقین سے جلتے جلتے کا سرتا بھی نہ ٹھکراؤ
بہار آوے تو اے صیاد ہم کو مت خبر کجیو
مری اس بے زبانی پر نظر اے نامہ بر کجیو
اس آتش سے اے امنِ راز و ملک خبر کجیو

(۲) یک رنگ

مصطفیٰ خاں یک رنگ تخلص بقولے شاگردِ خانِ آرزو و بقولے میاں ابرو و از فحوائے
کلامش جنیں می تراو کہ شاگردِ مرزا مظهر خواہد بود۔ برائے تمین دو شعرش قلمی می شود۔ از دست۔
ہرگز تم اب کسی کے سخن آشنا نہیں
یک رنگ نے تلاش کیا ہے بہت سستو
سب خوبیاں ہیں تم میں لے اک وفا نہیں
مظہر سا اس جہاں میں کوئی میرزا نہیں

(۳) یکرو

میاں یکرو تخلص دو شعرا ز ایشاں نیز یاد دارم و آں اہمیت۔

لے گئے بے رحم سبکیں کر گئے
ایک تھا عاشق کے غمخواروں میں
اب تو کیر و جتیا رہتے کا نہیں
جاڑا ہر شوخ و غمخواروں میں

پوشیدہ مباد کہ اگرچہ تذکرہ تمام شد اما خاتمہ اس شکل بر اشعار خیر زمان است و
داخل تذکرہ برائے آن نہ شدند کہ از تخلص بعضے از ازاں آگاہی نہ داشتیم۔

(۱) دوہاں سکیم

جہاں کے باغ میں ہم بھی بہار رکھتے ہیں
مثال لالہ کے دل و انداز رکھتے ہیں

بہا ہے چھوٹ کے آنکھوں سے آبلہ دل کا
تری کی راہ سے جاتا ہے قافلہ دل کا

(۲) جینا سکیم

یکس کی آتش نہاں نے جی جلایا ہے
کہ تافک مرے شعلہ نے سڑاٹھایا ہے

(۳) گنا سکیم

زوجہ عماد الملک گویند طبع موزوں داشت احوال از کثرت اشتہار محتاج بہ بیان
نہست۔ میر قمر الدین منت کہ پیش ازیں چندے بہ رفاقت عماد الملک بہ نسبت شعرو شاعری
امتیاز داشتند و راں ایام سکیم مذکور کلام شکستہ و ستہ خود از حکیم نواب بہ نظر ایشان می گزید
ازیں جهت ایں غزل میر صاحب بنام او شہرت یافتہ بلکہ تخلص ایشان نیز پیش نا آگاہان
تخلص او گرویدہ مطلع غزل ایں است

(۱) اول اشعار اینہا نوشتہ می شود بعد از ازاں خاتمہ خواہم نوشت (دخ)

مدعی اُس کو سخن ساز بہ سالوسی ہے پھر تمنا کو یہاں مژدہ مایوسی ہے

از دست شمع کی طرح کون رو جانے جس کے جی کو لگی ہو سو جانے

جس طرح لگی دل کو مرے چاہ کو کی اس طرح نہ لگیو مرے اللہ کسو کی

خنا خون مجھے اُن پاؤں کی جب کچھ بات چلتی تھی رگڑتی تھی سِرِ نپا سنگ پر اور ہاتھ ملتے تھی
تسے منہ کی تہلی دیکھ کر کے رات حیرت سے زمیں پر لٹتی تھی چاندنی اور شمع جلتی تھی

اُس کا پیغام مجھے کیونکہ زبانی آوے نام سنتے ہی مرا جس کو گرانی آوے
دین و دنیا سے سر و کار ہے کس کا رو کو رات دن فکر یہی ہے کہہیں جانی آوے

ارے قاصد تو میرا اور کچھ مذکور مت کیجو یہی کہیو کہ اپنے دل سے مجھ کو دوست کیجو

سن لیجیو خط سو پ کے پیغام کو قاصد لے اٹھیو نہ پہلے ہی مرے نام کو قاصد

حسن کا جی ہوا داتجھ میں میاں سوتو نہیں گل تصویر میں گوزنگ ہوا بو تو نہیں

(۴) زمینیت

نازک تخلص زینت نام و فیض آباد از میر حسن خلیق معلوم شدہ مشائرا یہ می گوید کہ
ہر گاہ من ہمراہ شکر رقم ببیب الفی کہ با من داشت این غزل نوشتہ فرستادہ بود۔
(۱) کسی۔ دن خ (۲) دروغ راست برگردن راوی دن خ

کوچہ میں کوئی رسکے کوئی در پہ مرے ہے
 موجود ہے ہر آن جو نزدیک ہمارے
 ہے نالہ و زاری کا مے شور فلک تک
 یاد آتی ہے اُن آنکھوں میں آمد وہ نشہ کی
 غش میں مجھے کل دیکھ کے وہ ڈر کے یہ بولا
 پیغام اہل چاہ ہر آس بت کی دیکھ کن
 جاتے تھیں ٹمک دیکھا تو آنکھیں نہ نکالو
 محفل میں مجھے دیکھ کے کہنے لگا اپنی
 اٹھائیں تو بولا کہ میں ہوں غیر کو کہتا
 نازک سفر دور کو گویا وہ سدھارا

انصاف بھی کچھ ہے تو یہ کیا ظلم کرے ہے
 وہ دہم و گمان سے بھی حقیقت میں پے ہے
 پر وہ بت مغرور کوئی کان دھڑے ہے
 ساتی مے گل رنگ سوجب عالم بھر ہے
 بس ہوش میں آکیوں مجھے بدنام کرے ہے
 کب عاشق جاں باختہ مرنے سوڑے ہے
 منظور ہیں تو نظرے خوش گذرے ہے
 جاوے یہ بلا گھر سے مرے کوئی ایسے ہے
 جل جل کے تو کچھ اپنی ہی غیرت میں ہے
 گرم طلب شوق کے نزدیک وئے ہے

(۵) موتی

موتی نامی از اہل طوائف ارباب نشاط و رفین خود صاحب مذاق و ذی اعتبار۔
 اصلش شاہجہاں آباد است۔ دو از وہ سال گزشتہ کہ مرزا ابراہیم بیگ مقتول را کہ ذکر ایشان
 در ردیف مہم گزشتہ شیفنگی براؤشدہ بود تا امر و زبایاں بر جادہ و فاداری قائم است
 چند سال گزشتہ کہ از دہلی بہ لکھنؤ رسیدہ گاہ گاہ ہے فقیر ہم برائے ملاقات مرزائے مذکور
 کہ بہ خانہ اشس میر دم بسیار بہ خوبی پیش می آید۔ از دست۔

گلابی رو برو ہے اور ہم ہیں
 سیاگر تو نے چاک حبیبِ ناصح
 بلا سے گونہ ہوئے دل کو داشت
 شب مہتاب میں تا صبح ساقی
 بس اب جام و سبو ہوا اور ہم ہیں
 تو پھر تارِ رُفوس ہے اور ہم ہیں
 بجومِ یاس تو ہے اور ہم ہیں
 خیالِ ماہِ رو ہے اور ہم ہیں

یہ کیا جی میں لہرائی کہ موتی کنار آب جو ہے اور ہم ہیں

خاتمہ

برصیر آئینہ نظیر مصبران گو ہر معانی مخفی و مجتب نہ مانند کہ مولفِ این تذکرہ غلام سہدانی ولد ولی محمد ابن ورویش محمد کہ مصحفی شہرت دارد از سبب حواس و پریشانی خاطر و نامساعدی زمانہ کجا فرصت آن داشت کہ بہ تصحیح احوال و اشعار شعرائے سابق و حال پرداختہ نقشہ این جریدہ را بر دسے کار آرد اما اکنون کہ بہ رہبری نخب سدید در حضور پر نور مرشد زاوہ آفاق مرزا محمد سلیمان شکوہ بہادر ادام اللہ اقبالہ باریافتہ ہمیشہ موردِ گوناگون مہربانی آن مہر سپہر خلافت و جہان داری می باشد فرصت را غنیمت شمرده مسودہ محسوس تذکرہ را کہ از چند سال بہ طاق نیان افتادہ بود صاف نموده و درست ساختہ احوال اکثرے درو بہ شرح و بسط مسطور است و احوال بعضے از متقدمین کہ کمایہ غنی آگاہی بر اوقات آنہا حاصل شود بطور بیاض سمت تحریر یافتہ۔

قطعہ

غرض نقشہ است کز مایا دماند کہ ہستی را نمی بسنم بقلم
مگر صاحبہ لے روزے بہ رحمت کند در کار این مسکین و علمے
امید کہ بہ نظر قبول آن والا جناب در آمدہ مقبول دلہا گردو۔

تاریخ

چونکہ از بفضل خدا ساختہ شد جلد این تذکرہ مانند بہشت
سال اوچوں زخرد پر سیدم یکہزار و دوصد و نہ ہشت

تاریخ دیگر

چوں ز انعام خدائے کار ساز
شد مرتب این کتاب و پذیر
بنکہ در معنی تطبیح خود نہ داشت
گفته شد تاریخ جلد بی نظیر
۱۲۰۹ھ

کاتب بندہ مرزا فدا حسین ولد آقا مرزا صاحب ۲۰ جمادی الثانی ۱۲۱۹ھ ملک
لکھنؤ مکان احمد گنج درین سی ام۔

ایں تصنیف استاد زمانہ بہمد خود خاقانی شیخ غلام بہدانی مرحوم و مصحفی تخلص دارد
کتبہ محمد علی بیگ خاک پائے جلالی بارودیم شہر صفر ۱۲۳۰ھ تمام شد۔

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب

(۱) تاریخ مولفہ



کتبہ نصیر
۸-۳۲

جامع برقی پرنجام مسجد ملی میں پرنسپل ۱۹۲۲ء

An-Hair Book Agency, Lucknow.

An-Hair Book Agency, Lucknow.

اُردو

انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن کا سہ ماہی رسالہ ہر جس میں
ادب اور زبان کے ہر پہلو پر بحث کی جاتی ہے۔ اس کے تنقیدی
اور محققانہ مضامین خاص امتیاز رکھتے ہیں۔ اردو میں جو کتابیں
شائع ہوتی ہیں اُن پر تبصرے اس رسالہ کی ایک خصوصیت
ہے۔

یہ رسالہ سہ ماہی ہے اور ہر سال جنوری، اپریل، جولائی اور
اکتوبر میں شائع ہوتا ہے، رسالہ کا حجم ڈیڑھ سو صفحے ہوتا ہے اور
اکثر اس سے زیادہ۔ قیمت سالانہ محصول ڈاک وغیرہ ملا کر سات روپے
سکہ انگریزی۔ آٹھ روپے سکہ عثمانیہ۔

المشہر۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن)

Anjuman -i- Tarraqqi -e- Urdu Series No. 54.

Tadzkirah -i- Hindi

A Biographical Anthology

of

Urdu Poets

by

Ghulam Hamdani "Mus - hafi",

Edited by

MOULVI ABDUL HAQ, B. A. (ALIG.)



An-Nazir Book Agency, Lucknow.

1933



**ALLAMA
IQBAL LIBRARY**

**UNIVERSITY OF KASHMIR
HELP TO KEEP THIS BOOK
FRESH AND CLEAN**